رمزِ ایمان
ڈاکٹر غلام جیلانی برق

رمزِ ایماں

(اسلام عقل کی روشنی میں)

ڈاکٹر غلام جیلانی برقؔ
ایم۔ اے، پی ایچ ڈی

شیخ غلام علی اینڈ سنز (پرائیویٹ) لمیٹڈ، پبلشرز
لاہور ○ حیدرآباد ○ کراچی

ادارۂ معارفِ اسلامیہ کیمبل پور

(۱۰)

بانی :

سیّد خالد محمود۔ سی ایس پی۔

تاریخ :

یکم مئی ۱۹۶۳ء۔

موجودہ سرپرست :

نواب زادہ محمد یعقوب خاں۔ ڈپٹی کمشنر۔ اٹک۔

صدر :

پرنسپل ظہور احمد ایم اے۔ پی۔ای۔ ایس I
گورنمنٹ کالج۔ کیمبل پور۔

ممبران :

۱ : پرنسپل اشفاق علی خان۔ الھزہ
۲ : علامہ زاہد الحسینی
۳ : پروفیسر محمد مسعود ایم اے (عربی۔ اسلامیات)
۴ : ملک محمد اسلم خاں، ایم۔ پی۔ اے،
دائس چیئرمین۔ ڈسٹرکٹ کونسل۔ اٹک۔
۵ : ڈسٹرکٹ انسپکٹر مدارس۔ اٹک
۶ : غلام جیلانی برقؔ۔

مالی اِمداد :

۱ : ڈسٹرکٹ کونسل اٹک۔
۲ : سیٹھ محمد داؤد خاں حضرو۔
۳ : حافظ ایچ ۔ ایم ۔ حبیب اللہ (مکھڈ)
۴ : سیٹھ عزیز داؤد ۔ لارنس پور

مصنّف کی دِیگر تصانیف

۱ : دو قرآن

۲ : حکمائے عالم

۳ : دو اِسلام

۴ : امام ابنِ تیمیہ - انگریزی

۵ : ″ ″ - اُردو

۶ : آئینِ فطرت

۷ : لمعاتِ برق

۸ : ایک اِسلام

۹ : جہانِ نو

۱۰ : پیامِ ادب

۱۱ : اِنفعال

۱۲ : گلہائے اِیران

۱۳ : حیاتِ سکندر

۱۴ : ہم اور ہمارے اسلاف

۱۵ : فرماں روایانِ اِسلام

۱۶ : حرفِ محرمانہ

۱۷ : اللہ کی عادت ۔

۱۸ : بھائی ۔ بھائی ۔

۱۹ : من کی دُنیا

۲۰ : یورپ پر اِسلام کے اِحسان ۔

۲۱ : دانشِ رُومی و سعدی

۲۲ : اِسلام اور عصرِ رواں

۲۳ : مسائلِ نو ۔

۲۴ : دانشِ عرب و عجم

۲۵ : فلسفیانِ اِسلام

۲۶ : مؤرخینِ اسلام

۲۷ : کئی سو مقالات

۲۸ : ۱۱۰ مقالات کا اُردو ترجمہ برائے دائرۂ معارفِ اسلامیہ (اُردو) پنجاب یونیورسٹی ۔

فہرس

باسمہٖ سُبحانَہٗ

حرفِ اوّل

آج سے پانچ سال پہلے مَیں نے ایک کتاب "اسلام اور عصرِ رواں" کے عنوان سے لکھی تھی۔ جس میں یہ واضح کیا تھا کہ یورپ کی بے رُوح میکانکی تہذیب سُپٹنِک اور راکٹ تو بنا سکتی ہے۔ لیکن ایک اچھا انسان ہرگز تیار نہیں کرسکتی۔ یہ ایک لمحے میں ہیروشیما جیسے صدہا شہر تو برباد کرسکتی ہے۔ لیکن مسرور ——— مطمئن ——— قانع ——— اور خُدا ترس لوگوں کی ایک چھوٹی سی بستی بھی نہیں بنا سکتی۔ نیز بتایا تھا کہ اسلام وُہ واحد نظامِ زندگی ہے جو دُنیا کو حُسن ——— نکھار ——— توازُن ——— اور پاکیزگی دے سکتا ہے۔ بعد میں مجھے احساس ہُوا، کہ اُس کتاب میں چند ضروری مسائل نہیں آسکے تھے۔ مثلاً فلسفۂ عقائد و اعمال۔ اسلامی ثقافت ——— اسلامی قومیّت و ریاست ——— تقدیر ——— اسلام کا معاشی نظام وغیرہ۔ اور کچھ مزید تفصیل چاہتے تھے۔ چنانچہ مجھے یہ نئی کتاب لکھنا پڑی ——— اسے "......عصرِ رواں" کی دُوسری جلد تصوّر فرمایئے۔

اِسلام کا مقصد:

چونکہ اسلام علم۔ عشق۔ خدمت۔ ایثار اور عدل و احسان کا دُوسرا نام ہے۔ اِس لیے وُہ ایسے اِنسان تیار کرنا چاہتا ہے۔ جو اِن صفات سے آراستہ ہوں۔ جن کی لذّت خدمت میں، دولت قناعت میں، رفعت محبّت میں اور مسرّت عبادت میں ہو۔ جو شرم و حیا، اور عدل و فضل کے پیکر ہوں۔ جو بُغض و حَسَد، حرص و نفرت ——— اور

خودغرضی وعیاشی سے پاک ہوں۔ جو نوعِ انسان کو ایک کنبہ سمجھتے ہوں۔ اور نسل ورنگ کی تمیز سے ورا تر ہوں۔ یہی وہ لوگ ہیں۔ جو دُنیا کو دار السلام بنا سکتے ہیں۔ اقوام وافراد کے باہمی روابط عدل ومیزان کی اساس پر قائم کر سکتے ہیں، اور کاروانِ حیات کو رہِ منزل دکھا سکتے ہیں۔

اِسلام سے بغاوت :

اِسلام ایک آسمانی ڈِسپلن ہے۔ جو انسان کو خُدا ـــــ رسُول ـــــ اُولا امر ـــــ والدین ـــــ اور اساتذہ کے سامنے جُھکنا سکھاتا ہے۔ جو ہر چھوٹے بڑے کا مقام معیّن کرتا ہے۔ جو قلب ونظر میں پاکیزگی اور ارادوں میں رِفعت بھرتا ہے۔ جو تسلیم ونیاز کا خُوگر بناتا ہے۔ اِسلام سے فرار گویا خُدا، رسُول، قانون، والدین اور اساتذہ کے خلاف اعلانِ بغاوت ہے۔ اگر آج[1] ہمارے طلبہ ہر جگہ سرکاری جائدادیں جلا رہے ہیں، اور حکومت کے خلاف نعرے لگا رہے ہیں، تو اس کی ایک وجہ یہ ہے کہ ظہورِ پاکستان کے بعد حکومت نے اِسلام کو فروغ دینے کے لیے کوئی قدم نہیں اٹھایا، اور ہر وُہ حرکت کی جس سے اسلام کے خلاف نفرت پیدا ہو سکتی تھی۔ مثلاً سینماؤں میں عُریاں، حیاسوز اور ذلیل انگریزی فلمیں دکھائیں۔ ولایت سے بدآموز لٹریچر اور مُصوّر رسائل درامد کیے۔ جگہ جگہ شراب خانے کھولے اور ثقافت کے نام پر رقص وسُرود کی ایسی محفلیں جمائیں۔ جن میں مُلک کی حسیناؤں نے

---

[1] : نومبر ۱۹۶۸ء میں حکومت کے بعض اِقدامات سے مُلک میں نفرت کی ایک لہر دوڑ گئی۔ جس نے جلوسوں اور مظاہروں کی صُورت اختیار کرلی۔ یہ سلسلہ آج (۲ مارچ ۱۹۶۹ء) تک جاری ہے۔ صُورتِ حال پر قابو پانے کے لیے حکومت کو بار بار گولی چلانی پڑی ـــــ جس سے کئی درجن جانیں ضائع ہوئیں۔

بھڑک بھڑک کر نوجوانوں کے بہیمی جذبات کو برانگیختہ کیا۔ ہم نے بعض وُزراء، سُفراء اور اعلےٰ حکام کو عیش خانوں اور میخانوں میں تو اکثر دیکھا۔ لیکن عبادت گاہوں میں قطعاً نہ پایا۔ اسمبلیوں کے ممبر رُوٹ پرمٹوں، ٹھیکوں اور اجاروں کے پیچھے پڑ گئے۔ اہل کار راشی بن گئے۔ نفسانفسی، لادینی اور زرطلبی کے اس سیلاب میں بڑوں بڑوں کا ایمان بہہ نکلا۔ اساتذہ بھی اس طُوفانِ بدتمیزی سے متاثر ہُوئے بغیر نہ رہ سکے۔ یہ اصلاح و تبلیغ کے فرض سے غافل ہو گئے، اور ہمارے لاکھوں نوجوان یُوں بے سمت چل پڑے۔ جیسے آندھی میں سُوکھے پتّے اُڑ رہے ہوں۔

نوجوانوں کی اِس بے راہی کا ذمّہ دار کون ہے ؛ سب سے پہلے حکومت، پھر والدین اور اساتذہ کی غیر اِسلامی زندگی، اور اس کے بعد ہمارے یہ دلچسپ سیاست دان۔ جو اِسلام کے نام پر ووٹ لے کر اسمبلیوں یا وزارتوں تک پہنچے، اور وہاں اِسلام ہی کے خلاف سازشوں میں مصروف ہو گئے۔ کیا آج تک کسی سیاست دان نے حکومت سے یہ پُوچھا ہے کہ وُہ پاکستان میں اِسلام کو فروغ دینے کے لیے کیا کر رہی ہے ؟

پچھلے بائیس برس میں حکومت نے چھوٹے موٹے مسائل مثلاً پریس —— لیبر —— صنعت —— درآمد برآمد وغیرہ پر غور کرنے کے لیے ماہرین کے درجنوں کمیشن بٹھائے۔ لیکن اِسلامی تعلیمات کے فروغ، نوجوانوں کی اِصلاح اور بقا و فنا کا راز معلُوم کرنے کے لیے کوئی کمیشن ترتیب نہ دیا۔ بلکہ اِسلام کو بے کار و دُور از کار سمجھ کر قطعاً نظر انداز کر دیا۔ یُوں کہیے کہ ہمارے سیاست دان خُدا و رسُول سے زیادہ عقل مند بن بیٹھے، اور اتنا بھی نہ سوچ سکے کہ جن مُسلمانوں نے ایشیا، افریقہ اور یورپ پر ایک ہزار سال تک نہایت کامیاب حکومت کی تھی۔ اُن کی اولادکیوں اِس قدر نااہل نکلی، کہ بیس سال میں ایک چھوٹے سے مُلک (پاکستان) کو بھی نہ سنبھال سکی۔ بات سیدھی سی ہے کہ اُن لوگوں نے اپنی حکومتوں کی اساس قُرآن کی لازوال تعلیمات پر رکھی تھی، اور ہم نے خانہ ساز ضوابط کو اپنا رہبر بنا لیا

اور ہر قدم پر ہزاروں ٹھوکریں کھائیں۔ اے سیاست دانو! اب بھی وقت ہے کہ تم اللہ کی طرف واپس آجاؤ۔ خُدا و رسُول کے سامنے جُھک جاؤ۔ اِسلام سے مذاق کرنا چھوڑ دو، اور پاکستان کو ایک ایسا سانچہ بنادو۔ جس سے عالِم ــــ عابد ــــ بلند عزم ــــ اور پاک نگاہ اِنسان ڈھل کر نکلیں۔

غیر اِسلامی زِندگی کا انجام :

اگر تُم نے ایسا نہ کیا تو یہاں بھی وُہی حالات پیدا ہو جائیں گے۔ جن سے آج یورپ دو چار ہے۔ یعنی :۔

ا : ہم سب عیّاش ــــ خود غرض ــــ سنگدِل ــــ لُٹیرے اور مُلحِد بن جائیں گے۔

ب : اِلحاد کی وجہ سے سینے اِضطراب سے بھر جائیں گے۔

ج : خواتین متاعِ بازار بن جائیں گی، اور حیا و عصمت کو داستانِ پارینہ بنا دیں گی۔

د : جب جوان اولاد آدھی رات کے بعد عیش خانوں سے لوٹے گی، اور والدین باز پُرس کریں گے، تو جواب ملے گا" تُم دقیانوسی بوڑھے لوگ اپنے کام سے غرض رکھو، اور ہم جوانوں کے معاملات میں دخل نہ دو"۔

ہ : زندگی سے خُدا و رسُول کا حسین تصوُّر نکل جائے گا۔ مذہب کی مقدّس قدریں مِٹ جائیں گی، اور اِنسان خالص درندہ بن جائے گا تسلیم۔ کہ امریکہ علم و صنعت میں بہت آگے نکل گیا ہے لیکن اُس کی اِنسانیّت کا عالَم کیا ہے؟ یہ داستان وِیت نام کے اُن لا تعداد

مظلوموں سے سُنیئے ۔ جن پر امریکہ پچھلے دس برس سے آگ برسا رہا ہے ۔ بیس لاکھ سے زیادہ افراد کو ہلاک اور اندازاً تیس لاکھ کو مفلوج و شل بنا چکا ہے ۔ آپ جانتے ہیں کہ اقوامِ متحدہ ، جس کا کام قیامِ امن ہے ، کا بانی بھی امریکہ تھا ۔ اور آج سب سے بڑا باغی بھی یہی ۔ اقوامِ متحدہ چیخ چیخ کر تھک گئی ۔ کہ ویت نام کا پیچھا چھوڑ دو ، لیکن بدمست امریکہ سُنتا ہی نہیں ۔ مذہب نہ رہے ، تو انصاف ، شرافت ، محبت اور اِنسانیت کا جنازہ اُٹھ جاتا ہے اور انسان اِتنا ہی خطرناک بن جاتا ہے ۔ جتنا جنگل میں چیتا ، شیر یا اژدہا ۔

۵ : یہ صرف مذہب ہی ہے ، جو عمل میں حُسن ۔ خیالات میں نظم ، آرزوؤں میں رنگینی اور حیات میں مقصدیت پیدا کرتا ہے ۔ جو لوگ قبر کو زندگی کا انجام سمجھتے ہیں ، وُہ اِس دُکھ بھری دُنیا سے کبھی مطمئن نہیں ہو سکتے ، اور بات بات پہ خُودکُشی کرتے ہیں ۔ آج یورپ اور امریکہ میں خودکُشی کی بے اندازہ وارداتیں ہو رہی ہیں ۔ امریکہ کی ایک سرکاری رپورٹ مُظہر ہے کہ ۱۹۶۲ء کے آخری چھ ماہ میں کیلے فورنیا کے پانچ لاکھ اِنسانوں نے خُودکُشی کی تھی ۔

تہذیبِ نو کا نعرہ لگانے اور اِسلام کو ناکارہ قرار دینے والو! جاؤ ، یورپ میں گھومو ۔ وہاں کے معاشرے کا جائزہ لو ۔ اُن کی دوشیزہ ماؤں ۔ غلیظ ہپیّوں ، لاتعداد شراب خانوں ، رقص گاہوں اور بدچلن نوجوانوں کو گِنو ۔ اُن کے دِلوں کو چیر کر اِضطراب کی وُہ بھڑکتی ہُوئی آگ دیکھو ، جس میں وُہ جل رہے ہیں ۔ اُن کی حرص ——— سنگدِلی ——— تمیزِ رنگ و نسب اور تنگ ظرفی کے مناظر دیکھو ، اور پھر یہ بتاؤ ، کہ کیا تہذیبِ نو ، شرافت

اِنسانیت اور محبت کو جنم دے سکتی ہے؟ یہ درست ۔ کہ مغرب بے پناہ علم کا مالک ہے۔ لیکن علم نہ غربی ہوتا ہے نہ شرقی ۔ یہ کل ہمارے پاس تھا۔ اور آج اُن کے پاس ۔ یہ ہماری ہی ایک گم شدہ ناقہ ہے، اِسے واپس لاؤ ۔ لیکن یہ خیال رہے کہ کہیں اُن کے شراب خانے، رقص خانے، کریہہ و خبیث ہپّی اور بے حیا خواتین بھی ساتھ نہ آجائیں۔

رُوحانیّت کی ضرورت :

رُوحانیّت اُس حُسن کا نام ہے، جو اللہ کی عبادت سے پیدا ہوتا ہے۔ قرآن کی اصطلاح میں یہ نُور کہلاتا ہے۔ اس کی دو قسمیں ہیں : اوّل وُہ چمک اور جاذبیّت جو رُوح سے نکل کر جبیں پہ آجاتی ہے۔

سِیمَاهُمْ فِی وُجُوهِهِمْ مِنْ اَثَرِ السُّجُودِ ۔ (سجدہ (عبادت) کے آثار اُن کے چہروں پہ نمایاں ہیں)

(الفتح ۔ ۲۹)

دوم : وُہ روشنی جو شاہراہِ حیات پہ پھیل جاتی ہے اور اِنسان کو بھٹکنے یا ٹھوکر کھانے سے بچاتی ہے۔

یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَاٰمِنُوْا بِرَسُوْلِهٖ یُؤْتِكُمْ كِفْلَیْنِ مِنْ رَّحْمَتِهٖ وَیَجْعَلْ لَّكُمْ نُوْرًا تَمْشُوْنَ بِهٖ ۔ (اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور رسول کی بات مانو۔ اللہ تمہیں دُہری رحمت سے نوازے گا ۔ اور ایک ایسا نُور عطا کرے گا ۔ جس کی روشنی میں تم جادۂ حیات کو طے کرو گے)

(مجادلہ ۔ ۲۸)

زندگی سے اِس نُور کا تعلق وُہی ہے۔ جو پھول سے خوشبو کا۔ پھل سے رس کا۔

اور گھر سے چمک کا۔

یہ مختلف صورتوں میں ظاہر ہوتا ہے۔ کہیں سوز و گداز کا رنگ اختیار کرتا ہے، اور کہیں ناز و نیاز کا۔ چھوٹوں پہ شفقت۔ بڑوں کا احترام۔ نوعِ انسان سے محبت۔ ہر فرد سے انصاف۔ ہر شخص کی خدمت۔ جان و مال کا ایثار، نعمت میں شکر، مصیبت میں صبر۔ تواضع۔ تسلیم، اور خدائی مشیت میں ڈھل جانا۔ سب رُوحانیت کے کرشمے ہیں۔

آیاتِ ذیل میں رُوح کی انہی صفات کا ذکر ہے :

اَلتَّائِبُوْنَ الْعَابِدُوْنَ　　(اللہ کے بندے،
الْحَامِدُوْنَ السَّائِحُوْنَ　　گناہ پہ نادم، عبادت گزار،
الرَّاكِعُوْنَ السَّاجِدُوْنَ　　حمد گو، سیّاح، راکع، ساجد،
الْاٰمِرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ　　نیکی کے مبلّغ، بدی سے
وَالنَّاهُوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ　　مانع اور خدائی حدود کے
وَالْحَافِظُوْنَ لِحُدُوْدِ اللّٰهِ۔　　محافظ ہوتے ہیں)

(توبہ - ١١٢)

اِنَّ الْمُسْلِمِيْنَ وَالْمُسْلِمَاتِ　　(وہ مسلمان مرد،
وَالْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ　　اور عورتیں، جو خالص
وَالْقَانِتِيْنَ وَالْقَانِتَاتِ　　مومن، فرماں بردار،
وَالصَّادِقِيْنَ وَالصَّادِقَاتِ　　راست باز، صابر،
وَالصَّابِرِيْنَ وَالصَّابِرَاتِ　　خاشع، مخیّر، پابندِ صوم،
وَالْخَاشِعِيْنَ وَالْخَاشِعَاتِ　　شرم گاہوں کی محافظ،
وَالْمُتَصَدِّقِيْنَ وَالْمُتَصَدِّقَاتِ　　اور تسبیح و تہلیل کی
وَالصَّائِمِيْنَ وَالصَّائِمَاتِ　　گرویدہ ہیں۔ وہ اللہ

وَالحَافِظِينَ فُرُوجَهُم	سے اِنعام مغفرت اور
وَالحَافِظاتِ وَالذَّاكِرِينَ	اجرِ عظیم پائیں گی۔
اللّٰہَ کثیراً وَالذَّاکِرَاتِ	
اَعَدَّ اللّٰہُ لَھُم مَغفِرَۃً	
وَ اَجراً عَظِیماً۔	

(احزاب - ۳۵)

حیاتِ اقوام کا انحصار نہ تو دولت پر ہے۔ نہ فراوانیٔ لشکر اور کثرتِ علوم و فنون پر۔ بلکہ اس کا تعلق ایک آسمانی آگ یا شعلے سے ہے۔ جو عزم، حُسن اور عظمت کی صُورت میں نمُودار ہوتا ہے، اور اِسی کا دُوسرا نام رُوحانیت ہے۔ زوال پذیر اقوام مادیّات سے رشتہ جوڑ کر رُوح کی طاقت سے غافل ہو جاتی ہیں —— اور نتیجۃً مِٹ جاتی ہیں۔

کیا مذہب میں انجماد ہے ؟ :

ماڈرن مسلمانوں کا عام خیال یہ ہے کہ ترقی تغیرُّ و حرکت کا نام ہے، اور مذہب تغیرُّ کو گوارا نہیں کرتا۔ یہ ایک منطقیانہ فریب ہے۔ صداقت ہمیشہ غیر متغیّر ہوتی ہے۔ دو اور دو ہر زمانے میں چار رہے ہیں۔ تغیّرُ اُن لوگوں میں ہوتا ہے۔ جو صداقت کی طرف بڑھتے ہیں۔ عصرِ رواں میں ریاضی و طبقیات کے ماہرین کائناتی صداقتوں کی تلاش کر رہے ہیں۔ حرکت اُن کے فکر، عمل اور نتائج میں ہے، نہ کہ صداقتوں میں۔ اِسلام بھی ایک صداقت ہے۔ ناقابلِ تغیّرُ، تبدیلی اُن لوگوں میں آئے گی، جو اِسلام کی طرف بڑھیں گے اُن کا یہ سفر پستی سے بلندی، جہالت سے عِلم، ضُعف سے قُوّت، کثافت سے لطافت اور اندھیرے سے نُور کی طرف ہوگا۔

اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ	(اللہ اہلِ ایمان کی مدد
اٰمَنُوْا يُخْرِجُهُمْ مِنَ	کرتا ہے ، اور اُنھیں
الظُّلُمَاتِ اِلَى النُّوْرِ ۔	اندھیروں سے نکال کر نور کی طرف
(البقرہ ۔ ۲۵۷)	لے جاتا ہے ۔)

اِسلام کو بے کار سمجھنے والے :

پاکستان میں اسلام کا مذاق اُڑانے والے ہر جگہ ملتے ہیں ۔ یہ لوگ زندگی کی حقیقت سے ناآشنا ۔ رازِ بقا و فنا سے ناواقف ، کم علم ۔ کج نگہ اور بے بصیرت ہیں ۔ اِن کے دو گروہ ہیں ۔ ایک وُہ جو بدکاری و عیّاشی کی وجہ سے خُود تو ڈُوب چُکے ہیں ، اور دوسروں کو بھی ڈبونا چاہتے ہیں ۔ تاکہ کوئی ملامت کرنے والا باقی نہ رہے ——— دُوسرے وُہ ۔ جو یہُود کے تنخواہ دار ایجنٹ ہیں ۔ حال ہی میں ایک کتاب " یہُود کی سازش " شائع ہُوئی ہے ۔ جس میں ایک باب کا مضمُون یہ ہے ، کہ یہُودیوں نے ہر بڑے مُلک میں ایسے ایجنٹ چھوڑ رکھے ہیں ، جن کا کام عیّاشی پھیلانا ، لوگوں کو مذہب سے متنفّر کرنا اور نوجوانوں کو رقص و بادہ کا عادی بنانا ہے ۔ تاکہ اُن کا نظامِ اخلاق متزلزل ہو جائے ، اور وہ نہ تو مُلکی سرحدوں کی حفاظت کر سکیں ، اور نہ نظریاتی حدُود کی ۔ یہُود کا اپنا یہ حال ۔ کہ اُن کا ہر فرد روزانہ تین مرتبہ عبادت کرتا ہے ۔ اُن میں کوئی شخص نہ جھُوٹ بولتا ، اور نہ رِشوت لیتا ہے ۔ اُنھوں نے اپنی محنت سے بے آب صحراؤں کو مرغزاروں میں بدل دیا ہے ، اور اُن کی ریاست میں ایک کنارے سے دوسرے کنارے تک کارخانے ہی کارخانے نظر آتے ہیں ۔ لیکن ہمسایہ ممالک سے یہ سلوک ۔ کہ اُن کا اخلاقی نظام تباہ کرنے کے لیے ہزاروں ایجنٹ چھوڑ رکھے ہیں ۔ جو اُنھیں مذہب سے متنفّر اور عیّاشی کی طرف مائل کر رہے ہیں ۔ یہ انھی کی مساعی کا نتیجہ ہے ، کہ عراق و شام کے عرب سُوّر کھانے اور شراب پینے

پہ فخر کرنے لگے ہیں، اور اُن کے کئی اہلِ قلم اسلام کے خلاف لکھ رہے ہیں (تفصیل اِس کتاب کے بابِ ہفتم میں دیکھیے) جب کوئی قوم اپنے نظریات سے بدظن ہو جاتی ہے تو وہ اُن کے دفاع کے لیے قربانی نہیں دے سکتی۔ اور دکارزارِ حیات میں پِٹ جاتی ہے۔ یہی وہ المناک انجام ہے۔ جس سے آج کل عرب دوچار ہیں۔ ایک وُہ زمانہ تھا کہ اِن عربوں نے زندہ و طاقتور نظریات سے مُسلّح ہو کر ساری دُنیا کو روند ڈالا تھا اور آج یہ کیفیت کہ پچھلے بیس برس میں یہ چند لاکھ یہودیوں سے تین خوفناک شکستیں کھا چکے ہیں۔ اِسرائیل کے بیسیوں بم بار ہر روز اِن کے شہروں پہ ہزاروں بم گراتے ہیں، اور یہ بے چارے یا تو آہ بھر کر، اور یا اقوامِ مُتحدہ کو ایک چِٹّی لکھ کر رہ جاتے ہیں۔

یاد رکھو، کہ پاکستان کے مذہب دُشمن عناصر کے ارادے بھی کچھ ایسے ہی ہیں۔ یہ یا تو یہُود کے ایجنٹ ہیں، اور یا اِس سرزمین کو ایک عیش خانہ بنانا چاہتے ہیں۔ جہاں ہر شخص تمام اخلاقی و مذہبی قیُود سے اُسی طرح آزاد ہو۔ جیسے افریقہ کے جنگلوں میں گُریلے یا بَن مانس۔

برقؔ۔ کیمبل پور
۲ر مارچ ۱۹۶۹ء

آغازِ تحریر : ۲۷ - ستمبر ۱۹۶۸ء
تکمیل : ۲ - مارچ ۱۹۶۹ء

بابِ ۱

اسلامی نظریۂ حیات اور فلسفۂ عقائد

مشہور جرمن فلسفی ہیگل جس نے انیسویں صدی کے نصف اوّل میں فلسفہ کو ایک نیا اُفق فراہم کیا تھا، کا قول[1] ہے۔ کہ تمام تاریخ نظریات کے باعث متحرک ہے۔ اس کی تفسیر مارکس کے اس قول[2] میں ملتی ہے۔ کہ نظریات مادی دُنیا کے خالق ہیں۔

نظریہ یا عقیدہ نہ صرف نقطۂ نگاہ کو بدل دیتا ہے۔ بلکہ زندگی کو نئی معنویت عطا کرتا اور تقدیر میں نیا رنگ بھرتا ہے۔ ایک مومن صدقہ و خیرات کو خدائی رحمت کی قیمت سمجھتا ہے اور بے دین مصیبت۔ اُس کے ہاں بوڑھے والدین کی خدمت عبادت ہے، اور اس کے ہاں عذاب۔ وُہ اللہ کے ہر فیصلے کو خواہ وُہ کتنا ہی ناگوار ہو، رحمت سمجھتا ہے، اور یہ زحمت۔ اُسے کائنات کے ہر منظر میں اللہ نظر آتا ہے، اور یہ عناصر سے پرے دیکھ ہی نہیں سکتا۔ وُہ دُنیا کو مزرعۂ آخرت سمجھتا ہے، اور یہ آخرت ہی کو نہیں مانتا۔ آپ نے تاریخ میں پڑھا ہوگا کہ ہندو ہر جنگ میں میدان سے بھاگتے رہے۔ کیوں؟ اس لیے کہ وہ تناسخ کے قائل ہیں۔ اُن کے ہاں ایک انسان ہزار ہا جونوں سے گزر کر نروان حاصل کرتا ہے۔ ہو سکتا ہے۔ کہ وُہ مرنے کے بعد چوہا، کتّا یا سُؤر بن جائے۔ اِس عقیدے کے ہوتے ہوئے

---

[1] : آئیڈیالوجی اینڈ پاور۔ کرسٹوفر۔ طبع لندن ۱۹۹۵ صہ ۶۰

[2] : ایضاً۔ صہ ۶۰

موت کا خطرہ کون مول لے؟ دُوسری طرف مُسلمان کا عقیدہ یہ ہے، کہ مَیدانِ جنگ کی موت شہادت ہے۔ شہادت زندگی کی حسین ترین منزل ہے۔ اور مومن اس کی تلاش میں رہتا ہے۔

از مرگ ترسی اے زندہ جاوید ؟
مرگ است صیدے، تو در کمینی
جانے کہ بخشند دیگر نگیرند
آدم بمیرد از بے یقینی (اقبال)

نظریّہ کی قوّت :

نظریہ ایک عظیم قوّت ہے، اور ہم اِس کا تماشہ دو مرتبہ دیکھ چکے ہیں۔ پہلی دفعہ ۱۹۴۷ء میں۔ جب دس کروڑ مُسلمانانِ ہند آندھی کی طرح اُٹھے، سَیلاب کی طرح آگے بڑھے اور فرنگ و ہند کی مُتحدہ طاقت کو روند کر منزل تک جا پہنچے۔ دُوسری دفعہ ۱۹۶۵ء کی جنگ میں۔ اُن دِنوں دس کروڑ مُسلمانانِ پاکستان میں ایک عظیم انقلاب پیدا ہُوا۔ وُہ دیوانہ وار موت کی تلاش میں نکل پڑے، اور سب کچھ (جان - مال) اللہ کے سامنے پیش کر دیا۔ تمام کے سر آستانِ ایزدی پر جُھک گئے۔ تمام کے دل و دماغ مُسلمان ہو گئے۔ جرائم قاطبتہً رُک گئے۔ ضروریاتِ زندگی ارزاں ہو گئیں۔ یُوں لگتا تھا، گویا حضورؐ پُر نُور کا عہدِ مُبارک دوبارہ لوٹ آیا ہے۔ گو آج ایٹم بم کی وجہ سے فنائے حیات کا خطرہ پیدا ہو گیا ہے لیکن ساتھ ہی یہ امکان بھی موجُود ہے، کہ شاید کل کوئی عظیم رہنما یا فلسفی دُنیا کے ذہنوں کو کُلیتہً بدل ڈالے ——— صُلح و محبّت کی فضا پیدا کر دے ——— اور نوعِ انسانی کو ایک کُنبہ بنا دے۔

یہ ایک حقیقت ہے :
کہ نظریئے کی طاقت ایٹم بم سے زیادہ ہوتی ہے۔

نظریہ کیسا ہو؟

اِس وقت حیات اور منزلِ حیات کے متعلق سینکڑوں نظریے موجود ہیں. جو ایک دُوسرے سے مُتصادم ہو رہے ہیں۔ اِن میں سے صحیح کون سا ہے اور غلط کون سا؟ اِس پر ہر گروہ یا مِلّت کی رائے دُوسرے سے مُختلِف ہے۔ دراصل نظریّہ کا مقصد حصُولِ مسّرت اور زِندگی کی راہ و منزل کی تعیین ہے، اور جو نظریہ نہ مسّرت کا راستہ بتاتا ہو اور نہ منزلِ حیات کی تعیین کرتا ہو، وُہ بے کارِ محض ہے۔

بیشتر دانایانِ گیتی کی رائے یہ ہے کہ ایک نظریّے میں صفاتِ ذیل ہونی چاہئیں:

اوّل : کہ اُس کا مقصد جاذبِ نظر اور زِندۂ جاوید ہو۔ کیوُں کہ ایک زِندہ اِنسان کسی مُردہ مقصد سے محبّت نہیں کر سکتا۔

دوم : وُہ اِنسان کو شرافت۔ رفعت۔ توازُن اور عظمت دے سکتا ہو۔

سوم : وُہ قانُون، تعلیم، سیاست اور معاشیات کو فلاحِ اِنسان کی بُنیادوں پر استوار کر سکتا ہو۔

چہارم : نوعِ اِنساں کو آفاقی نُقطۂ نظر دے سکتا ہو۔

پنجم : اور زِندگی کی اُجاڑ راہوں کو حسین بنا سکتا ہو۔

اِسلامی نظریّۂ حیات :

میری حقیر رائے یہ ہے، کہ یہ خُوبیاں صرف اِسلامی نظریّۂ زندگی میں مِلتی ہیں:

ا : اِسلام کی تعلیمات سیدھی سادی ہیں۔ لایعنی عقائد۔ پیچیدہ رسُوم اور مائتھالوجی سے خالی۔

۲ : اِس کی ہدایات امنِ عالم کی کفیل اور عظمتِ انسانی کی حامل ہیں۔

۳ : یہ ایک ایسی منزل کا پتہ دیتا ہے، جو موت کی دست بُرد سے باہر ہے۔

۴ : یہ حق و صداقت کا حامی ہے ــــــ اِس کا نعرہ MIGHT IS RIGHT. (طاقت حق ہے) نہیں، بلکہ RIGHT IS MIGHT. (حق طاقت ہے) ہے۔

۵ : یہ دُنیا کو دین سے الگ نہیں سمجھتا۔ بلکہ دونوں کو ایک ہی حقیقت کے دو پہلو قرار دیتا ہے۔

۶ : یہ فرد و مِلّت کے روابط، رُوحانی بُنیادوں پہ استوار کرتا ہے۔ مِلّت فرد کو نظم و ضبط دیتی ہے، اور فرد مِلّت کو استحکام بخشتا ہے۔

۷ : یہ کائنات میں غور و فکر کی دعوت دیتا ہے۔ قرآن میں یَتَفَکَّرُون۔ یتدبّرُون۔ یفقہُون۔ یَعۡلَمُوُن کے الفاظ اندازاً ایک ہزار مرتبہ استعمال ہُوئے ہیں۔ اور جگہ جگہ خُدا کی ہستی، توحید رسالت۔ آخرت اور وحی پر طاقت ور دلائل مِلتے ہیں۔

پہلے انبیاء کو مُعجزے دیے گئے تھے، اور بعض مُفکّرین کی رائے یہ ہے کہ مُعجزہ ایک ہلکا سا جبر ہے۔ اگر کوئی نبی لوگوں کے سامنے عصا کو اژدہا بنائے، یا مُردوں کو زندہ کرے۔ تو ظاہر ہے کہ لوگ سہم کر اُس پہ اِیمان لے آئیں گے۔

ہمارے حضورؐ نے اِن خوارق سے بہت کم کام لیا۔ آپؐ رسُولِ جزِ دستے، اور آپؐ کا معجزہ قرآن کا اسلوبِ و استدلال تھا آپؐ نے کفارِ مکہ کو ڈرانے کے لیے نہ تو فاران کو ہوا میں معلّق کیا ——— نہ عصا کو اژدہا بنایا۔ بلکہ دلائل سے کام لیا۔ اللہ کو علم تھا، کہ سائنس اور عقل کا زمانہ جلد آرہا ہے۔ اِس لیے ایمان کے ساتھ اِستدلال کو بھی مناسب مقام دیا۔ درست کہا تھا الکِندی نے :-

" مجھے میری زندگی کی قسم۔ کہ ہم پیامِ رسُول کی صداقت تک عقل کی وساطت سے بھی پہنچ سکتے ہیں۔"

(ریولیشن اینڈ ریزن۔ آربری۔ صہ ۳۶)

۸ : اُس کی ہر ہدایت اِنسانی ضمیر۔ فِطرت اور عقل کے مطابق ہے۔ آپ جانتے ہیں، کہ اِنسان جذبات کے ساتھ پیدا ہُوا ہے۔ اُس میں محبت بھی ہے اور نفرت بھی۔ رحم بھی ہے اور سنگدلی بھی۔ شہوت بھی ہے اور غضب بھی۔ اِسلام اِن جذبات کو کُچلتا نہیں۔ بلکہ اِن کے لیے جائز دوائرِ کار متعیّن کرتا ہے۔ وہ محبت کرنے کا حکم دیتا ہے۔ لیکن سانپ اور بچھّو سے نہیں۔ وہ نفرت کا بھی حکم دیتا ہے، لیکن صرف بدکاروں، ظالموں اور ڈاکوؤں سے۔ وقِس علیٰ ہٰذا۔

اَعمالِ صالحہ :

اِسلام بار بار اعمالِ صالحہ کا حکم دیتا ہے۔ اِن سے مُراد صرف عبادت ہی نہیں۔ بلکہ وُہ تمام اخلاقی و علمی محاسن ہیں۔ جن سے فرد کامل بنتا ہے اور جماعت مُحکم۔ فرد کی تزئین کے لیے

پہلی چیز علم ہے۔ جس نے آدمؑ کو مسجودِ ملائک بنایا تھا۔ پھر عبادات اور سا تھ ہی اخلاقی فضائل۔
مثلاً : رحم دلی۔ خدا ترسی۔ راستی۔ اِنفاق۔ اِیثار وغیرہ۔

اِن محامد سے مُلک آباد ہوتے ہیں۔ باہمی روابط میں اِستحکام پیدا ہوتا ہے اور معاشرے پر نکھار آتا ہے۔

اِجتماعی اعمالِ صالحہ یہ ہیں :-

۱ : علومِ طبیعی میں کمال حاصل کرنا۔ اور عناصر کو اِنسانی خدمت پہ لگانا۔
۲ : دفاعِ مُلک کے لیے مُہیب اسلحہ ایجاد کرنا۔
۳ : تبلیغ اور طاقت سے دُنیا میں امن قائم کرنا۔
۴ : نوعِ اِنسان کو زبان وقلم سے اللہ کی طرف بُلانا۔
۵ : جرائم ۔ مفاسد اور فواحش کے خلاف لڑنا۔
۶ : اخلاقی بُنیادوں پر اقوامِ عالم سے تعاوُن کرنا۔
۷ : اِفلاس۔ اَمراض اور جہالت کو مٹانا۔
۸ : مُتحد رہ کر مِلّت کو استحکام بخشنا۔
۹ : سیاست کی بُنیاد عدل و اِحسان پر رکھنا۔
۱۰ : اور زِندگی کی تمام بلندیوں کی طرف دیوانہ وار بڑھنا۔

یہ ہیں وُہ اعمال۔ جو جماعت کو ناقابلِ شکست اور فرد کو فطرت کے عظیم قوانین سے ہم آہنگ بناتے ہیں۔

عدل کے دو واقعات :

چونکہ اُوپر عدل کا ذکر آ چکا ہے ——— یہاں واقعاتِ ذیل کا ذِکر نامناسب نہ ہوگا :-

۱ : جب محمد بن قاسم راجہ داہر کے خلاف لڑ رہا تھا۔ تو داہر کے ایک فوجی سردار نے اُسے پیغام بھیجا۔ کہ مَیں داہر کو چھوڑ کر آپ سے ملنا چاہتا ہُوں۔ محمد نے جواب دیا۔ کہ ہم اپنے آقا کو کسی حالت میں دھوکہ نہیں دیتے اور نہ یہ پسند کرتے ہیں۔ کہ کوئی اور اپنے آقا سے غداری کرکے ہم سے آملے۔ اِس لیے مَیں آپ کی پیش کش کو مُسترد کرتا ہُوں۔

۲ : حضور صلعم کے زمانے میں ایک مُسلمان یہودیوں کی ایک بستی میں چلا گیا، اور وہیں مارا گیا۔ ظاہر ہے، کہ قاتل کوئی یہودی ہوگا۔ لیکن شہادت موجُود نہ تھی۔ اِس لیے حضورؐ نے اعیانِ دِہ سے حلفی بیان لینے کے بعد، کہ انھیں قاتل کا علم نہیں، بیت المال سے خُون بہا ادا کردیا۔ جب ایک شخص نے کہا، کہ یہُودیوں کی حلف کا کیا اعتبار۔ تو حضورؐ نے فرمایا۔ کہ اسلام اِس سے زیادہ کی اجازت نہیں دیتا۔

عدل جانِ سیاست ہے۔ جِس مُلک میں عدل نہ رہے، دفتر رشوت خوروں سے بھر جائیں اور عدالتیں انصاف فروشوں سے۔ تو وُہ دیر و زُود مٹ جاتا ہے، اور اگر باقی بھی رہے۔ تو بیماری کا عالم اُس پر لعنت بھیجتی رہتی ہے۔

دُعا و عمل :

ایک قوم کی دُعائیں اُس کے نُقطۂ نگاہ —— اُسلوبِ حیات —— اور کردار کی غماز ہوتی ہیں۔ دُعا عمُوماً کوشش کے بعد کی جاتی ہے۔ اِمتحان میں پاس ہونے کی دُعا وُہی کرے گا۔ جو کئی سال کی محنت کے بعد اِمتحان میں شامل ہُوا ہو۔ ہر مُسلمان دِن میں کئی مرتبہ اللہ کے فضل و اِنعام، صراطِ مُستقیم۔ دُنیا و آخرت میں بھتری علم، برکت اور نیک اولاد کے لیے دُعائیں مانگتا ہے، اور ظاہر ہے کہ وُہ اِن کے لیے کوشش بھی

کرتا ہوگا۔ اِسلام اِس کوشش کی رفتار کو تیز تر کرتا، اور مومن کو معالیٔ حیات کا شائق بناتا ہے۔

برکت و بے برکتی :

بَرَکَة کے لفظی معنی ہیں :۔

بڑھنا۔ پھلنا پھُولنا، اور زیادہ ہونا (قامُوس) تمام اِسلامی تعلیمات اِس لحاظ سے مُبارک ہیں، کہ اِن کا نتیجہ آسُودگی، خوشحالی اور ترقی ہوتا ہے۔ اگر ہم مال میں اِسراف نہ کریں۔ تو وُہ بڑھے گا۔ اگر ہم عُشر و زکوٰۃ سے غریب طلبہ، یتامیٰ، اور مساکین کی مدد کریں۔ یا دارالعلُوم اور دارالکُتب کھولیں۔ تو قوم کی قُوّت میں اِضافہ ہوگا اگر ایک دکان دار دیانت دار اور خلیق ہے۔ تو اُس کا مال زیادہ بِکے گا، اور بددیانت کو خسارہ ہوگا۔ اگر ایک زمین دار مزارعین و مساکین کو اُن کا حق نہیں دے گا تو اُس کے کھیت بے برکت ہو جائیں گے۔ اِن معنوں میں۔ کہ مزارعین غلہ چُرائیں گے، اور مساکین کا ہاتھ پڑا۔ تو خرمن کو آگ لگا دیں گے۔

اللہ کے احکام پر عمل کرنے والے نہ صرف خُود مُبارک ہوتے ہیں۔ بلکہ اُن کے آثار بھی مُبارک سمجھے جاتے ہیں۔ قُرآن میں مکہ اور مسجدِ اقصیٰ کو اِسی لیے مُبارک کہا گیا ہے کہ وہاں ابراہیم اور آلِ ابراہیم کے بے شمار آثار موجُود ہیں۔ قُرآن بھی مُبارک ہے کہ اس پر عمل کا نتیجہ ترقی۔ آسُودگی اور درجات میں اِضافہ ہے۔ اللہ نے بارش کو بھی مُبارک کہا۔

وَنَزَّلْنَا مِنَ السَّمَاءِ	(ہم نے آسمان سے
مَاءً مُّبَارَكًا فَأَنْبَتْنَا	مُبارک پانی برسا کر
بِهِ جَنَّاتٍ وَحَبَّ	باغات اور فصلیں

الحدید ۔ (ق ۔ ۹) پیدائش)

کہ اُس سے زمین کے حُسن اور انسان کی خوش حالی میں اضافہ ہوتا ہے۔ حضرت مسیح علیہ السلام کے یہ اقوال بھی لفظ برکت کی تفسیر ہیں :۔

۱ : مُبارک ہیں وُہ ۔ جو غم زدہ ہیں ۔ کہ وُہ تسلّی پائیں گے۔
۲ : مُبارک ہیں وُہ ۔ جو حلیم ہیں ۔ کہ وُہ زمین کے وارث ہوں گے
۳ : مُبارک ہیں وُہ ۔ جنھیں راست بازی سے عشق ہے ۔ کہ وُہ آسُودہ ہوں گے ۔
۴ : مُبارک ہیں وُہ ۔ جو دُوسروں پہ رحم کرتے ہیں ۔ کہ اُن پہ رحم کیا جائے گا ۔
۵ : مُبارک ہیں وُہ ۔ جو صُلح کراتے ہیں ۔ کہ وُہ خُدا کے بیٹے کہلائیں گے ۔
۶ : مُبارک ہیں وُہ ۔ جو راستی کی وجہ سے ستائے گئے ۔ کہ آسمان کی بادشاہت اِنہی کو ملے گی ۔

(متی کی انجیل ۔ باب ۵ ۔ ۴ — ۱۱)

اِسلام کے بُنیادی عقائد و اعمال :

ہر عمل عقیدے کے سانچے میں ڈھلتا ہے ۔ عقیدہ بیج ہے ، اور عمل درخت ۔ یا وُہ بُنیاد ہے اور یہ دیوار ۔ بُنیاد ٹیڑھی ہو ۔ تو :

ع : تا ثُریّا می رود دیوار کج

کسی قوم کی صفوں میں اِتحاد تبھی ہو سکتا ہے ، کہ اُس کے عقائد (تصوّرات و نظریات) میں وحدت ہو ۔ ہزار خُداؤں کا پُجاری ایک مُوحِّد سے اِشتراکِ عمل کر ہی نہیں سکتا ۔

اسلام نے جہاں اعمالِ صالحہ کی تفصیل دی ہے۔ وہیں اہلِ ایمان کے لیے چند عقائد بھی تجویز فرمائے ہیں۔ تاکہ تصورات و نظریات کی وحدت سے ایک ایسی ملت پیدا ہو۔ جو ذہناً و عملاً ایک ہو۔ یہ عقائد وہ سانچے ہیں۔ جن میں غیر اسلامی اعمال ڈھل ہی نہیں سکتے۔ ایک خدا کو ماننے والا بت پرستی کیسے کرے گا؟ اللہ کو قہار و منتقم سمجھنے والا گناہ کے تصور ہی سے کانپ اٹھے گا۔ آخرت پہ ایمان رکھنے والا مستقبل پہ نظر رکھے گا۔ اور خدا کو کریم و رحیم سمجھنے والا کبھی مایوس نہیں ہوگا۔

ہمارے بنیادی عقائد ہیں :-

خدا۔ رسول۔ انبیائے سابقہ۔ ملائکہ اور آخرت پر ایمان لانا نیز تسلیم کرنا کہ خیر و شر اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ یہ عقائد بنیادِ اعمال بھی ہیں اور ان کی تہ میں کچھ حکمتیں بھی ہیں۔ مثلاً ؛

خدا پہ ایمان :

کیا اللہ موجود ہے؟ اگر نہیں، تو پھر ہر انسان مصیبت میں اسے کیوں پکارتا ہے؟ کیا ہمارا رب انسانوں کے ضمیر کی آواز جھوٹی ہے؟ ان کا احساس وجدان غلط ہے؟ کیا دنیا میں کوئی ایسا خطہ ہے، جہاں خدا کا کوئی نہ کوئی تصور (صنم۔ دیوتا۔ دیوی۔ آسمانی باپ وغیرہ کی صورت میں) موجود نہ ہو؟ اگر اللہ کو انسانی تخیل کی ایجاد کہا جائے تو پھر ان سوالات کا جواب کہاں سے ملے گا؟ :

۱ : اس کائنات کا خالق کون ہے؟

۲ : انسان کو انسانی شکل کس نے دی؟ اس کے دماغ میں چراغِ عقل کس نے روشن کیا؟ اس کی روح کہاں سے آئی؟ اور اس کا نظامِ سمع و بصر کیسے قائم ہوا؟

۳: موت کیا ہے؟ اور کہاں سے آتی ہے؟ پہاڑوں کو نیچے سے اڑانے والا اور سیلابوں کے آگے بند باندھنے والا انسان موت سے کیوں نہیں بچ سکتا؟

۴: پھولوں کو رنگ، تاروں کو نور، فضاؤں کو حسن اور گھٹاؤں کو مستی دینے والا کون ہے؟

انسان پر حوادث تو آتے ہی رہتے ہیں۔ شدتِ اضطراب کا فطری تقاضا یہ ہے کہ کوئی عظیم غیبی طاقت اس کی مدد کرے۔ ہمیں اپنی عام حاجات کے لیے بھی ایک ایسے حاجت روا کی ضرورت ہے۔ جو دلوں پہ متصرف ہو، اور دوسروں کو مائل بہ کرم کر سکے۔ ہر طالبِ علم امتحان کے بعد اور ہر امیدوار کسی اسامی کے لیے عرضی دے کر اللہ کو پکارتا ہے اور یہ پکار عموماً ضائع نہیں جاتی۔

أَمَّنْ يُجِيبُ الْمُضْطَرَّ	(وہ کون ہے، جو کسی
إِذَا دَعَاهُ وَيَكْشِفُ	بے قرار کی آواز سنتا، اور
السُّوءَ وَيَجْعَلُكُمْ خُلَفَاءَ	اس کی مشکل کو حل کرتا ہے؟
الْأَرْضِ أَإِلَٰهٌ مَعَ اللَّهِ	وہ کون ہے؟ جو تمہیں
قَلِيلًا مَا تَذَكَّرُونَ۔	زمین پہ خلیفہ بناتا ہے؟
أَمَّنْ يَهْدِيكُمْ فِي	کیا خدا کے ارض و سما کا
ظُلُمَاتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ	کوئی ثانی ہے؟ ان دلائل
وَمَنْ يُرْسِلُ الرِّيَاحَ	سے کچھ تو سبق لو۔ وہ
بُشْرًا بَيْنَ يَدَيْ	کون ہے؟ جو بر و بحر
رَحْمَتِهِ أَإِلَٰهٌ مَعَ اللَّهِ	کے اندھیروں میں تمہیں راہ
تَعَالَى اللَّهُ عَمَّا يُشْرِكُونَ۔	دکھاتا ہے؟ اور بارش سے

اَمَّنْ يَّبْدَاُ الْخَلْقَ	پہلے خرش کُن (بطورِ مژدہ)
ثُمَّ يُعِيْدُهٗ وَمَنْ	ہوائیں چلاتا ہے، کیا خدا
يَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ	کا کوئی شریک ہے، حقیقتاً
وَالْاَرْضِ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ	اللہ کی ذات شرک سے
قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ	بہت بلند ہے۔ وُہ کون ہے،
اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ۔	جو تخلیق کا آغاز کرنے کے
(نمل - ۶۲-۶۴)	بعد اُس کا اِعادہ بھی کرتا ہے۔
	(مثلاً ہر بہار میں پھُولوں کا
	از سرِ نو اُگنا اور کِھلنا) وُہ کون
	ہے جو تمھیں زمین و آسمان سے
	رِزق پہنچاتا ہے؛ کیا خدا کا کوئی
	شریک ہے، اگر ہے تو دلائل لاؤ)

کُتبِ تاریخ میں درج ہے کہ ایک مرتبہ ابو ذر غفاری کہیں جا رہے تھے۔ راہ میں پیاس لگ گئی۔ جب تلاش کے باوجود کہیں سے پانی نہ ملا۔ تو پتھر کے ایک بُت کو جسے ساتھ اُٹھائے پھرتے تھے، سامنے رکھ کر پانی طلب کرنے لگے۔ جب نہ جواب ملا اور نہ پانی۔ تو اُسے اُٹھا کر زمین پہ دے مارا، اور مُسلمان ہو گئے۔

ہر زمانے میں بُتوں سے بُت پرستوں کا سلُوک یہی رہا ہے۔ لیکن سماج کے خوف سے وُہ علانیہ بغاوت نہیں کرتے۔

وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنْ	(اُس سے بڑا گمراہ کون
يَّدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ	ہے، جو اللہ کو چھوڑ کر
مَنْ لَّا يَسْتَجِيْبُ لَهٗ	ایسے خداؤں کو پکارتا ہے،

اِلٰی یَوْمِ الْقِیَامَۃِ وَ ھُمْ عَنْ دُعَائِہِمْ غَافِلُوْنَ۔ (احقاف - ۵)	جو قیامت تک جواب نہیں دے سکتے اور فریادی کی پکار سے سدا غافل رہتے ہیں)

کیا خدا ایک ہے ؟ :

یقیناً ایک ہے، اور اس پر سب سے بڑی شہادت نظامِ کائنات کی وحدت ہے بہار ہمیشہ مارچ میں آتی ہے۔ چاند ہر ماہ ایک ہی رفتار سے بدرِ کامل بنتا اور پھر نگاہ سے غائب ہو جاتا ہے۔ نحل ازل سے شہد بنا رہی ہے۔ پانی آغازِ آفرینش سے نشیب کی طرف جا رہا ہے۔ ابتدا سے آگ کا کام جلانا اور پانی کا کام جِلانا ہے۔ کیا نظامِ کائنات کی یہ حیرت انگیز وحدت، وحدتِ خالق کا ایک ناقابلِ تردید ثبوت نہیں؟

اگر خدا دو ہوں۔ تو کئی سوال پیدا ہوں گے :

اوّل ۔ کائنات کا خالق کون ہے؟ الف یا ب؟ اگر الف ہے، تو ب کس مرض کی دوا ہے؟

دوم ۔ نظمِ کائنات کون چلا رہا ہے؟ الف یا ب؟ یا دونوں مل کر؟

بصورتِ اوّل ایک بے کار ہو جائے گا، اور بصورتِ دوم دونوں۔ کیوں کہ وہ ایک دوسرے کے محتاج ہوں گے، اور محتاج خدا نہیں ہو سکتا۔

اگر کہو، کہ آدھی کائنات کا مالک ایک خدا ہے، اور آدھی کائنات کا دوسرا۔ تو پھر دو سوال پیدا ہوں گے :

اوّل : کیا الف، نصفِ دیگر کو بھی پیدا کرنے کی طاقت رکھتا تھا؟ تو پھر ب کی ضرورت؟

دوم : کیا وجہ ہے کہ مرغا ہر جگہ بانگ دے رہا ہے۔ کوا کائیں کائیں کر رہا ہے۔

اور پپیہا ہی کہاں کی صدا لگا رہا ہے۔ اگر خدا دو ہوتے تو نظام بھی دو ہوتے۔ ایک نظام میں مچھر کے انڈے سے مچھر نکلتا، اور دوسرے میں مکھی یا کچھ اور۔ ایک جگہ آم کے درخت کے ساتھ آم لگتے، اور دوسری جگہ آڑو۔

ایک اور صورت یہ ہے، کہ ایک دن الف کی حکومت ہو، اور دوسرے دن ب کی۔ تاکہ انہیں آرام ملتا رہے۔ اس پر اعتراض یہ ہے کہ وہ خدا ہی کیا جو تھک جائے۔

اَوَ لَمْ يَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ	(کیا یہ لوگ اتنی سی بات
الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ	نہیں سمجھتے، کہ جس اللہ نے
وَالْاَرْضَ وَ لَمْ يَعْیَ	ارض و سما کو پیدا کیا ہے،
بِخَلْقِهِنَّ بِقٰدِرٍ عَلٰی	اور اسے کوئی تھکان لاحق
اَنْ يُّحْیِ الْمَوْتٰی۔	نہیں ہوئی۔ وہ مردوں کو زندہ
(احقاف - ۳۳)	کرنے پر بھی قادر ہے)

ایک اور سوال یہ کہ کیا الف میں ب کی مخلوق کو فنا کرنے کی طاقت ہے؟ اگر ہے تو ب کی خدائی ختم۔ اگر نہیں، تو خود ختم۔

قرآن حکیم میں بھی توحید پر کچھ دلائل ملتے ہیں۔ مثلاً :

قُلْ اَرَءَيْتُمْ	(اے رسول! ان سے
مَّا تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ	کہو، کہ کیا تم نے ان خداؤں
اَرُوْنِیْ مَاذَا خَلَقُوْا	کے متعلق، جنہیں تم پکارا
مِنَ الْاَرْضِ اَمْ لَهُمْ	کرتے ہو، یہ بھی سوچا ہے،
شِرْكٌ فِی السَّمٰوٰتِ	کہ وہ زمین میں کس چیز کے
اِیْتُوْنِیْ بِكِتٰبٍ مِّنْ	خالق ہیں؟ یا آسمانوں کی

قَبْلِ هٰذَا اَوْ اَثَارَةٍ مِّنْ عِلْمٍ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ۔
(احقاف - ۴)

تخلیق میں اُن کا حصّہ کیا ہے؟ اگر تم اپنے دعوے میں سچے ہو، تو کوئی علمی برہان لاؤ۔ یا کوئی (آسمانی یا زمینی) کتاب پیش کرو)

اَمَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَاَنْزَلَ لَكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَنْۢبَتْنَا بِهٖ حَدَآئِقَ ذَاتَ بَهْجَةٍ مَا كَانَ لَكُمْ اَنْ تُنْۢبِتُوْا شَجَرَهَا ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ بَلْ هُمْ قَوْمٌ يَّعْدِلُوْنَ
(نمل - ۶۰)

(زمین و آسمان کا خالق کون ہے؟ بارش کس نے برسائی؟ اور حسین باغ کس نے اُگائے؟ کیا تم درخت پیدا کر سکتے ہو؟ کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور خدا بھی ہے؟ (کوئی نہیں)، یہ مشرک سچائی سے دُور جا پڑے ہیں)

لَوْ كَانَ فِيْهِمَآ اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا۔
(انبیاء - ۲۲)

(اگر ارض و سما میں دو خدا ہوتے، تو کائنات تباہ ہو جاتی)

مَا اتَّخَذَ اللّٰهُ مِنْ وَّلَدٍ وَّمَا كَانَ مَعَهٗ مِنْ اِلٰهٍ

(خدا کا نہ کوئی بیٹا ہے اور نہ شریک۔ اگر کوئی شریک ہوتا، تو پھر ہر خدا اپنی

إِذًا لَّذَهَبَ كُلُّ إِلٰهٍ	مخلوق کو دوسرے سے الگ
بِمَا خَلَقَ وَلَعَلَا بَعْضُهُمْ	کر لیتا (دونوں کا نظام
عَلٰى بَعْضٍ سُبْحٰنَ اللّٰهِ	جُدا جُدا ہوتا) اور ایک دُوسرے
عَمَّا يَصِفُونَ ۔	پہ غالب آ جاتا ۔ اللہ ان عیوب
(مومنون - ۹۱)	سے بلند و بالا ہے)

توحید اور مقامِ اِنسان :

عقیدۂ توحید سے اِنسان کو اپنا مقام مِل گیا ہے ۔ اِنسان صاحبِ فِکر و خرد ناطق ، اور خالق ہے۔

تو شب آفریدی چراغ آفریدم
سفال آفریدی ایاغ آفریدم
بیابان و کوہسار و راغ آفریدی
خیابان و گلزار و باغ آفریدم ۔ (اقبال)

یہ اوصاف کِسی اور مخلوق میں موجود نہیں ۔ اس لیے :

ع : بعد از خُدا بزرگ منم قِصّہ مُختصر

اگر کائنات میں کئی خدا ہوتے ، تو پہلے چھوٹے بڑے خُداؤں کے مراتب مُتعیّن ہوتے ، اور پھر اِنسان کی باری آتی ۔

اِس عقیدے کا ایک اور فائدہ یہ ، کہ نسلِ انسانی کو جو صدہا اقوام و قبائل میں منقسم ہے ، اور اِتّحاد کے لیے مُضطرب ۔ ایک مضبُوط ترین رشتۂ وحدت مِل گیا ہے۔ وُہ اِس وحدت کو اساس بنا کر دیگر مُشترک اَقدار کو ڈھونڈ سکتی ہے۔

اقوامِ مُتحدہ کے ایک شُعبے ، یُونِسکو ، نے سنہ ۱۹۵۰ء میں ماہرین کی ایک کمیٹی

مسئلۂ رنگ ونسب پر غور کرنے کے لیے مقرر کی تھی۔ اُس نے اپنی رپورٹ میں لکھا :

"انسان واحد النسب ہے۔ اِس لیے اِس کا فطری رُجحان اشتراکِ عمل کی طرف ہے۔ اگر اِس رُجحان کی راہ میں رکاوٹیں نہ ہوتیں تو انسان ایک کنبہ بن جاتا۔ اِنسان کا کمال افتراق و انتشار میں نہیں بلکہ اشتراک و وحدت میں ہے، ایسا اشتراک کہ ہر آدمی دوسرے کے سامنے جواب دہ ہو۔"

(ملخص۔ دی مائنڈ دِچ اَنڈر آن بلڈز۔ ص ۱۱)

دُنیا میں بے شمار ایسے قبائل اور گروہ موجود ہیں۔ جنھیں صرف اِس تصوّر نے متحد کر رکھا ہے، کہ اُن کا مُورثِ اعلےٰ ایک تھا۔ مثلاً عرب کے قبائل۔ ایران کے کیانی ــــ ساسانی۔ سلجوقی اور صفوی۔ پاکستان کے اعوان۔ افغان۔ کھوکھر اور راجپوت۔ اِسلام نے دو ایسے تصوّر دیے ہیں۔ جو اِتحادِ انسانی کے لیے بہت مُفید ہیں :۔

اوّل : خُدا ایک ہے۔

دوم : نسلِ انسانی ایک باپ (آدم) کی اولاد ہے۔

؎ مکّہ نے دیا خاکِ جنیوا[1] کو یہ پیغام
جمعیتِ اقوام؟ کہ جمعیتِ آدم؟ (اقبال)

پہلے انبیاء و صحائف پہ ایمان :

• اِنسان مُدّت سے عالمی وفاق کا خواب دیکھ رہا ہے۔ یہ خواب اِسی صُورت میں شرمندۂ تعبیر ہو سکتا ہے کہ ہم دُوسروں کے انبیاء و صحائف کا اِحترام کریں اور نسلِ اِنسانی

---

[1] : دُوسری جنگِ عظیم سے پہلے جمعیتِ اقوام کا ہیڈ کوارٹر۔

کو آسمانی تعلیمات کی اساس پر متحد کریں۔ اس موضوع پر میں ایک پوری کتاب لکھ چکا ہوں۔ عنوان :- "ایک اسلام"۔

فرشتوں پر ایمان :

فرشتے دنیا میں مختلف فرائض سرانجام دے رہے ہیں، مثلاً :

ا : انسانوں کی حفاظت :

وَ اِنَّ عَلَيْكُمْ لَحٰفِظِيْنَ۔ (اللہ نے تم پر محافظ فرشتے مقرر کر رکھے ہیں)

(انفطار - ۱۰)

ب : پاک انسانوں کی حمایت :

وَ اَيَّدْنٰهُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ۔ (البقرہ ۲۵۳) (ہم نے روح القدس سے عیسیٰ کی مدد کی)

ج : جنگ میں اہلِ ایمان کو ثابت قدم رکھنا :

اِذْ يُوْحِيْ رَبُّكَ اِلَى الْمَلٰٓئِكَةِ اَنِّيْ مَعَكُمْ فَثَبِّتُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا۔ (انفال - ۱۲) (جنگ بدر میں تمہارا رب فرشتوں سے کہہ رہا تھا، کہ میں تمہارے ساتھ ہوں۔ جاؤ اور اہلِ ایمان کو ثابت قدم رکھو۔)

د : مخلص مسلمانوں کو غم سے نجات کی بشارت دینا :

اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا (جو لوگ اللہ کو رب تسلیم کرنے کے بعد اپنے ایمان پر

تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِکَةُ اَلَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا۔
(حم ۔ ۳۰)

ہم جاتے ہیں۔ اُن پر فرشتے نازل ہوتے اور یہ بشارت سناتے ہیں، کہ تم خوف و حزن سے نکال لیے گئے ہو)

۶ : اللہ کا تخت اُٹھانا :

وَیَحْمِلُ عَرْشَ رَبِّکَ یَوْمَئِذٍ ثَمٰنِیَةٌ۔
(حاقہ ۔ ۱۸)

(قیامت کے دن آٹھ فرشتے اللہ کا تخت اُٹھائیں گے۔)

ھ : قیامت میں اللہ کے ہمراہ آنا :

وَجَاءَ رَبُّکَ وَالْمَلَکُ صَفًّا صَفًّا۔
(فجر ۔ ۲۲)

(اُس روز اللہ تعالےٰ قطار در قطار فرشتوں کے ہمراہ میدانِ حشر میں آئے گا)

ز : جنت و جہنم کا انتظام کرنا :

عَلَیْهَا مَلٰٓئِکَةٌ غِلَاظٌ شِدَادٌ۔
(تحریم ۔ ۶)

(جہنم پر مُہیب اور سخت گیر ملائکہ مقرر ہیں)

ح : مختلف امور سرانجام دینا مثلاً : کائنات کا انتظام کرنا، مشکلات کو دُور کرنا۔ جان نکالنا۔ وقس علیٰ ہذا :

وَالنّٰزِعٰتِ غَرْقًا
وَالنّٰشِطٰتِ نَشْطًا
وَالسّٰبِحٰتِ سَبْحًا

(قسم ہے اُن فرشتوں کی، جو کفار کی رُوح سختی سے اور مومنوں کی نرمی سے نکالتے ہیں

فَالسَّابِقَاتُ سَبْقاً
فَالْمُدَبِّرَاتُ اَمْراً.....
(نازعات ۱-۵)

(جو فضاؤں اور خلاؤں میں اُڑتے پھرتے ہیں - جو تیز رفتاری کی بدولت سب سے آگے نکل جاتے ہیں، اور جو امورِ کائنات کا انتظام کر رہے ہیں)

امورِ کائنات میں سیاروں کو راہِ راست پہ چلانا - آسمان و زمین کو تھامنا - موسموں کو بدلنا - پھولوں کو رنگ دینا - پھلوں میں رس بھرنا - بادلوں کو برسانا، اور بجلیوں کو چمکانا بھی شامل ہے -

اللہ کی عبادت ایک ایسا عمل ہے - جس سے عابد میں غیر معمولی طاقت آجاتی ہے وہ ایک اشارے سے قلزم کو خشک اور مُردوں کو زندہ کرسکتا ہے - ہمارے انبیاء و اولیا کی عظیم طاقت کا راز یہی تھا - چونکہ فرشتے شب و روز عبادت میں معروف رہتے ہیں اس لیے اُن میں سے ہر ایک مہیب قوت بن جاتا ہے - اور امورِ عالم کو حیرت انگیز سُرعت سے سرانجام دیتا ہے - ہم بھی عابد بن کر فرشتوں کی اِس طاقت سے فائدہ اُٹھا سکتے ہیں -

وَالْمَلٰٓئِكَةُ يُسَبِّحُوْنَ
بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَيَسْتَغْفِرُوْنَ
لِمَنْ فِي الْاَرْضِ -
(شوریٰ - ۵)

(فرشتے اللہ کی حمد و ثنا میں محو رہتے اور ساکنانِ زمین کے لیے دُعائیں کرتے ہیں)

اور اُنھیں اپنا دوست بنا سکتے ہیں -

نَحْنُ اَوْلِيَآءُكُمْ
فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ

(فرشتے اہلِ ایمان سے کہتے ہیں، کہ ہم دُنیا و آخرت

دونوں میں تمہارے دوست رہیں گے)   (حشر - ۳۱)

آخرت پہ ایمان :

آخرت پہ ایمان لانا گویا نظریۂ مکافاتِ عمل کو تسلیم کرنا ہے۔ داناؤں نے ہزارہا سال کے تجربے کے بعد اِعلان کیا تھا کہ :

چاہ کُن را چاہ درپیش

کسی پُرانے اُستاد کی رُباعی ہے :-

جو کوئی کسی کو آج کلپا دے گا ۔ (کلپانا : ستانا)
یہ یاد رہے وُہ بھی نہ کل پاوے گا ۔ (کل : چین)
اِس دارِ مکافات میں سُن اے غافل
جو آج کرے گا وُہی کل پاوے گا

انگریزی میں ایک کہاوت ہے :-

YOU SHALL BE PAID IN THE SAME COIN.

فارسی کا مشہور شعر ہے :-

از مکافاتِ عمل غافل مشو
گندم از گندم بروید جو ز جو

ظاہر ہے، کہ دُنیا کے تمام دانا غلط نہیں ہو سکتے ۔ ہر عمل کا ایک صِلہ ہے۔ جو اُس سے کسی صُورت جُدا نہیں کیا جا سکتا۔ یہ صِلہ کہیں عیاں ہوتا ہے۔ مثلاً : آگ یا بچھو کو ہاتھ لگانا۔ زہر کھانا۔ بلندی سے گِرنا وغیرہ اور کہیں نہاں۔ مثلاً : رِشوت کھانا۔ دُوسروں کو ستانا۔ اور کسی کی عزّت میں ہاتھ ڈالنا۔ مالِ حرام کھانے والے

مختلف قسم کی سزاؤں کا شکار ہوتے ہیں، مثلاً : گرفتاری - بیماری - حادثات یا شدید ذہنی پریشانی - ستانے والے لازماً ستائے جاتے ہیں - اور دُوسروں کی بیٹیوں کو بے عزّت کرنے والے اپنی بیٹیوں کی عزّت کبھی نہیں بچا سکتے - پاکستان کے وُہ عیاش اُمراء، جو غریب لڑکیوں کی عصمت سے کھیلتے تھے - آج اپنے گناہوں کی سزا بُھگت رہے ہیں - وُہ یُوں کہ اُن کی بیٹیاں بڑے بڑے ہوٹلوں میں ناچتی - شراب پیتی - اور عصمت بیچتی نظر آتی ہیں - یہ بڑے لوگ اِس غلط فہمی میں مُبتلا ہوتے ہیں، کہ وُہ جو چاہیں کریں، انھیں پُوچھنے والا کوئی نہیں - انھیں کون سمجھائے، کہ زلزلوں - حادثوں - بجلیوں اور سیلابوں کا رَب اِنسان کے ہر عمل کو دیکھ رہا ہے، اور وُہ ایک نگہِ غضب سے اُن کے گھروں میں آگ لگا سکتا ہے - اگر فرعون - نمرُود - چنگیز - ہلاکو، اور لاکھوں دیگر اربابِ تاج و تخت اُس کی آہنی گرفت سے نہیں بچ سکے - تو تُم کہاں کے پاٹلے خاں ہو، کہ گُناہ و ظُلم کرنے کے بعد قہّار و منتقم رَبّ کی گرفت سے بچ نکلو گے - کیا اِس کائنات میں کوئی ایسا مقام ہے، جو زلزلوں، بجلیوں، حادثوں، پریشانیوں، اور وباؤں کی زد سے باہر ہو ؟

اَمْ حَسِبَ الَّذِيْنَ	(کیا بدکار لوگوں کا خیال
يَعْمَلُوْنَ السَّيِّاٰتِ	یہ ہے، کہ وُہ ہم سے بچ نِکلیں
اَنْ يَّسْبِقُوْنَا سَآءَ	گے ؟ یہ خیال کِتنا غلط اور
مَا يَحْكُمُوْنَ -	بُرا ہے)

(عنکبوت - ۴)

جس طرح کسی انجن یا پنکھے کا سوئچ کھولنے (آن کرنے) کے بعد وُہ چل پڑتا ہے اسی طرح گُناہ کرنے کے بعد خُدائی اِنتقام کی چکیاں خُود بخُود حرکت میں آجاتی ہیں، اور بدکار کو پیس کر رکھ دیتی ہیں -

انگریزی میں ایک کہاوت ہے :-

THE MILLS OF GOD GRIND SLOWHY
BUT GRIND EXCEEDINGLY SMALL.

اللہ کا خوف در اصل اعمالِ بد کے عواقب کا خوف ہے۔ جو شخص مکافاتِ عمل کا قائل نہیں ہے۔ وہ گویا اللہ سے قطعاً نہیں ڈرتا، اور اپنی جہالت و حماقت سے پٹ جاتا ہے۔

ہر عمل کے لیے ہے ردِّ عمل ،
دہر میں نیش کا جواب ہے نیش
شمع پروانہ را بسوخت ولے
زود بریاں بشد بہ روغنِ خویش
(اقبال کا غیر مطبوعہ کلام)

زرتشت اور آخرت :

زرتشت کے ہاں بھی آخرت کا تصوّر موجود تھا۔ وہ کہتا ہے، کہ دُنیا کے خاتمے سے عین پہلے دُنیا میں ایک نبی آئے گا (شاید عیسٰی علیہ السلام) جو نسلِ انسانوں کو گناہوں سے پاک کرے گا۔ اُس کا نام اُشیدُرْ (شہرستانی کے ہاں اُشیزر۔ اِلملل والنحل۔ شہرستانی صـ۱۸۵) ہوگا۔ اُس کی وفات کے بعد حشر عام ہو گا۔ مُردے بھی قبروں سے نکل آئیں گے۔ پھر ایک شہابِ زمین پر گر کر اُسے آگ لگا دے گا۔ گنہگار اِس آگ میں جل کر پاک ہو جائیں گے۔ اور جنت میں جا پہنچیں گے۔ (سپرٹ آف اسلام امیر علی۔ صـ۱۹۴)

بعض احادیث اور آیات سے پتہ چلتا ہے، کہ انسانی زندگی کا ارتقاء وہاں بھی

جاری رہے گا۔ اہل جنّت کی دُعا ہوگی :-

رَبَّنَا اَتۡمِمۡ لَنَا نُوۡرَنَا ۔ (اے رب! ہمارے نور کو مکمل کر) (تحریم - ۸)

جہنمی رفتہ رفتہ جہنّم سے نکل جائیں گے۔ اور اللہ اپنا مقدّس پاؤں جہنّم میں رکھ کر اُسے سَرد کر دے گا۔ (بُخاری، کتاب التوحید۔ مُسلم، کتابُ الجنّۃ والصفات)

چند سبق آموز احادیث :

حضور صلعم کو معراج کی رات جہنّم کے بھی چند مناظر دکھائے گئے تھے۔ جن سے نظریۂ مُکافاتِ عمل پہ بھرپور روشنی پڑتی ہے۔

تفصیل یہ ہے :-

"ایک جگہ آپ نے دیکھا۔ کچھ لوگ کھیتی کاٹ رہے ہیں، اور جتنی کاٹتے جاتے ہیں۔ وُہ اُتنی ہی بڑھتی جاتی ہے۔ پُوچھا یہ کون ہیں؟ کہا گیا۔ یہ خُدا کی راہ میں جہاد کرنے والے ہیں۔"

پھر دیکھا کہ کچھ لوگوں کے سر پتھروں سے کُچلے جا رہے ہیں۔ پُوچھا یہ کون ہیں؟ کہا، یہ وُہ لوگ ہیں جن کی سرگرانی انھیں نماز کے لیے اُٹھنے نہ دیتی تھی۔

کچھ اور لوگ دیکھے۔ جن کے کپڑوں میں آگے اور پیچھے پیوند لگے ہوئے ہیں، اور وُہ جانوروں کی طرح گھاس چَر رہے ہیں۔ پُوچھا، یہ کون ہیں؟ کہا گیا، یہ وُہ ہیں جو اپنے مال میں سے زکوٰۃ و خیرات نہ دیتے تھے۔

پھر دیکھا، کہ کچھ لوگوں کی زبانیں اور ہونٹ قینچیوں سے کترے جا رہے ہیں۔ پُوچھا، یہ کون ہیں؟ کہا گیا۔ یہ غیر ذمّہ دار مقرّر ہیں۔ جو

بے دھڑک زبان چلاتے اور فتنہ برپا کرتے تھے۔

ایک جگہ دیکھا، کہ ایک پتھر میں ذرا سا شگاف ہُوا۔ اُس میں سے ایک موٹا بَیل نکل آیا۔ پھر وُہ اُسی شگاف میں واپس جانے کی کوشش کرنے لگا، مگر نہ جا سکا۔ پُوچھا، یہ کیا معاملہ ہے؟ کہا گیا۔ یہ اُس شخص کی مثال ہے۔ جو ایک فتنہ انگیز بات کہہ جاتا ہے۔ پھر نادم ہو کر اُس کی تلافی کرنا چاہتا ہے، مگر نہیں کر سکتا۔

ایک اور مقام پر کچھ لوگ اپنا گوشت کاٹ کاٹ کر کھا رہے تھے۔

پُوچھا، یہ کون ہیں؟ کہا۔ یہ دوسروں پر زبانِ طعن دراز کرتے تھے۔

اِنہی کے قریب کچھ اور لوگ تھے۔ جن کے ناخن تانبے کے تھے، اور وُہ اپنا مُنہ اور سینہ نوچ رہے تھے۔ پُوچھا یہ کون ہیں؟ کہا یہ وُہ لوگ ہیں۔ جو لوگوں کی پیٹھ پیچھے اُن کی بُرائیاں کرتے تھے۔

کچھ اور لوگ دیکھے۔ جن کے ہونٹ اُونٹوں کے مشابہ تھے، اور وُہ آگ کھا رہے تھے۔ پُوچھا، یہ کون ہیں؟ کہا۔ یہ یتیموں کا مال ہضم کیا کرتے تھے۔

پھر کچھ ایسے لوگ دیکھے۔ جن کے پیٹ بے انتہا بڑے، اور سانپوں سے بھرے ہُوئے تھے۔ آنے جانے والے ان کو روندتے رہے تھے، اور وُہ اپنی جگہ سے ہِل نہیں سکتے تھے۔ پُوچھا یہ کون ہیں؟ کہا یہ سُود خور ہیں۔

پھر کچھ لوگ نظر آئے۔ جن کے ایک جانب نفیس چکنا گوشت رکھا تھا، اور دُوسری جانب سڑا ہُوا۔ وُہ اچھا گوشت چھوڑ کر سڑا ہُوا گوشت کھا رہے تھے۔ پُوچھا یہ کون ہیں؟ کہا یہ وُہ مرد اور عورتیں ہیں۔

جنھوں نے حلال بیویاں اور شوہروں کے ہوتے ہوئے حرام سے اپنی خواہشِ نفس پوری کی۔

پھر دیکھا کہ کچھ عورتیں اپنی چھاتیوں کے بَل لٹک رہی ہیں۔ پوچھا، یہ کون ہیں؟ کہا گیا، یہ وُہ عورتیں ہیں۔ جنھوں نے اپنے شوہروں کے سَر ایسے بچّے مَنڈھ دیے۔ جو اُن کے نہ تھے۔

(منقول از "طلوعِ اسلام"۔ شمارہ مئی ۱۹۵۳ء صفحہ ۲۲)

تقدیر یا مسئلۂ جبر و اختیار:

مسئلۂ تقدیر ایک ایسا معمّہ ہے۔ جس پہ ہزارہا حکیموں اور فلسفیوں نے سوچا اور لکھا۔ لیکن وُہ دیسے کا ویسا لا ینحل رہا۔ مَیں بھی بارہا اِس موضوع پر قلم اُٹھا چکا ہُوں۔ پہلے میرا خیال یہ تھا کہ تقدیر سعی و عمل کا نتیجہ ہے۔ ایک محنتی اِنسان کی تقدیر کامیابی ہے۔ اور کاہل کی ناکامی۔ جلد ہمتے منزل کو پا لیتے ہیں، اور بے ہمتے رہ جاتے ہیں۔ سنگ کی تقدیر توڑنا ——— شیشے کی ٹوٹنا ——— پھُولوں کی زیبِ دستار بننا ——— اور شبنم کی گرنا ہے۔

خاک شو۔ نذرِ ہوا سازد ترا
سنگ شو بر شیشہ اندازد ترا
شبنمی! اُفتندگی تقدیرِ تُست
قُلزمی! پایندگی تقدیرِ تُست (اقبال)

لیکن مزید سوچنے کے بعد اِس نتیجے پر پہنچا ہُوں، کہ اِنسان کے اِردگرد تین دائرے ہیں۔ ایک چھوٹا، اور دو بڑے۔ پہلا سعی و عمل کا دائرہ ہے۔ حصولِ علم کے لیے محنت، صحت کے لیے ورزش، منزل کے لیے سفر و قِس علیٰ ھٰذا۔ اِس دائرے میں

جن اسباب کی ضرورت پڑتی ہے۔ وہ انسان کے پاس یا ارد گرد موجود ہیں۔ مثلاً: کھیت جوتنے کے لیے ہل ـــــ کنواں کھودنے کے لیے کدال ـــــ روٹی کھانے کے لیے ہاتھ ـــــ اور لڑنے کے لیے تیغ و تفنگ۔ اگر کوئی شخص اِن اسباب سے کام نہ لے، کھیتی میں ہل نہ چلائے یا روٹی اُٹھا کر منہ میں نہ ڈالے، تو اللہ اُس کی قطعاً مدد نہیں کرے گا۔ کام کرنے والے کی تقدیر کاہل سے اور شریف کی شریر سے مختلف ہوتی ہے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ آپ محنت کریں۔ لیکن نتیجہ (تقدیر) حسبِ خواہش نہ ہو۔ اِس صورت میں اور محنت کیجیے۔ تاکہ تقدیر بدل جائے۔ ہر عمل کی بے شمار تقدیریں ہوتی ہیں۔ اگر دس سال پڑھوگے، تو صرف میٹرک تک پہنچوگے۔ بیس بائیس سال کام کروگے، تو ممکن ہے، کہ ایم۔ اے اور ڈاکٹر بھی بن جاؤ۔

از مغیاں نقدِ خودی در باختند
نکتۂ تقدیر را نشناختند
گر زیک تقدیر خوں گردد جگر
خواہ از حق حکم تقدیرِ دگر
تو اگر تقدیرِ نو خواہی رواست
زانکہ تقدیراتِ حق لا انتہاست (اقبال)

افراد کی طرح اقوام کی تقدیر بھی تابع عمل ہوتی ہے۔ کارکن۔ باعزم۔ متحد، اور بلند ہمت اقوام عزت و عظمت پاتی ہیں۔ اور کاہل و بے ہمت اقوام ذلیل رہ جاتی ہیں۔

بالِ بازاں را سوے سلطاں برد
بالِ زاغاں را بگورستاں برد۔ (رومی)

چونکہ تقدیرات بے شمار ہیں۔ اس لیے اگر محنت غلط رستے میں ہو، تو تقدیر

لازماً ناگوار ہوگی ۔ اگر آپ اپنے اِرد گِرد نگاہ ڈالیں تو آپ کو شاہراہِ حیات سے پرے پگڈنڈیوں پر بھی اَن گِنت راہی نظر آئیں گے ۔ جو لاکھ تگ و دو کریں، منزل تک نہیں پہنچیں گے ۔ کیوں کہ اُن کی کوشش غلط سمت میں ہے ۔ آج یورپ کا المیہ بھی یہی ہے، کہ وُہ کوشش تو بہت کر رہا ہے ۔ لیکن تخریب کے لیے زیادہ اور تعمیر کے لیے کم ۔ نتیجتہً مر رہا ہے ۔

بہ روما گفت با من راہب پیر
کہ دارم نکتۂ ۔ از من فرا گیر
کند ہر قوم پیدا مرگِ خود را
ترا تقدیر و مارا کُشت تدبیر (اِقبال)

دُوسرا دائرہ وُہ ہے ۔ جہاں سعی و تدبیر کا دخل کم اور خُدائی مشیت کا زیادہ ہوتا ہے ۔ لبسا اوقات آپ کسی مقصد کے لیے محنت کرتے ہیں ۔ مثلاً آپ دولت مند وزیر یا حاکم بننا چاہتے ہیں ۔ لیکن کامیاب نہیں ہوتے، کیوں ؟ ممکن ہے کہ دولت سے عیاش و شرابی بن کر تباہ ہو جائیں ۔ یا با اِختیار ہو کر لوگوں پر ظُلم کریں ۔ یا کوئی اور شخص آپ سے زیادہ وزارت کا اہل ہو، اور آپ کی تقرری سے اللہ کے عدل و انصاف پہ حرف آتا ہو ۔ اِس قسم کی تمام صُورتوں میں اللہ وُہی کرے گا ۔ جو تقاضائے عدل و حِکمت ہو ۔ چُونکہ وُہ ہمہ پا رحمت ہے ۔ اِس لیے اُس کا کوئی فیصلہ غلط اور ضرر رساں نہیں ہو سکتا ۔

سعدی نے کیا پتے کی بات کہی ہے :-

آنکس کہ تو نگرت نمی گرداند
مصلحتِ تُو از تُو بہتر داند (گُلِستان)

حدیث میں وارد ہے :-

لا یُؤمِنُ اَحدٌ	(کوئی شخص اُس وقت تک
حَتّٰی یُؤمِنَ بِالْقَدَرِ	مومن نہیں ہو سکتا۔ جب تک
خَیرِہٖ وشَرِّہٖ وحَتّٰی	وُہ اِس حقیقت پہ ایمان نہ لائے۔
یَعْلَمُ اَنَّ ما اَصَابَہٗ	کہ اللہ کے تمام فیصلے، خواہ وُہ
لَمْ یَکُن لِیُخطِئَہٗ	گوارا ہوں یا ناگوار۔ عظیم حکمت
واَنَّ ما اَخطأہٗ	کے حامل ہوتے ہیں، اور جو چیز
لَمْ یَکُن لِیُصِیبَہٗ۔	اُس کے نصیب میں ہے۔ اُسے
	مِل کر رہے گی، اور جو نہیں۔ وُہ
	ہرگز نہیں ملے گی۔

تقدیرات کی تیسری قسم وُہ ہے۔ جو صرف خدائی حکمت و مصلحت کے تحت ظہور پذیر ہوتی ہیں، اور ان میں اِنسانی ارادہ و کوشش کا کوئی دخل نہیں ہوتا۔ مثلاً: زلزلے، سیلاب، بجلیاں، حادثے، وبائیں اور موت۔

اِنسان اُسی حد تک اپنے اعمال کا جوابدہ ہے۔ جہاں تک اُس کا اختیار و ارادہ کام کرتا ہے، اور یہی وُہ دائرہ ہے۔ جہاں وُہ اپنی تقدیر کا خود معمار ہوتا ہے۔ چُونکہ تقدیر تابعِ عمل ہوتی ہے۔ یعنی اچھے عمل کی اچھی اور بُرے کی بُری۔ اِس لیے اِنسان کو وُہی کچھ کرنا چاہیے، جس کا حکم اللہ نے دیا ہے۔ پیروِ قرآن کی تقدیر کبھی بُری نہیں ہو سکتی۔

پابندیٔ تقدیر؟ کہ پابندیٔ اَحکام؟
یہ مسئلہ مشکل نہیں اے مردِ خردمند
تقدیر کے پابند نباتات و جمادات
مومن فقط اَحکامِ اِلٰہی کا ہے پابند (اقبال)

تفاصیلِ بالا کا ماحصل یہ ۔ کہ اِنسان چھوٹے دائرے میں مُختار، اپنی تقدیر کا معمار
اور اپنے اعمال کا جواب دِہ ہے :

لَیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰی (نجم - ۳۹) (اِنسان کوشش ہی کا پھل پاتا ہے)

اِنْ اَحْسَنْتُمْ اَحْسَنْتُمْ لِاَنْفُسِکُمْ وَ اِنْ اَسَاْتُمْ فَلَھَا (بنی اسرائیل - ۷) (اگر تم نیکی کرو گے ۔ تو اپنے لیے. بُرائی کرو گے، تو اپنے لیے)

یہ آیات چھوٹے دائرے سے مُتعلق ہیں ۔ اِس سے آگے خالص مشیّتِ الٰہی کی اِقلیم آتی ہے ۔ جہاں اِنسان مجبور و بے بس ہے ۔ حضور صلعم کا یہ قول :

الایمان بین الجبر والقدر
(ایمان جبر و اختیار میں محصُور ہے)

ایک ناقابِلِ تردید حقیقت ہے ۔

نہ مختارم تواں گفتن نہ مجبُور
کہ خاکِ زندہ ام در اِنقلابم (اِقبال)

سوال :

قُرآن میں کہیں تو مذکور ہے ، کہ ہم نے اِنسان کو سیدھی راہ دِکھا دی ہے ۔
اب اُس پہ چلنا اور نہ چلنا اُس کا اپنا کام ہے ۔ (دہر - ۲)
اور کہیں درج ہے :-
یُضِلُّ مَنْ یَّشَاءُ وَیَھْدِیْ مَنْ یَّشَاءُ (ابراھیم - ۴)
(اللہ جِسے چاہے گمراہ کرتا ، اور جِسے چاہے ہدایت دیتا ہے)

اِس تضاد کو کیسے رفع کیا جائے ؟

جواب :

اِس سوال کا جواب یہ کہ ہدایت ایک اِنعام ہے جو صرف طالبین کو ملتا ہے۔

وَ یَھْدِیْ اِلَیْہِ مَنْ اَنَابَ۔ (اللہ ہدایت کا اِنعام اُسی کو دیتا ہے۔ جو اُس کی طرف لوٹ آئے)

(رعد - ۲۷)

اور ضلالت ایک سزا ہے، جو بدکاروں کو ملتی ہے۔

وَ مَا یُضِلُّ بِہٖ اِلَّا الْفٰسِقِیْنَ۔ (اللہ صرف فاسقوں کو گمراہ کرتا ہے)

(بقرہ - ۲۶)

یہ نہیں ہو سکتا کہ ایک شخص اللہ کی طرف جائے، اور وُہ گمراہ رہے۔ یا ایک فاسق و فاجر کو ہدایت مل جائے۔

اگر آپ آیۂ بالا میں یشاء کے بعد الضلالۃ اور الھدایۃ محذوف فرض کر لیں۔ تو تضاد رفع ہو جاتا ہے۔ اِس صُورت میں آیہ کی تفسیری حیثیت یُوں ہوگی ؛

یَھْدِیْ مَنْ یَّشَاءُ الْھُدَایَۃَ وَ یُضِلُّ مَنْ یَّشَاءُ الضَّلَالَۃَ۔ (جو شخص ہدایت چاہے۔ اللہ اُسے ہدایت دیتا ہے، اور جو گمراہی مانگے، اُسے گمراہ کر دیتا ہے)

مطلب یہ کہ اگر ہم مَنْ کو یَشَاءُ کا فاعل قرار دیں، اور اس میں

نحو کے لحاظ سے قطعاً کوئی رکاوٹ نہیں۔ تو تضاد رفع ہو جاتا ہے۔

اللہ کی خواہش :

ایک اور بات یاد رکھیے، کہ انسان کی خواہش اور اللہ کی خواہش میں بڑا فرق ہے۔ انسان کی بے شمار خواہشات پوری نہیں ہوتیں۔ لیکن اللہ کی خواہش قضا کی طرح اٹل ہوتی ہے۔ اگر آج اللہ یہ خواہش کرے کہ ساری دُنیا مسلمان ہو جائے۔ تو طرفۃ العین میں یہ خواہش پوری ہو جائے گی۔ چونکہ اللہ نے کفر و اسلام کا معاملہ انسانی مرضی پر چھوڑ رکھا ہے۔ اِس لیے وُہ اس قسم کی خواہش نہیں کرتا، کہ یہ مترادفِ جبر ہو گی۔ آیاتِ ذیل میں شاءَ اور یشاءُ کا مفہوم یہی ہے۔

وَلَوْ شَاءَ اللّٰهُ	(اگر اللہ چاہتا،
مَا أَشْرَكُوا۔	کہ وُہ شرک نہ کریں)
(انعام۔ ۱۰۸)	تو وُہ کبھی شرک نہ کر سکتے)
وَلَوْ أَنَّنَا نَزَّلْنَا إِلَيْهِمُ	(اگر ہم اُن پر فرشتے بھی نازل کرتے
الْمَلٰٓئِكَةَ وَكَلَّمَهُمُ الْمَوْتٰى...	اور مُردے بولنے لگتے۔ تب بھی وُہ
...مَا كَانُوا لِيُؤْمِنُوا إِلَّا أَنْ	ایمان نہ لاتے۔ ہاں اللہ چاہتا تو
يَشَاءَ اللّٰهُ (انعام۔ ۱۱۲)	اور بات تھی)

ایک شاعرانہ نکتہ :

گو کائنات میں کہیں کوئی فتور۔ تضاد یا تصادم موجود نہیں۔ لیکن ایک ظاہر بین آنکھ کو بڑا تضاد نظر آتا ہے۔ یہ پہاڑوں کی بلند و پست چوٹیاں، گرم و سرد خطے، نُور و ظُلمت کا نظام، مسرت و غم، یاس و رجا، موت و حیات، عُسر و یُسر، رزم و بزم، جلوت و خلوت، سب تضاد کے مظاہر ہیں

یہ تضاد انسانی افکار میں بھی ملتا ہے۔ کوئی شرک کا قائل ہے۔ کوئی توحید کا۔ کوئی ہمہ اوست اور کوئی ہمہ از اوست کا کوئی دوامِ حیات اور کوئی اختتامِ حیات کا۔ جب ہم زندگی پر بحیثیت مجموعی نظر ڈالنے کے بعد کوئی فلسفہ بناتے ہیں تو اس میں تضاد کا پیدا ہونا ناگزیر ہے۔ یُوں بھی بلند مسعیار ... کی وضاحت کے لیے تضاد کی تکنیک استعمال کی جاتی ہے اور اسے کمال بیان سمجھا جاتا ہے۔

سعادت و شقاوت بطنِ مادر میں

بعض احادیث میں مذکور ہے اور عام عقیدہ بھی یہی ہے کہ ... سعادت و شقاوت کا فیصلہ بطنِ مادر ہی میں ہو جاتا ہے۔ اس کا مطلب ہرگز یہ نہیں کہ ایک آدمی کو عمل سے پہلے ہی جزا یا سزا مل جاتی ہے۔ بلکہ یہ ہے کہ گھر کا ماحول، والدین کا کردار اور معاشرے کی حالت دیکھ کر یہ اندازہ لگانا دُشوار نہیں ہوتا، کہ بچے کو کن حالات سے سابقہ پڑے گا اور اُس کی تقدیر کیا رُخ اختیار کرے گی۔ ایک خاکروب کا بچّہ عموماً خاکروب بنتا ہے۔ شرابی کا شرابی، اور چور کا چور۔ وُہ اپنا مذہب، عقائد، پیشہ کردار اور نظریۂ زندگی والدین سے لیتا ہے۔ اِن حالات میں یہ کہنا غلط نہیں کہ سعادت و شقاوت کا فیصلہ بطنِ مادر ہی میں ہو جاتا ہے۔ کون نہیں جانتا کہ برلا اور ڈالمیا کی اولاد امیر ہوگی۔ اور ایک مزدور کی غریب، شاہ کا بیٹا شاہزادہ ہوگا۔ اور بھکاری کا گدا۔ مُلتان کا آم میٹھا ہوگا اور راولپنڈی کا کڑوا۔ چمن کا سردا لذیذ ہوگا۔ اور اٹک کا بدمزہ۔ وقِس علیٰ ھٰذا۔

تو یہ تھے اِسلامی عقائد اور اُن کا فلسفہ۔

باب ۲

صوم وصلوٰۃ اور حج وزکوٰۃ کا فلسفہ

علم کی فراوانی، وسائلِ تبلیغ کی بہتات اور طویل انسانی تجربہ نے ساری مہذب دنیا کو چند اخلاقی۔ معاشری۔ سیاسی اور اقتصادی قدروں پہ جمع کر دیا ہے۔ سچائی۔ دیانت۔ تواضع۔ خدمت۔ ایثار۔ عدل۔ احسان وغیرہ کو سب اچھا سمجھتے ہیں، اور جھوٹ۔ بے ایمانی۔ بے انصافی وغیرہ کو بُرا۔ لیکن چند اعمال ایسے ہیں۔ مثلاً: صوم، صلوٰۃ، حج، اور زکوٰۃ۔ جنھیں غیر مسلم تو رہے ایک طرف، خود مسلمان بھی بے سُود سمجھنے لگے ہیں۔ اللہ نے قرآن میں ادائے نماز کا حکم سات سو مرتبہ دُہرایا ہے۔ لیکن کیا مجال کہ مسلمان مسجد کے قریب بھی جائے۔ "بڑے لوگ" (سرمایہ دار۔ زمیندار۔ بڑے بڑے تاجر، اور حُکامِ اعلیٰ) تو پہلے ہی اللہ کے سامنے جھکنا اپنی توہین سمجھتے تھے۔ اب عوام بھی اللہ سے بھاگ نکلے ہیں۔ آج ہمارے طلبہ۔ اساتذہ۔ تاجروں۔ کسانوں۔ مزدوروں اور اہلِ کاروں میں ایک فی صد بھی نمازی نہیں رہے۔ یہ لوگ مسجد و مُلا کا سرِ محفل مذاق اُڑا کر دُوسروں کو بھی عبادت سے متنفر کر رہے ہیں۔ حالات یہاں تک بگڑ چکے ہیں کہ حال ہی میں حیدر آباد (سندھ) گرلز کالج کی ایک مسلمان لڑکی نے اسلام و بزرگانِ اسلام پر ایک اخباری خط میں لعنت بھیجی ہے۔ ہوا یُوں۔ کہ ایک سندھی مسلمان نے ایک مضمون میں راجہ داہر کو بھی اپنے ہیروز میں شمار کر لیا۔ اس پر ایک غیور مسلمان جناب عابد نے لکھا کہ

مُسلمان ایک نظریاتی ملّت ہے۔ جس کی اَساس لا اِلٰہَ اِلّا اللہ ...... ہے۔ اِس لیے ایک ہندو ہمارا ہیرو نہیں ہو سکتا۔ اِس پر اِسلامی گھرانے کی ایک لاڈلی مشتعل ہو گئی۔ اُس نے مُدیرِ "حُرّیت" (کراچی) کو ایک خط لکھا۔ چند سطور حاضر ہیں :

"عابد صاحب! کاش۔ مَیں آپ کے مُنہ پر تھوک سکتی۔ آپ کے مضامین پر مذہب کا رنگ چڑھا ہُوا ہے۔ مذہب جو کہ ذلیل لوگوں کا بنایا ہُوا ہے.......... خُوب سمجھ لیجیے کہ نئی نسل مذہب پر لعنت بھیجتی ہے۔ راجہ داہر ایک سندھی تھا۔ وُہ ہندو ہو یا مُسلمان، ہمارا ہیرو ہے.......... ہم سندھی، محمّد بن قاسم پہ لعنت بھیجتے ہیں، اور مذہب پہ لعنت بھیجتے ہیں.......... سندھ کی عظمت اِسلام سے نہیں مہنجو ڈارو سے ہے۔ جس پر لاکھوں اِسلام قربان ہو جائیں۔ ہمارا نعرہ ہے : "مَرسُوں مَرسُوں پر سِندھ نہ ڈیسوں" ہم لڑکیوں نے یہ طے کیا ہے کہ آئندہ اپنے بچّوں کے نام داہر، کالاٹی۔ شیخ ایاز اور ہوشو کے نام پر رکھیں گے۔"

(منقول از روزنامہ "مشرق" لاہور
اشاعت ۱۹۔ نومبر ۱۹۶۸ء، ص ۹)

جس معاشرے میں والدین اور اساتذہ خُدا۔ رسُول، اور قرآن کو ماننے کے باوجُود عملاً اِسلام سے باغی ہوں۔ اگر اُن کی اولاد اور اُن کے شاگرد خُدا و رسُول کو ذلیل کہیں اور اِسلام پر لعنت بھیجیں، تو حیرت نہیں ہونی چاہیے۔ بانجھ زمین سے کبھی لالہ و گُل پیدا نہیں ہو سکتے۔

ع زمینِ شور سُنبل بر نیارد (سعدی)

آپ نے کبھی یہ بھی سوچا، کہ اگر اِسلام سے بغاوت کا یہ سلسلہ جاری رہا۔ تو

اس کے نتائج کیا ہوں گے ؟ وُہی جو ہر زمانے میں ہوتے رہے، اور آج کل یورپ میں ہمارے سامنے ہیں۔ یعنی :

ا : تمام اخلاقی ۔ رُوحانی اور معاشری قدروں کی پامالی۔

ب : نوجوانوں کی آوارگی ۔ عیّاشی و لذّت پرستی۔

ج : شراب نوشی ۔ قمار بازی اور جنسی جرائم۔

د : لڑکیوں کا قبل از نکاح ماں بن جانا ۔ یہ وبا اس قدر پھیل چکی ہے، کہ ۱۹۶۲ء میں امریکہ کے چند ہائی سکولوں کی لڑکیوں کا طبّی مُعائنہ کیا گیا، تو چھیاسی فیصد حاملہ نکلیں۔

اِس سلسلے میں جرمنی ذرا زیادہ مُحتاط تھا۔ کیوں کہ وہاں گوئٹے اور شلر کی پُرسوز مشرقی آواز مُدتوں گُونجتی رہی ۔ لیکن عیّاش اقوام میں محصُور ہونے کے باعث آج وہاں کے حالات بھی خوش گوار نہیں رہے ۔ حال ہی میں ایک جرمن فرانسز کرچ مَین کا ایک مقالہ مختلف اخبارات میں شائع ہُوا ہے ۔ جس کا خلاصہ یہ :۔

" مغربی جرمنی کی اُن طالبات کی تعداد، جن کی عُمر ۱۳ ــ ۱۸ سال کے درمیان ہے، اور جو نکاح سے پہلے ہی مائیں بن چکی ہیں، ۱۹۵۰ء میں ۳۴۵۷ تھی، اور آج تیس ہزار ۔ ہمارے ماہرینِ نفسیات ۔ اطبّا ۔ دینی عُلما ، اور دیگر دانش وروں کی مُتفقہ رائے یہ ہے کہ اِس حرام کاری کے بڑے مُحرّک ہماری فلمیں، ہمارے مُصوّر رسائل، ہمارے ٹیلی ویژن اور دیگر ادارے (شبینہ کلب، رقص گاہیں، میخانے وغیرہ) ہیں ۔ جو عیّاشی اور جنسی بے راہی کی زبردست ترغیب دیتے ہیں ۔ ایک اور وجہ والدین کا اپنا کردار ہے ۔ جب وُہ خُود عیّاشی کر رہے ہوں، تو اولاد کو کس مُنہ سے روکیں ۔"

(مُلخص ۔ " پاکستان ٹائمز" اشاعت ۱۵ ۔ ستمبر ۱۹۶۸ء)

آج یورپ حرامکاری کی دلدل میں تا بفرق ڈوب چکا ہے۔ اُس کے فلسفی سخت پریشان ہیں، اور اِس وبا کا علاج سوچ رہے ہیں۔ لیکن سوچنے کا وقت گزر چکا ہے۔ اگر سوچنا تھا، تو اُس وقت سوچتے۔ جب نوجوانوں کو مذہب کے ڈسپلن سے آزاد کر رہے تھے۔ اُنھیں آسمانی قدروں کے خلاف بھڑکا رہے تھے۔ مذہب کا تمسخر اُڑا رہے تھے، نسلِ نو کو بدمست۔ حرام کار، اور مادر پدر آزاد بنا رہے تھے۔ اے تسخیرِ مہ و انجم کا خواب دیکھنے والو! کیا تمھیں اِتنی سی بات معلوم نہ تھی، کہ اِنسان پابندِ مذہب ہو، تو فرشتہ بن جاتا ہے۔ نہ ہو تو نیرو اور چنگیز کا رُوپ اختیار کر لیتا ہے؟

اے میرے ہم وطنو! کیا تم بھی اُسی انجامِ بد کو دعوت دے رہے ہو۔ جس میں آج یورپ گھِرا ہُوا ہے؟ کیا تمھیں اپنی یہ حیادار۔ باعصمت۔ پاکیزہ۔ قانع اور بے زبان بچّیاں بُری لگتی ہیں؟ اگر نہیں، تو اِنھیں آغوشِ گُناہ میں کیوں دھکیل رہے ہو؟ کیا تمھیں اپنے مُطیع۔ خدمت گزار اور نیک بیٹوں سے نفرت ہے؟ اگر نہیں، تو پھر اُن کے سامنے اپنی لامذہب زندگی کا بُرا نمونہ کیوں پیش کر رہے ہو؟ اِنھیں انگریزی کی بد آموز فلمیں دکھا کر جنسی درندہ کیوں بنا رہے ہو؟

جوانی جب بھی آتی ہے، جنسی ہیجان اور جذبات کا سیلِ تُند ساتھ لاتی ہے۔ اِس سیل کے آگے مذہب کا بند باندھنا ضروری ہے۔ ورنہ یہ سب اقدار کو بہا لے جائے گا۔ اگر ہم ایک بچّے کے ذہن میں اِتنی سی چیز بٹھا دیں، کہ اللہ بے پناہ طاقتوں کا مالک ہے، ارض و سما کے تمام خزائن اُس کے قبضے میں ہیں۔ غم و مسرّت کا سرچشمہ وُہی ہے۔ وُہ اچھوں کو نوازتا اور بُروں کو سزا دیتا ہے۔ اچھوں کے لیے محل، باغات، اور حُوریں ہیں۔ بُروں کے لیے آگ، سانپ، بچھو اور تھوہر۔ تو اُس کے قدم گناہ کی طرف نہیں اُٹھیں گے، اور اگر اُٹھیں گے بھی، تو رُک رُک کر۔

قرآن نے گُناہ سے بچنے کے لیے عبادت کا نسخہ بھی تجویز فرمایا ہے:

اِنَّ الصَّلٰوۃَ تَنْہٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْکَرِ ۔ (عنکبوت - ۴۵)

(نماز یقیناً گناہ و مکروہات زمانہ سے بچاتی ہے ۔)

فلسفۂ صلوٰۃ :

ا : اپنے قول کی لاج کون نہیں رکھتا ؟ جب ایک شخص دن میں پانچ مرتبہ اللہ کے سامنے دست بستہ کھڑے ہو کر کہتا ہے :-

" اے ربِّ کائنات ! تیری ذاتِ عظیم ، تیرا نامِ مبارک ، تو ہی ستائش ، عبادت اور استعانت کے قابل ہے ۔ اے رحمتِ مجسّم ! ہمیں برگزیدہ انسانوں کی راہ پہ چلا ، مغضوب و بدراہ اقوام کی اقتدا سے بچا ۔ دُنیا و عقبیٰ میں کامیاب کر ۔ ہمیں اور ہماری اولاد کو پابندِ صلوٰۃ بنا اور روزِ محشر ہمارے والدین اور دیگر اہلِ ایمان پہ لطف و بخشش کر ۔ اے اللہ تو جلیل و اکبر ہے اور تیری اعلیٰ و ارفع ذات بہت مقدس ہے "

تو بعد از صلوٰۃ بھی اُسے اپنے وعدوں اور دُعاؤں کا خیال رہتا ہے ۔ جو شخص منعَمٌ علیہ گروہ میں شمولیت کی دُعا مانگ کر مسجد سے باہر آتا ہے ، وہ بدکاری سے بچنے کی ہر ممکن کوشش کرتا ہے ۔ تاکہ اُس کے قول و عمل میں وحدت رہے اور اس کی شخصیت منقسم ہو کر منبعِ اضطراب نہ بن جائے ۔ نماز ، گناہ سے بچنے کی ایک نہایت موثر نفسیاتی تدبیر ہے ۔

ب : انسانی شخصیت ارتقا پذیر ہے ۔ اس میں ولادت سے موت تک

انقلاب و تغیر جاری رہتا ہے۔ یہ اعمال کے سانچے میں سدا ڈھلتی رہتی ہے۔ بلند اعمال اسے حسین بناتے ہیں اور پست اعمال قبیح۔ حسن پہلے روح میں پیدا ہوتا ہے اور پھر جسم میں۔ یہ منظر مجھے صدہا مرتبہ دیکھنے کا موقعہ ملا، کہ جو بچے علم کی خاطر درس گاہوں میں گئے اور وہاں احکام خداوندی کے پابند رہے۔ وُہ بیس برس کے بعد نہایت سڈول۔ دلکش اور حسین چہرے لے کر واپس آئے۔ دُوسری طرف ایسے خوش گل نوجوانوں سے بھی واسطہ پڑا۔ جو چلتے چلتے بھٹک گئے شرابیوں، افیونیوں، جواریوں اور بدمعاشوں کی صحبت میں پھنس کر بد اعمال، بدصُورت اور قابلِ نفرت بن گئے۔ اِنسان کا چہرہ اور خصوصاً جبیں، ایک ایسی لوح ہے۔ جس پر اللہ اپنے ہاتھ سے اِنسان کا کردار لکھتا رہتا ہے۔

يُعْرَفُ الْمُجْرِمُوْنَ بِسِيمَاهُمْ (رحمٰن - ۴۱)	(بدکار اپنے چہروں سے پہچانے جاتے ہیں)
سِيمَاهُمْ فِي وُجُوهِهِمْ مِنْ أَثَرِ السُّجُودِ - (فتح - ۲۹)	(سجدوں کے آثار اُن کے چہروں پہ نمایاں ہیں۔ اور یہی اُن (مومنوں) کی پہچان ہے)

اِنسانی پرسنلٹی (شخصیت) ہر وقت کسی نہ کسی سانچے میں ڈھلتی رہتی ہے۔ اہلِ نظر اِس بات پر متفق ہیں کہ علم کا سانچہ اعلٰے ہے اور عبادت کا اعلٰے ترین۔ اُمتِ مُسلمہ کے حسین لوگ وُہی تھے۔ جو عبادت کے سانچے میں ڈھل کر نکلے تھے۔ مثلاً: داتاؒ۔ باہُوؒ۔ اجمیریؒ۔ شکر گنجؒ۔ بایزیدؒ۔ جُنیدؒ وغیرہ۔ رحمہُم اللہ اجمعین۔ یہ زمینی بھی تھے اور آسمانی بھی۔ اِن کی ایک نگاہ سے لاکھوں اِنسانوں کی تقدیریں بدل گئی تھیں، اور اِن کی بدولت اِسلام بحرا لکاہل کے بعید ترین جزائر تک پھیل گیا تھا۔ عظیم اِنسانوں کا یہ سلسلہ اِسلام کے سوا کہیں اور موجُود نہیں۔ یہ لوگ

یونیورسٹیوں کی نہیں بلکہ عبادت گاہوں کی تخلیق تھے۔

ج : سرور کے مآخذ کئی ہیں۔ اوّل : مناظرِ فطرت۔ یعنی بہاروں کی رنگینی۔ آبشاروں کی موسیقی۔ کوہساروں کا جلال۔ سمندروں کی عظمت اور صحراؤں کی پہنائی۔ دوم : علم۔ سوم : موسیقی۔ چہارم : حُسن۔ وقس علیٰ ھٰذا۔ سُرور کا سب سے بڑا مآخذ عبادت ہے۔ جب ایک اِنسان سکوتِ شب میں اللہ کے پاؤں پہ سر رکھ کر اُس کے تصوّر میں ڈوب جاتا ہے، تو صرف کائنات ہی نہیں شاہدِ کائنات بھی اُس سے ہم کلام ہو جاتا ہے۔ اور جب اُس کی رُوح فرطِ سُرور میں جھُومنے لگتی ہے، تو وہ یُوں محسُوس کرتا ہے۔ گویا ساری کائنات اُس کے ہمراہ ناچ رہی ہے۔

نہ خواہم ایں جہاں و آں جہاں را
مرا ایں بس کہ دانم رمزِ جاں را
سجودے دِہ کہ از سوز و سرودش
بوجد آرم زمین و آسماں را (اِقبال)

د : عبادت اُن طاقتوں کو بیدار کرتی ہے۔ جو قُلزم کو دو نیم اور عصا کو اژدہا بنا سکتی ہیں۔ جو ایک ہزار مُسلّح حملہ آوروں کو ۳۱۲ نہتّے فداکاروں سے پٹوا سکتی ہیں۔ جو آندھیوں۔ بجلیوں۔ سیلابوں اور فرشتوں کو بھی اِمداد کے لیے بلا سکتی ہیں۔

یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ	(اے اہلِ ایمان! تُم اللہ
اٰمَنُوا اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ	کا وہ اِحسان یاد کرو، جب
عَلَیْكُمْ اِذْ جَآءَتْكُمْ	(جنگِ احزاب میں چوبیس ہزار)
جُنُوْدٌ فَاَرْسَلْنَا عَلَیْهِمْ	حملہ آوروں نے تُم پر ہلّہ بول
رِیْحًا وَّ جُنُوْدًا	دیا تھا۔ اُس وقت ہم نے

لَمْ تَرَوْهَا وَكَانَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيْرًا۔	اُن پر تیز رفتار آندھی چلائی۔ نیز آسمان سے ایسے لشکر اُتارے جنہیں تم نہیں دیکھ سکتے تھے۔ یہ اس لیے کہ اللہ تمہارے اعمال کو دیکھ رہا تھا، اور تم اس امداد کے مستحق تھے)
(احزاب - ۹)	

اللہ نے ظہورِ اسلام کے بعد پانچ سو برس تک ہمیں ہر میدان میں فتح سے نوازا۔ ہم نے جس سمت کا رُخ کیا، فتح ونصرت نے ہمارے قدم چُومے۔ کیوں؟ اس لیے، کہ اللہ ہمارے ساتھ تھا۔ دُوسری طرف قیصر وکسریٰ، کو اُن کا بے اندازہ سامانِ جنگ اور لاتعداد فوج محض اس لیے تباہی سے نہ بچا سکی، کہ وُہ اللہ کے لُطف وکرم سے محروم ہو چکے تھے۔ اگر ہم آج بھی اَحکامِ الٰہی کے پابند ہو جائیں تو وُہی شوکت و عظمت ہمیں پھر مل سکتی ہے۔ ورنہ اگر ہم گناہ کی راہوں پر بڑھتے چلے گئے اور ذکر و سجود کو شغلِ بے کاراں سمجھتے رہے، تو کسی دن جلادت کا خونخوار کلہاڑا ہماری شہ رگ کو کاٹ دے گا۔

تو کیستی؟ ز کجائی؟ کہ آسمانِ کبود
ہزار چشم براہِ تو از ستارہ کشود
تو آں نئی؟ کہ مصطفٰے ز کہکشاں می کرد
ترا عذابِ غمِ غربیاں ز خویشتن ربود
(اقبال بے ترمیم)

۸ : عبادت بصارت میں وُہ گہرائی اور گیرائی پیدا کرتی ہے، کہ رفتہ رفتہ زمان ومکان کے تمام حجابات اُٹھ جاتے ہیں۔ قریب وبعید اور ماضی ومستقبل کا

اِمتیاز مٹ جاتا ہے۔ مومن کی حلوتخانہ بصیرت ہر منظر میں جلوۂ حقیقت دیکھ لیتی ہے اور یہ کائنات از سرتا پا نور نظر آتی ہے۔

خوشا آنکہان کہ ازیں خاکداں بروں جستند
طلسم مہر و سپہر و ستارہ بشکستند (اقبال)

و : اللہ کے سامنے جھکنے والا کبھی کسی دُوسرے کے سامنے نہیں جھکتا۔ اور ماسوا اللہ سے بے نیاز ہو جاتا ہے۔ اسی بے نیازی کا دُوسرا نام قلندری ہے۔

ز : اِنسان کو دو چیزیں عظیم بناتی ہیں۔ جلال اور جمال۔ جمال اُس نیاز و گداز کا نام ہے۔ جو صرف عبادت سے پیدا ہوتا ہے۔

ح : اِسلامی زندگی قربانیوں کا ایک طویل سلسلہ ہے۔ زکوٰۃ مال کی قربانی ہے۔ روزہ جذبات کی۔ جہاد جان کی، اور صلوٰۃ آرام کی۔ صُبح کی نیند بہت گہری۔ میٹھی اور سکون بخش ہوتی ہے۔ اسے چھوڑ کر اللہ کے حضور میں جانا کوئی کھیل نہیں۔ ظہر کے وقت کاروبار، عصر و مغرب کے وقت تفریحات، اور وقتِ عشاء خواہشِ آرام کو قربان کرنا پڑتا ہے۔ جب ایک شخص ان چھوٹی چھوٹی قربانیوں کا عادی ہو جاتا ہے تو اُسے بڑی بڑی ابتلاؤں میں ڈالا جاتا ہے اور یُوں منزل بمنزل وہ اُن مقامات کی طرف بڑھتا ہے۔ جو مقصودِ آدم ہیں۔

یَا اَیُّہَا الْاِنْسَانُ	(اے اِنسان! تو سعد
اِنَّکَ کَادِحٌ اِلٰی	تا لیسے اُٹھا کر اللہ کی طرف
رَبِّکَ کَدْحًا فَمُلَاقِیْہِ ۔	بڑھ رہا ہے اور ایک دن
(اِنشقاق ۔ ۲)	اُسے پالے گا)

اِسلامی نظامِ زندگی ایک وحدت ہے۔ اِس کے پُورے نتائج تبھی سامنے آتے ہیں کہ ہم سارے نظام کو اپنائیں۔ اِس نظام کے اجزاء یہ ہیں :- اِیمان

صلوٰۃ ۔ صوم ۔ زکوٰۃ ۔ حج ۔ جہاد ۔ بے پناہ علم ۔ محبت ۔ عدل ۔ احسان ۔ خدمتِ انسان وغیرہ ۔ جو لوگ چند ارکان کو اپنا کر باقی احکام سے بے نیاز ہو جاتے ہیں ۔ مثلاً : نماز ادا کرنے کے بعد یہ سمجھتے ہیں کہ وہ باقی تمام فرائض سے سُبکدوش ہو چکے ہیں ۔ وہ غلطی پر ہیں ۔

لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوا	(منہ مشرق یا مغرب
وُجُوهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ	کی طرف پھیرنا نیکی نہیں ۔
وَالْمَغْرِبِ وَلٰكِنَّ الْبِرَّ	بلکہ نیکی مختلف اعمال کا
مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ	نام ہے ۔ مثلاً : اللہ ،
وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالْكِتٰبِ	آخرت ، ملائکہ ، آسمانی
وَالنَّبِيّٖنَ وَاٰتَى الْمَالَ عَلٰى	صحائف اور تمام انبیا پر
حُبِّهٖ ذَوِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى	ایمان لانا ۔ شوق و رغبت
وَالْمَسٰكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ	سے اقارب یتامیٰ ،
وَالسَّآئِلِيْنَ وَفِي الرِّقَابِ	مساکین ۔ سائلین (حاجت مند)
وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَى	مسافروں اور گرفتارانِ بلا
الزَّكٰوةَ وَالْمُوْفُوْنَ	کی مالی امداد کرنا ۔ نماز
بِعَهْدِهِمْ اِذَا عٰهَدُوْا	پڑھنا ، زکوٰۃ دینا ۔ وعدوں
وَالصّٰبِرِيْنَ فِي الْبَاْسَآءِ	کی پابندی کرنا ۔ مصیبت
وَالضَّرَّآءِ وَحِيْنَ الْبَاْسِ ۔	مرض اور جنگ میں
اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا	ثابت قدم رہنا ۔
وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ ۔	یہی لوگ سچے مومن ، اور
(البقرہ ۔ ۱۷۷)	متقی ہیں ۔

نماز پہ تنقید :

آپ نے بار ہا ماڈرن مسلمانوں سے یہ اعتراض سنا ہوگا کہ فلاں نمازی فلاں جرم میں پکڑا گیا اور فلاں حاجی عرب سے سونا چرا لایا۔ اس لیے نماز و حج بے کار ہیں۔ ان معترضین کو کہیے کہ اُستاد اور والدین کی طرح نماز کا کام گناہ سے روکنا ہے۔ اگر کوئی بدبخت نہ رُکے۔ تو اس میں نماز کا کیا قصور؟ اگر آپ صرف اسی بنا پر نماز کو ختم کرنا چاہتے ہیں، تو پھر اپنے والدین اور اساتذہ کو بھی مار ڈالیے، کہ اُن کے روکنے کے باوجود آپ گناہ کر رہے ہیں۔ اگر کوئی نمازی ارتکابِ گناہ سے صلوٰۃ کی توہین کر رہا ہے، تو آپ گناہ کو ختم کریں، نہ کہ نماز کو۔

اگر کوئی شخص غیر محرم لڑکیوں کو گندے خطوط لکھتا ہے۔ تو اس کا علاج قلم۔ دوات اور کاغذ کو ختم کرنا نہیں، بلکہ اُس بدنویس کو سیدھا کرنا ہے۔

ایک نمازی روزانہ صدہا کام کرتا ہے۔ مثلاً: وُہ روٹی کھاتا، پانی پیتا، رزق کماتا، ہل چلاتا اور لوگوں سے ملتا ہے۔ اُس کے کسی گناہ کو صرف نماز کی طرف منسوب کرنا، اور دیگر تمام اعمال و علل کو نظر انداز کر دینا کج دماغی اور سینہ زوری کی انتہا ہے۔

آپ اُس قاتل کو کیا کہیں گے، جو شبِ گزشتہ میں کھائی، ہُوئی دال کو وجہِ قتل بتائے، اور اُس جرم کے متعلق کیا رائے قائم کریں گے، جو اپنی کسی نماز کو چوری کا محرک قرار دے۔

ط: امام غزالی احیاء العلوم میں فرماتے ہیں کہ جب ایک عابد ذکرِ خدا کو اپنا معمول بنا لیتا ہے تو رفتہ رفتہ اُسے بدی سے نفرت ہو جاتی ہے، اور کوئی ترغیب اُسے مائل بہ گناہ نہیں کر سکتی۔ یہ وُہ منزل ہے، جہاں اللہ اُس کے دل کو اپنی مُٹھی

میں لے لیتا ہے۔ وُہ ماسوا سے ..... بے نیاز ہو جاتا ہے اور بعد از مرگ اُس کی رُوح ایک زندہ و پایندہ قوّت بن جاتی ہے۔ مومن کی یہ حالت مستقرِ خلد و رضا کہلاتی ہے۔ اِنسان کے اِن رفیع و جلیل مقامات کو وُہ لوگ کیا جانیں، جو نماز کو شغلِ بے کاراں اور اپنے آپ کو خدا اور رسُول سے دانا تر سمجھتے ہیں۔

بہ یزداں کے رسد آں راہ پیماے تن آسانے

کہ صد ہا سال منزل در مقامِ آذری کردہ

(اِقبال۔ بہ ترمیم)

ایک اور عارف کا تجربہ یہ ہے کہ ایک عابد کو مقاماتِ ذیل سے گزرنا پڑتا ہے:

اوّل: توکّل۔ اِس سے مراد ترکِ اسباب نہیں، بلکہ فراہمیِ اسباب کے بعد نتائج کو اللہ پہ چھوڑ دینا ہے۔

دوم: یقین۔ جہاں عقل عشق کے آگے سپر ڈال دیتی ہے۔

سوم: شُکر۔ یہ اِحساس کہ ہر چیز اللہ کی عطا کردہ ہے، اور شُکر و ستائش کا مُستحق بہر حال وُہی ہے۔

چہارم: مقامِ ہیبت۔ کہ اِنسان اللہ کو حاضر و ناظر سمجھ کر ہر وقت اُس کے خوف و خیال سے سرشار رہے۔

پنجم: خلوص۔ کہ اُس کا اُٹھنا، بیٹھنا، جینا، مرنا خالصتاً اللہ کے لیے ہو جائے۔

ششم: حیا۔ اِس خیال سے شرمسار رہنا کہ وُہ اللہ کی لاتعداد نعمتوں کا شُکر پُوری طرح ادا نہیں کر سکتا۔

یہ ایک ناقابلِ اِنکار حقیقت ہے کہ عبادت سے ایک ایسی شخصیت اُبھر کر سامنے

آتی ہے، جو پاکیزہ، خدا پرست، اِنسان دوست اور تمام اعمال و جذبات میں متوازن ہو
اِسی داخلی اِنقلاب کی خاطر اللہ نے حکم دیا تھا کہ قیامِ سلطنت کے بعد تمہارا پہلا کام
نظامِ عبادت کا قیام ہو (الحج - ۴۱) لیکن پاکستان کے اربابِ اقتدار نے اِس حکم کی
پرواہ نہ کی۔ نتیجہ یہ کہ ہمارے دفاتر راشیوں سے، بازار سمگلروں اور گراں فروشوں سے،
درس گاہیں لادین طلبہ سے اور گھر آوارہ اولاد سے بھر گئے۔ جانے قوم پٹڑی سے اُتر گئی۔
اور ساری دُنیا طعنہ ہم سے یہ سوال پوچھا کہ کیا وُہ اِسلام یہی ہے۔ جس کی خاطر تم نے
نیا مُلک حاصل کیا تھا؟ اور جس کے لافانی۔ ابدی۔ سرمدی اور اعلیٰ ترین نظامِ زندگی
ہونے کا ڈھول تم چودہ سو برس سے پیٹ رہے تھے؟

فتادی از مقامِ کبریائی
حضورِ دُوں نہادان چہرہ سائی
تو شاہینی۔ ولیکن خویشتن را
بگیری تا بہ دامِ خود نیائی

(اقبال)

کیا خُدا ہماری عبادت کا محتاج ہے؟

اگر شاگرد اُستاد کی تعظیم کرے، اور بیٹا باپ کی۔ تو اِس سے فائدہ شاگرد
اور بیٹے ہی کو پہنچے گا، کہ وُہ سعید و رشید کہلائیں گے، مہذّب و نیک شمار
ہوں گے، اور اُستاد و والد کے فیوض سے پُورا فائدہ اُٹھائیں گے۔ دُوسری طرف
ایک بے ادب شاگرد اور نا خلف کو بد نامی ـــــ ذِلّت ـــــ اور لعنت
کے سوا کچھ بھی نہیں ملے گا ـــــ عبادت کیا ہے؟ ربّ العرش کا احترام۔ یہی احترام
اِنسان کو جمیل و جلیل بناتا ہے۔

فلسفۂ اوقاتِ صلوٰۃ :

نیند کو موت کی بہن کہا جاتا ہے، اور بیداری کو حیاتِ نو۔ ایک مومن حیاتِ نو ملنے پر اللہ کا شکر ادا کرتا ہے، اور یہ ہے نمازِ صُبح۔
جب وُہ چھ سات گھنٹے کے کاروبار کے بعد گھر آتا ہے تو کسبِ حلال پر پھر اللہ کا شُکر ادا کرتا ہے، اور یہ ہے نمازِ ظُہر۔ جب دِن ختم ہونے لگتا ہے، تو وُہ دِن کے بخیریت گزُرنے پر ایک مرتبہ اور شُکریہ ادا کرتا ہے اور یہ ہے صلوٰۃِ عصر۔ دِن بھر کے تھکان کے بعد جب راحت بخش رات اپنی تمام تر آسُودگیوں کے ساتھ طلُوع ہوتی ہے، تو وُہ پھر سجدۂ شُکر میں گر جاتا ہے۔ (نمازِ مغرب) اوّلِ شب کی چھوٹی موٹی تفریحات۔ گپ شپ اور کھانے کے بعد جب اُسے نیند ستانے لگتی ہے، تو وُہ زِندگی کو الوداع کہنے سے پہلے ایک مرتبہ اور سربسجُود ہو جاتا ہے۔ (نمازِ عشاء) اور یہ ہے مُسلمان کا نہجِ زِندگی۔ پاکیزہ۔ تابدار۔ مُحکم اور پُرسکُون۔

اَلَا بِذِکْرِ اللّٰہِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْب۔	(یاد رکھو کہ دِلوں کو سکُون اللہ کے ذِکر سے
(رعد - ۲۸)	مِلتا ہے)

کیا اِس نظام پر کاربند ہونے کے بعد آوارگی۔ عیاشی۔ بدکاری اور رشوت کی کوئی گنجائش ہو سکتی ہے ؛

امراض سے حفاظت :

یہ ایک تسلیم شُدہ حقیقت ہے، کہ بیماری گُناہ کی تخلیق ہے۔ یہ پہلے جسمِ لطیف (اِس جسمِ خاکی میں رہنے والا حقیقی اِنسان) کو لاحق ہوتی ہے، اور پھر جسمِ خاکی کو صحت

اور مرض صفاتِ رُوح ہیں۔ رُوح نکل جانے کے بعد جسم بیمار نہیں ہوتا۔

آپ جانتے ہیں، کہ عداوت و محبت دو متضاد جذبات ہیں، اور جسم پر اِن کے اثرات بھی متضاد ہوتے ہیں۔ محبت سے جسم میں صحت بخش رطوبتیں پیدا ہوتی ہیں۔ اور بُغض و عداوت سے یہ زہر میں تبدیل ہو جاتی ہیں۔

ایک امریکی ڈاکٹر لکھتا ہے :

" گناہ سے پہلے جسم لطیف بیمار ہوتا ہے، اور اُس کے بعد جسم خاکی۔ غُصّہ صحت کو بہت نقصان پہنچاتا ہے۔ اِس سے تھُوک میں ایک قسم کا زہر پیدا ہو جاتا ہے۔ اِسی طرح فوری اشتعال سے نہ صرف دل کمزور ہو جاتا ہے بلکہ جنُوں اور موت تک کا خطرہ ہو سکتا ہے۔ دُوسری طرف محبت، شفقت، رحم، اِحسان اور خلُوصِ نیّت سے جسم میں ایسی صحت افزاء اور حیات بخش رطوبتیں پیدا ہوتی ہیں، جو گناہ کے زہر کو امرت میں بدل دیتی ہیں۔"

(اِن ٹیُون وِد دی اِنفائینٹ۔
از پروفیسر راڈلف ٹرائن۔ ص۳۹)

ہومیوپیتھی کا مشہُور فاضل ڈاکٹر کینٹ اپنی کتاب " فلاسفی آف ہومیوپیتھی " میں لکھتا ہے :-

" طبیب کا فرض علاج کرنا ہے، اور اُس کی واحد صُورت یہ ہے کہ وُہ مریض کی رُوح کو پاک کرے۔ کیُوں کہ بیماری پہلے رُوح کو لاحق ہوتی ہے، اور وہاں سے بدن کی طرف بڑھتی ہے۔ باطن کی سلامتی کا لازمی نتیجہ جسم کی سلامتی ہے۔ "

(مُلخّص۔ ص۱۸)

مَیں خُود بھی ایک چھوٹا سا رُوحانی مُعالج ہُوں۔ مَیں اب تک کئی ہزار مریضوں کو

نماز کی پابندی اور اسمائے الٰہیہ کے ورد سے بفضلہ صحت آشنا کر چکا ہوں۔ اگر یقین نہ آئے تو خود آزما دیکھیں۔ اس کی صورت یہ کہ پہلے تمام گناہوں کو ترک کرنے کا پختہ عہد کریں۔ اس کے بعد پابندِ عبادت و تلاوت ہو کر محبت۔ خدمت۔ رحم۔ اِحسان۔ صداقت اور دیانت کو اپنا معمول بنائیں۔ اگر اس کے بعد بھی کوئی مرض یا پریشانی باقی رہے، تو مجھے من مانی سزا دیں۔

اللہ کا یہ ارشاد کبھی غلط نہیں ہو سکتا، کہ :-

إِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَاءِ
وَالْمُنْكَرِ ۔ (عنکبوت ۔ ۴۵)

اس آیت میں لفظ اَلْمُنْكَر قابلِ غور ہے۔ لغوی لحاظ سے اس کے معانی ہیں :-

قبیح ۔ ناگوار ۔ حادثہ ۔ مصیبت ۔ بدعملی ۔ ظاہر ہے کہ قبیح و ناگوار میں مرض بھی شامل ہے۔ آیت کا ترجمہ یوں ہوگا :

" بے شک نماز گناہ اور مُنکَر (یعنی : مصائب، حوادث، امراض وغیرہ) سے بچاتی ہے۔"

اس سے واضح تر آیت یہ ہے :-

وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ	(دن کے دونوں
طَرَفَیِ النَّهَارِ وَزُلَفًا	کناروں اور رات کے
مِّنَ الَّیْلِ اِنَّ الْحَسَنٰتِ	کچھ حصے میں نماز پڑھا کرو
یُذْهِبْنَ السَّیِّاٰتِ	کیونکہ نیکیاں سیئات کو
(ھود ۔ ۱۱۴)	دور کر ڈالتی ہیں)

لغات میں " سَیِّئَہ " کے معانی ہیں : قبیح ۔ گناہ ۔ آفت ۔ شر ۔ نقصان ۔

ضرر اور دُکھ۔ اس کی جمع ہے : سَیِّئَات ۔ آیۂ ذیل میں یہ لفظ صرف دُکھ کے معنوں میں استعمال ہُوا ہے ۔

وَلَئِنْ اَذَقْنَاهُ	(اگر ہم کسی آدمی کو
نَعْمَاءَ بَعْدَ ضَرَّاءَ	دُکھ کے بعد سُکھ سے نوازیں
مَسَّتْهُ لَيَقُوْلَنَّ	تو وُہ خوش ہو کر کہتا ہے
ذَهَبَ السَّيِّئَاتُ عَنِّيْ۔	۔کہ میرے دُکھ (سَیِّئَات)
(ھُود - ۱۰)	- دُور ہو گئے)

فلسفۂ صوم :

صوم عربی زبان کا لفظ ہے ۔ جس کے لغوی معنی ہیں : رُک جانا ۔ تھم جانا ۔ مثلاً :

الرِّیاح الصائمۃ : تھم جانے والی ہوائیں۔
السکاکین الصائمۃ : رُک جانے والی، یعنی نہ کاٹنے والی چھُریاں۔
البکراتُ الصائمۃُ : نہ گھُومنے والی چرخیاں ۔

اِس کا اِصطلاحی مفہُوم ہے :-

کھانے ، پینے ، مُباشرت ، غیبت ، بد زبانی ، بد اندیشی، اور بد عملی سے مُکمّل اجتناب۔ روزہ صرف بھُوکا رہنے کا نام نہیں ۔ بلکہ تمام مُنکرات سے ۔ بچنے کا نام ہے۔ جو لوگ روزہ رکھ کر غیبت ۔ دُشنام ۔ مکروفریب ۔ رشوت اور قمار بازی سے نہیں رُکتے ۔ شرعاً وُہ صائم نہیں ۔

حضُور پُر نُور صلعم کا ارشاد ہے :-

من ابی هریرہ	(حضرت ابوؓ ہریرہؓ
رضی اللہ عنہ	حضور صلعم کے اِس قول کے
اَنَّ رسُول اللہ صلعم قال	راوی ہیں۔ کہ روزہ شیطان
الصیام جُنّۃٌ فلا	کے حملوں سے بچنے کے لیے
یرفثُ و لا یجھلُ	ایک ڈھال ہے۔ صائم کو
و اِن امرؑ اُ قاتلہٗ	چاہیے کہ وُہ بذزبانی اور
او شاتمہٗ فلیقُل	جہالت سے اِجتناب کرے۔
انی صائمٌ مرتین۔	اور اگر کوئی شخص اُس سے
(بخاری ۔ کتاب الصوم)	لڑے یا گالیاں دے، تو اُسے
	دو مرتبہ کہے کہ میں صائم ہوں)

حدیثِ ذیل کے راوی بھی حضرت ابوہریرہ ہیں۔ حضور صلعم کا ارشاد ہے۔ کہ :۔

من لم یدعْ	(جو شخص روزہ رکھ کر
قَولَ الزُّور والعَمَل	جھوٹ اور بدعملی سے نہیں
بہٖ فلیسَ لِلّٰہِ حاجۃٌ	رُکتا، اُسے کہہ دو۔ کہ
فی ان یدعَ	اللہ کو اس کی بھوک اور
طعامہٗ و شرابہٗ۔	پیاس کی ضرورت نہیں)

(بخاری ۔ کتاب الصوم)

اِسلام کا مقصد ایک ایسا اِنسان تیار کرنا ہے۔ جو خواہشات، جذبات اور اعمال میں متوازن ہو۔ جو مصائب میں بہت مغموم نہ ہو، اور نہ خُوشی میں جامے سے باہر۔ جو خواب و خور۔ گفت و شنید۔ خندہ و گریہ۔ جسم و رُوح اور دُنیا و عُقبیٰ میں توازُن قائم رکھے۔ قُرآن نے اِس توازُن کو المیزان کہا ہے۔

وَ السَّمَاءَ رَفَعَهَا وَ وَضَعَ الْمِيْزَانَ اَلَّا تَطْغَوْا فِى الْمِيْزَانِ۔ (رحمٰن ۷-۸)

(اللہ نے آسمان بنانے کے بعد کائنات میں میزان (توازن - ترازو) لگا دیا ہے خبردار اِس توازن کو درہم برہم نہ کرنا)

تمام بد اعمال لوگ، مثلاً: راشی اہل کار۔ اِنصاف فروش حکام۔ عیاش سرمایہ دار لا مذہب علما اور گراں فروش تجار اِس توازن کو درہم برہم کر رہے ہیں، اور وہ بھی جو اپنے جذبات۔ حرکات۔ اعمال اور اُمیال میں غیر متوازن ہیں۔

جناب کرشن فرماتے ہیں :-

"جو شخص غم و مسرت میں معتدل رہتا ہے، اور نفس پہ ضبط رکھتا ہے........ جو نہ کسی سے نفرت کرتا ہے نہ محبت۔ نہ مغموم ہوتا ہے، نہ پُر اُمید۔ ہر چیز سے بے نیاز........شہرت و گمنامی۔ سردی و گرمی۔ دُکھ اور سُکھ۔ آسودگی و فلاکت۔ ہجو و ستائش میں متوازن۔ خاموش۔ قناعت پسند۔ بے طمع۔ باعزم اور مخلص۔ وہ میرا نیک بندہ ہے۔"
(ملخص۔ گیتا۔ باب ۱۲، شلوک ۱۳ - ۱۹)

روزہ اِسی قسم کے متوازن اِنسان تیار کرنا چاہتا ہے۔

جس طرح فوج کو جفاکش بنانے کے لیے ہر سال ایک دو ماہ کے لیے جنگلوں اور پہاڑوں میں رکھا جاتا ہے، جہاں سپاہی ہر روز میلوں پیدل چلتے، اور پہروں بھوکے پیاسے رہتے ہیں، اور اسے کیمپ لائف کہا جاتا ہے۔ اِسی طرح ماہِ رمضان اُمتِ مسلمہ کے لیے کیمپ لائف ہے۔ خود ہی اندازہ فرمائیے، کہ جو لوگ دُنیا بھر کی نعمتوں کو ٹھکرا کر ہر روز کم از کم بارہ گھنٹے بھوکے اور پیاسے رہتے ہیں۔ پانچ نمازوں کے علاوہ

تراویح اور تہجد کی بھی پابندی کرتے ہیں۔ سحری کے بعد دیر تک تلاوت کرتے ہیں۔ تمام گناہوں سے بچتے ہیں۔ پورا مہینہ خدا کے تصوّر میں ڈوبے رہتے ہیں۔ غربا و مساکین کی پرورش کرتے ہیں، اور اپنی کمائی کا خاصہ حصّہ اللہ کی راہ میں دے ڈالتے ہیں۔ وہ تقدّس اور توازن کی کس منزل پہ پہنچ جاتے ہوں گے۔ اِس قسم کے جمیل و جلیل لوگ صرف مذہب کے سانچے میں ڈھل سکتے ہیں۔ جو لوگ مذہب کو بے کار سمجھتے ہیں۔ وُہ پہلے یورپ پہ نگاہ ڈالیں، جہاں کی اسّی فیصد آبادی عیّاش، شرابی اور حرام کار بن چکی ہے۔ پھر اپنے بڑے بڑے گھرانوں کو دیکھیں، جہاں لڑکیاں پرائے فرینڈز کے ساتھ ناچنے کو نشانِ تہذیب سمجھتی ہیں۔ اپنے دفاتر پہ نظر ڈالیں۔ جہاں حاجت مندوں دہاڑے لُٹ رہے ہیں۔ اگر آج پاکستان کے ہر شعبے میں ایک محشر بپا ہے تو اِس کا سبب صرف یہ ہے کہ ہم نے اِسلام کی مقدّس، حیات آفریں اور روشن تعلیمات کو ٹھکرا دیا، اور اپنے آپ کو اللہ سے زیادہ دانش مند سمجھنے لگے۔

مذہب سے بے خبری کی وجہ:

آپ جانتے ہیں کہ ہماری درس گاہوں میں الٰہیات (خدائی علم) کا شعبہ موجود ہی نہیں۔ نتیجہ یہ کہ ہمارے طلبہ خدا کی مشیّت، دانش، حکمت اور عظمت سے بے خبر ہیں۔ خیر و شر کا علم اسرارِ الٰہیہ میں سے ہے، اور عام اِنسان اس کا احاطہ نہیں کر سکتا۔ اگر ایسا ہو سکتا تو ہر فلسفی ایک کامل کتابِ ہدایت پیچھے چھوڑ جاتا۔ یہ درست ہے کہ فلسفیوں نے خیر و شر پہ بحث کی اور اِس موضوع پہ کچھ کتابیں بھی لکھیں۔ لیکن چونکہ اِنسانی زندگی کا ساتھ نہ دے سکیں، خیر و شر کا پورا علم صرف انبیاء کو دیا جاتا ہے اور اِس علم کی قدر و قیمت کو صرف وہی سمجھ سکتا ہے جو الٰہیات کا فاضل ہو اور اسمانی بصیرت سے مسلح ہو۔ ایک کم علم الٰہیات سے نابلد انسان کو کیا خبر کہ آسمانی پیغام کی حقیقت کیا ہے؟ اِس اساسی

فَحَقَّ عَلَيْهَا الْقَوْلُ غضب کو آواز دیتے ہیں۔ اور
فَدَمَّرْنَاهَا تَدْمِيرًا۔ ہم اُنھیں تباہ کر دیتے ہیں)
(اسرائیل - ۱۶)

پاکستان کے عیاشو! رُک جاؤ اور تاریخ و تقدیر کے اٹل فیصلوں سے ڈرو۔ اللہ تمھاری خاطر اپنے قانون کو قطعاً نہیں بدلے گا۔ زہر جس زمانے میں بھی کھاؤ گے مروگے۔ اللہ سے جب بھی ٹکر لوگے، گر و گے۔ اس خیال میں مت رہو کہ تم کاروں یا طیّاروں میں بیٹھ کر اللہ کے عذاب سے بھاگ نکلو گے۔

وَلَا يُرَدُّ بَأْسُهُ (دُنیا کی کوئی طاقت
عَنِ الْقَوْمِ الْمُجْرِمِيْنَ۔ بدکار اقوام کو عذابِ الٰہی سے
(انعام - ۱۴۸) نہیں بچا سکتی)

دُنیا میں سینکڑوں اقوام آئیں اور اُسی وقت تک زندہ رہیں۔ جب تک اُن کا اخلاقی نظام مضبُوط رہا۔ اس نظام کے کمزور ہوتے ہی اُن کا انحطاط شروع ہوگیا، اور اُن کی کوئی تدبیر اُنھیں تباہی سے نہ بچا سکی۔ تاریخ کیا ہے؟ اللہ کی سُنّت اور اٹل قوانینِ موت وحیات کی تفسیر۔ اس کا مطالعہ ہمیشہ اسی نقطۂ نگاہ سے کیجیے۔ اس وقت اِنسان بڑے نازک دور سے گزر رہا ہے، اور اسے وُہ خوفناک آلاتِ مرگ و ہلاکت دھمکا رہے ہیں۔ جو اس کی اپنی تخلیق ہیں۔ اس کی نجات کی صِرف ایک صُورت ہے، کہ یہ اِسلام کے حِصار میں پناہ لے۔

فلسفۂ زکوٰۃ :

لفظِ " زکوٰۃ " کے لغوی معنوی ہیں :

پاک ہونا - بڑھنا - حسین و سرسبز ہونا - مثالیں :-

زَکیَ الزَّرعُ : کھیتی سرسبز ہو گئی۔
زَکیَ الرَّجُلُ : آدمی خوشحال۔ دولت مند اور پاکیزہ ہو گیا۔
زَکیَ الاَرضُ : زمین سیراب یا سبز ہو گئی۔
زکیٰ مَالَہٗ : اُس نے زکوٰۃ دے کر مال کو پاک کر لیا۔

قرآن میں تقریباً تین سو مرتبہ صدقہ و زکوٰۃ کا حکم دُہرایا گیا ہے۔ زکوٰۃ سے مال اور معاشرہ دونوں پاک ہو جاتے ہیں۔ جب مساکین۔ یتامیٰ اور دیگر مستحقین کی ضروریات زندگی فراہم ہو جاتی ہیں۔ تو انھیں چوری۔ فریب۔ بددیانتی اور رشوت کی حاجت نہیں رہتی۔

کائنات میں سب کچھ اللہ کا ہے۔ زمین۔ ہوا۔ روشنی۔ آگ۔ اور بارش کا مالک وُہی ہے۔ اگر کوئی شخص اِن کے استعمال سے دولت پیدا کرے، تو اس میں تین پارٹیاں شریک ہو جاتی ہیں۔ کارفرما۔ کارکن اور غُربا۔ کارفرما واجب منافع لیتا ہے۔ کارکن اُجرت، اور غُربا زکوٰۃ۔ اِسلام یہ قطعاً گوارا نہیں کر سکتا کہ کچھ لوگ تو سیم و زر سے بینک بھر لیں اور باقی روٹی کے ایک ایک ٹکڑے کو ترستے رہیں۔

پاکستان کو آج یہی صُورت درپیش ہے، کہ چند سنگ دِل پیداوار کے تمام وسائل پر قابض ہیں۔ وہ اللہ کی راہ میں ایک پیسہ نہیں دیتے۔ مُلک کے تمام ادیب و فلسفی بھوک سے مر رہے ہیں۔ علُوم و فنُون دم توڑ رہے ہیں اور ہماری تمام درس گاہیں بدحالی کا شکار ہیں۔ اگر حکومتِ پاکستان نے اِس صُورتِ حال کا جلد علاج نہ کیا تو پھر قوم اُس سُرخ اِنقلاب کے لیے تیار ہو جائے۔ جو آج ہمارے دروازے پہ دستک دے رہا ہے۔ اِنقلاب کے اِس سیلِ تُند میں سب کچھ بہہ جائے گا۔ سرمایہ داروں کی دولت۔ ہمارا ایمان۔ نظریۂ حیات اور نظامِ سیاست و معیشت۔

اکثر اربابِ بصیرت اِس حقیقت پہ مُتفق ہیں کہ جسمانی لذّات ناپائیدار، نیز

باعثِ آزار ہیں۔ اور رُوحانی لذاتِ مُستقل اور ناقابلِ زوال۔ ہر نیک اِقدام کا نتیجہ مَسرّت ہوتا ہے۔ آپ نے دیکھا ہوگا کہ فیّاض لوگ سخاوت کا کوئی موقعہ ہاتھ سے نہیں جانے دیتے۔ کیوں کہ دینے میں بڑی لذّت ملتی ہے۔ اِسی قسم کی لذّت رحم۔ اِحسان۔ عدل اور عبادت میں بھی ہے۔ بعض ایسی لذات بھی ہیں، جو تلواروں کی جھنکار یا تختۂ دار پہ نصیب ہوتی ہیں۔ جب ایک غازی بلند انسانی قدروں کو بچانے کے لیے میدان میں اُترتا ہے، تو اُسے موت زندگی سے زیادہ دل کش نظر آتی ہے، اور وُہ ایک ہی جست میں منزل کو جا لیتا ہے۔

مقام بندۂ مومن کا ہے ورائے سپہر
زمیں سے تا بہ ثریا تمام لات و منات
حریم ذات ہے اس کا نشیمن ابدی
نہ تیرہ خاکِ لحد ہے نہ جلوہ گاہِ صفات

حیاتِ انسانی کا سفر معنوی ہے۔ وسطِ افریقہ کے ایک وحشی سے ارسطو تک زندگی کو صدہا منازل سے گزرنا پڑا۔ پھر ارسطو، سقراط سے کئی منازل فروتر تھا اور سقراط ملک نشین انبیا کے مقابلے میں محض ایک خاک نشین۔ یہ سفر علم و عشق سے طے ہوتا ہے۔ عشق عبادت۔ سخاوت اور ایثار کا دُوسرا نام ہے۔ ایک عابد رکوع و سجود سے، اور ایک کریم النفس صدقہ و خیرات سے اپنی منزل کی طرف بڑھتا ہے۔

قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْن۔
اَلَّذِیْنَ هُمْ فِیْ
صَلٰوتِهِمْ خَاشِعُوْن۔
وَالَّذِیْنَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ
مُعْرِضُوْن۔ وَالَّذِیْنَ هُمْ

وُہ اہلِ ایمان جیت گئے، جو خشوع و خضوع سے نماز پڑھتے۔ لغویات سے بچتے، اور اللہ کی راہ میں خرچ

لِلزَّکٰوۃِ فَاعِلُوْنَ ۔ ... کرتے ہیں)

(مومنون ۔ ۵-۴)

زکوٰۃ کے چند دیگر فوائد مختصراً یہ ہیں:

ا : انسان حرص و بخل سے پاک ہو جاتا ہے۔

ب : ملکیت بہیمیت پہ غالب آ جاتی ہے۔

ج : ملک کو غریبوں اور بھکاریوں سے نجات مل جاتی ہے۔

د : دولت جمع ہو کر باعثِ رعونت و عیاشی نہیں بنتی۔

ہ : قوم کی طاقت میں اضافہ ہوتا ہے۔

فی سبیل اللہ کا مفہوم :

ہر بھکاری اللہ کے نام پر خیرات مانگتا ہے۔ سوال یہ ہے کہ کیا ایک پیشہ ور بھکاری جیسے قارون کے خزانے بھی مطمئن نہیں کر سکتے، کو کچھ دینا انفاق فی سبیل اللہ ہے؟ قرآنِ حکیم کا فیصلہ یہ ہے کہ صدقہ و خیرات کا واحد معیار افادیت ہے۔ اگر آپ کی خیرات سے کوئی ایسا ادارہ وجود میں آ جاتا ہے، جو قوم کے لیے مفید ہو۔ مثلاً: کوئی درسگاہ۔ تجربہ گاہ۔ لائبریری یا اسلحہ ساز کارخانہ، یا کوئی نادار تعلیم پا کر ڈاکٹر، انجینئر، عالم، مصنف یا پروفیسر بن جائے۔ یا کوئی برباد آباد ہو جائے۔ یا کسی مسکین، یتیم کو زندہ رہنے کے وسائل مل جائیں۔ تو ان تمام صورتوں کو فی سبیل اللہ سمجھا جائے گا۔

میں پینتالیس برس تک معلم رہا، اور بار ہا ایسے طلبا سے واسطہ پڑا۔ جو میٹرک میں اونچا فرسٹ ڈویژن لے کر پاس ہوئے تھے۔ لیکن بوجہ غربت تعلیم جاری نہیں رکھ سکتے تھے۔ میری ترغیب پر بعض آسودہ حال لوگوں نے اُن کی مدد کی۔ اُن میں سے کوئی ڈاکٹر بن گیا۔ کوئی انجینئر یا ڈرکوٹی پروفیسر۔ اور ان سے ہزارہا انسانوں

نے فیض حاصل کیا۔ یہ ہے انفرادی خیرات کی بہترین صورت۔ جس طرح ایک کسان کاشت سے پہلے یہ دیکھتا ہے کہ زمین کاشت کے لیے موزوں ہے یا نہیں۔ اسی طرح خرچ کرنے سے پہلے اچھی طرح سوچ لیں کہ اس کے فوائد کیا ہوں گے۔ اللہ نے اس حقیقت کو ایک تمثیل سے واضح کیا ہے :-

مَثَلُ الَّذِينَ يُنْفِقُونَ	(اللہ کی راہ میں خرچ
فِي سَبِيلِ اللّٰهِ كَمَثَلِ	کردہ مال کی مثال وُہ
حَبَّةٍ أَنْبَتَتْ سَبْعَ	دانہ ہے، جسے زمین میں
سَنَابِلَ فِي كُلِّ	بو دیا گیا۔ اُس سے سات
سُنْبُلَةٍ مِائَةُ	شاخیں نکلیں۔ ہر شاخ پر
حَبَّةٍ وَاللّٰهُ يُضَاعِفُ	سو دانوں والا خوشہ لگا۔
لِمَنْ يَشَاءُ وَاللّٰهُ	اللہ جہاں چاہتا ہے، حاصل
وَاسِعٌ عَلِيمٌ۔	کو کئی گنا کر دیتا ہے۔
(البقرہ - ۲۶۱)	اس کے خزانے وسیع ہیں اور
	وُہ صاحبِ علم ہے)

یہ ہے۔ اللہ کی راہوں کی پہچان۔ کہ آپ ایسی مَد پہ صَرف کریں، کہ حاصل سات سو گنا ہو۔ مثلاً درس گاہیں کھولیں۔ غریب و ذہین طلبہ کی مدد کریں۔ فولاد مِل لگائیں۔ ٹینک اور طیارے بنائیں۔ مُلک سے غُربت کا خاتمہ کریں۔ وقس علی ھٰذا۔

اللہ نے بے مقصد خرچ پر بھی ایک مثال سے روشنی ڈالی ہے :

" جو لوگ محض نمائش (صاحب بہادر کو خوش کرنے یا عوام کو اُلّو بنانے) کے لیے خرچ کرتے ہیں۔ اور خدا و رسُول پہ ایمان نہیں رکھتے اُن کی مثال اُس کِسان کی سی ہے۔ جو کسی چٹان پر جمع شُدہ مٹی میں کچھ

بو دے، پھر اس پر مُوسلا دھار مینہہ برسے اور سب کچھ بہہ جائے۔" (بقرہ - ۲۶۴)

خرچ کی حد:

اگر قوم تمام شرعی واجبات ادا کرے۔ مثلاً زمینی پیداوار کا دسواں حصّہ، غنیمت کا پانچواں حصّہ، تمام لغزشوں کا فِدیہ اور فطرانہ بیت المال میں دے۔ خزانہ معمور ہو۔ اور ملک میں امن۔ تو پھر زکوٰۃ کی حد اڑھائی فیصد ہے۔ اور اگر قوم پر کوئی ناگہانی اُفتاد آ پڑے۔ مثلاً سیلاب یا زلزلہ آ جائے یا جنگ چھڑ جائے۔ تو پھر ہر فرد کو تمام زائد از ضرورت دولت خدا کی راہوں میں خرچ کرنا پڑے گی۔ یہ ممکن ہے کہ تمام واجبات ادا کرنے کے بعد بھی کسی تاجر یا کارخانہ دار کے پاس روزانہ صد ہا روپے بچ جائیں۔ لیکن وُہ اس دولت سے عیش نہیں اُڑا سکتا۔ ہر مُسلم اللہ کا ٹرسٹی یا خزانچی ہے۔ یعنی فالتو دولت کا محافظ و نگران۔ وُہ اسے صرف شرعی مصارف میں صرف کر سکتا ہے۔ اگر وُہ ایسا نہ کرے تو اُسے جمع دولت، اِسراف اور خیانت کا مجرم سمجھا جائے گا۔

وَالَّذِينَ يَكْنِزُونَ الذَّهَبَ	(جو لوگ سیم و زر جمع
وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُونَهَا	کرتے ہیں، اور اللہ کی
فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَبَشِّرْهُم	راہوں میں خرچ نہیں کرتے
بِعَذَابٍ أَلِيمٍ۔	انھیں خوفناک عذاب کی
(توبہ - ۳۴)	بشارت سُنا دو)

ہم نے اِس خوفناک عذاب کے کچھ مناظر اپنی آنکھ سے دیکھے ہیں۔ ۱۹۱۷ء میں رُوس کے کچلے ہوئے عوام بَل کھا کر اُبھرے اور انھوں نے اڑھائی کروڑ زمینداروں، اور سرمایہ داروں کو ذبح کر ڈالا۔ ۱۹۵۰ء میں ستر کروڑ چینی جاگے اور سنگ دِل

سرمایہ داروں کا خاتمہ کر دیا۔ چند اور ممالک بھی ہیں۔ جہاں آج عوام کی حکومت ہے۔ مثلاً: یورپ میں رومانیہ۔ ہنگری۔ سرویہ۔ پولینڈ۔ چیکوسلوواکیہ۔ یوگوسلاویہ۔ البانیہ وغیرہ اور مشرق بعید میں جنوبی کوریا۔ ویٹ نام اور کمبوڈیا۔

تاریخ بتاتی ہے، کہ حکومت ہر زمانے میں سرمایہ داروں کے پاس رہی۔ اور یہ عوام کو سو طریقوں سے اُلّو بناتے رہے۔ کبھی مذہب و جمہوریت کا نام لے کر۔ کبھی سبز باغ دکھا کر اور کبھی کسی خیالی حملہ آور سے ڈرا کر۔

گو ان کی لغات میں لفظِ جمہوریت کی ایک خوشکن تفسیر دی ہوئی ہے۔ یعنی "عوام پر عوام کی خاطر عوام کی حکومت"۔ لیکن عملاً آپ کسی عام آدمی کو نہ تو ان کی اسمبلیوں میں پائیں گے۔ نہ وزارتوں میں۔ نظامِ ملک جمہوری ہو یا صدارتی یا آمرانہ۔ حکومت پر سرمایہ دار ہی کا قبضہ ہوگا۔ الیکشن یہی جیتے گا۔ قانون یہی بنائے گا۔ پولیس۔ فوج اور عدالتیں اسی کے مفاد کا تحفظ کریں گی۔ رہے عوام، تو اُن سے یہ مزدور، کسان، بیرے، خانسامے اور خاکروب کا کام لے گا۔

اسلام نے اس صورتِ حال کا مداوا یہ کیا کہ سرمایہ داری کو ختم کرنے کے لیے دولت جمع کرنے والوں پر بار بار لعنت بھیجی۔

وَيْلٌ لِّكُلِّ هُمَزَةٍ لُّمَزَةِ نِ الَّذِي جَمَعَ مَالًا وَّعَدَّدَهُ۔	(اُس عیب جو و بدگو پر لعنت جو مال جمع کرتا اور اُسے گن گن کر رکھتا ہے)

(همزہ - ۱-۲)

نیز نائبِ رسُول کو حکم دیا کہ ان اُمراء سے اس حد تک صدقہ لو کہ اسراف و عیاشی کے تمام امکانات ختم ہو جائیں، اور یہ گناہ سے بچ جائیں۔

خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ ان کی دولت سے

لکھا ہے، کہ حضور صلعم نے حضرت بلالؓ کو کچھ زمین عنایت فرمائی تھی۔ جب فاروق اعظمؓ کا زمانہ آیا۔ تو آپ نے حضرت بلالؓ سے زمین کا وہ حصّہ لے لیا۔ جس میں وُہ کاشت نہیں کر سکتے تھے۔

نیز ابُوسعید خدری اِس حدیث کے راوی ہیں کہ جس شخص کے پاس فالتو سواری، یا فالتو روزی ہو، تو وُہ نادار کو دے دے۔

(المحلیٰ - ابن حزم - ج ۶، صہ ۱۵۸)

سرمایہ دارو! اگر تم اللہ سے نہیں ڈرتے، اور نہ قومی مفاد کی پرواہ کرتے ہو۔ تو اُن طوفانوں ہی کی فکر کرو۔ جو کروڑوں عوام کے سینوں میں پرورش پا رہے ہیں۔

عوام کی حفاظت صرف وُہی خلیفہ کر سکتا ہے، جو عوام میں سے ہو۔ یہی وجہ ہے، کہ حضور صلعم کے تیار کردہ جماعت نے علیؓ و عمرؓ جیسے فقراء کو خلیفہ منتخب کیا تھا۔ یہ کھدّڑ پہننے والے، ستو کھانے والے اور خاک پہ سونے والے خلفاء وُہ مثالی فرماں روا ہیں، کہ دُنیا کا کوئی ادر نظام اِن کی نظیر پیدا نہیں کر سکا۔ یہی ہمارے نمونے اور رہماری منزلیں ہیں۔

پاکستان ہو یا عربستان۔ مصر ہو یا عراق و شام۔ ہم مسندِ اقتدار پہ اِسی قسم کے بے غرض۔ خاک نشین۔ خدا مست اور اِنسان دوست خُلفا دیکھنا چاہتے ہیں۔ جن کا مقصد اِنسان کی خِدمت اور صحیح راہبری ہو۔ نہ کہ زر اندوزی۔ خود پرستی و بدمستی۔

رہ و رسمِ فرماں روایاں شناسم
خراں بر سرِ بام و یوسف بہ چاہے (اقبال)

فلسفۂ حج:

حج صرف اُن لوگوں پہ فرض ہے۔ جو حرم تک جانے آنے کے مصارف برداشت کر سکتے ہوں۔ اِس کے کئی فوائد ہیں:-

ا : بیتُ اللہ میں دُنیا کے لاکھوں مُسلمانوں سے ملنے، اُن سے تعلقات پیدا کرنے اور اُن کے مسائل کو سمجھنے کا موقعہ ملتا ہے۔

ب : مسلمانوں کو کئی چیزوں نے متحد کر رکھا ہے۔ مثلاً: ایک دین۔ ایک خدا۔ ایک رسُول۔ ایک قبلہ۔ اِن میں حج بھی شامل ہے۔ یہ مُسلمانوں کا سالانہ میلہ ہے۔ جہاں لاکھوں اِنسان جمع ہو کر اللہ کی حمد و ثنا کرتے۔ قُربانیاں دیتے اور اللہ کے گھر کا پروانہ وار طواف کرتے ہیں۔

ج : یہی وہ دربار ہے، جہاں شاہ و گدا۔ دو اَن سِلی چادروں میں ملبوس ہو کر ہر سال اِس حقیقت کا عملی مظاہرہ کرتے ہیں، کہ اِسلام رنگ و نسب کے اِمتیاز سے پاک ہے اور قانُون کی نگاہ میں سب اِنسان برابر ہیں۔

د : اِنسانیت کے سب سے بڑے مُحسن انبیاء ہیں، پھر اولیا، اور بعد ازاں علما و فلاسفہ۔ انبیاء نے اِنسانیت کو تباہی سے بچانے کے لیے بڑی سے بڑی قربانی دی تھی۔ کوئی آگ میں جلا، کوئی پھانسی چڑھا اور کوئی آرے سے چیرا گیا۔ لیکن اِن بلند عزم اِنسانوں کے قدم ایک لمحے کے لیے بھی متزلزل نہ ہُوئے۔ اِن کی ایمان افروز داستانوں میں سے کچھ اوراقِ تاریخ میں محفوظ ہیں، اور کچھ ارضِ مُقدس میں بکھری پڑی ہیں۔ اِنسان زبانی یا تحریری کہانیوں سے اِتنا متاثر نہیں ہوتا۔ جتنا اُن مقامات سے۔ جہاں بڑے لوگوں کے نقوشِ قدم محفوظ ہوں۔ جب ایک زائر اُس مُقدس پتھر کو دیکھتا ہے، جس پر چڑھ کر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دیوارِ حرم کو بلند کیا تھا۔ اُس چشمے پر نظر ڈالتا ہے۔ جو حضرت اسماعیل علیہ السلام کی ایڑیاں رگڑنے سے پھوٹ نکلا تھا۔ اُس مقام سے گزرتا ہے۔ جہاں باپ نے بیٹے کو قُربان کرنا چاہا تھا۔ اُن گلیوں میں گھومتا ہے۔ جہاں حضور صلعم نے باون برس گزارے تھے۔ تو اُس کا دِل وجد و مستی سے جھُوم اُٹھتا ہے اور اُس کی رُوح سے

پگھلا کر اِک نئے سانچے میں ڈھال دیا جائے۔ بارہا ایسا ہُوا کہ ایک آدمی کوئی شعر یا آیت سُن کر یک دم بدل گیا اور رِند سے ولی بن گیا۔ لوگ علماء اولیاء کی قبور پہ کیوں جاتے ہیں؟ اُن کے کارناموں کی یاد تازہ کرنے اور اپنی رُوح کو بیدار کرنے کے لیے۔ آپ شاید مجھ سے اتفاق کریں گے کہ آثارِ مقدسہ کے عظیم عجائب گھر دو ہی ہیں۔ بیت اللہ اور بیتُ المقدس۔ یہ وُہ مقامات ہیں جہاں جبینِ ہر ذرّہ کِسی کے نشانِ پا سے روشن ہے۔ ہر کنکر بڑے بڑے اِنقلابات کی داستان سُنا رہا ہے اور فضا میں بدستور وُہ گیت گُونج رہے ہیں۔ جو کبھی داؤدؑ داسمٰعیلؑ نے گائے تھے اور جنھیں صرف رُوح سُن سکتی ہے۔

نغمہ وُہی ہے نغمہ، کہ جس کو
رُوح سُنائے اور رُوح سُنائے (جگر۔ مُراد آبادی)

اللہ کی ضیافت :

جب زائرین حرم مِنیٰ میں پہنچتے ہیں تو تکمیلِ حج پر اللہ کا شکر ادا کرتے ہیں۔ پھر حجامت کراتے، نہاتے اور کپڑے بدل کر حضورِ یزداں میں قربانی پیش کرتے ہیں۔ اُس روز ساری دُنیائے اسلام قُربانی دیتی ہے۔ تمام غُربا و مساکین گوشت کھاتے ہیں۔ ہڈیوں اور لوتھڑوں سے بلّیاں۔ کُتّے۔ گیدڑ اور کوّے تک پیٹ بھرتے ہیں۔ اِس بے مثال تقریب کو "اللہ کی ضیافت" نہ کہیں۔ تو کیا کہیں۔

باب ۳

کیا قرآن اللہ کا کلام ہے؟

چونکہ عصرِ رواں کا مذہب لذت پرستی ہے۔ اور قرآن اس چیز سے روکتا ہے۔ اس لیے دُنیا کے تمام عیاش قرآن کے خلاف مصروفِ سازش ہیں۔ کوئی اسے رسُول کی تصنیف بتا رہا ہے۔ کوئی اسے قدیم عرب معاشرے کے لیے مخصوص سمجھتا ہے اور کوئی اس کے فیصلوں میں تبدیلی کا قائل ہے۔ آیئے ذرا دیکھیں۔ کہ حقیقت کیا ہے؟

قرآن کس کی تصنیف ہے؟ :

خود حضور صلعم کے زمانے میں بھی ایک ایسا طبقہ موجود تھا۔ جو قرآن کو رسُول کی تصنیف سمجھتا تھا۔

وَلَقَدْ نَعْلَمُ أَنَّهُمْ يَقُولُونَ إِنَّمَا يُعَلِّمُهُ بَشَرٌ۔ (نحل - ۱۰۳)	(ہمیں اُن کے اس قول (الزام) کا علم ہے کہ رسُول کو ایک آدمی سب کچھ پڑھاتا ہے)

اللہ نے اس الزام کی کئی طرح تردید کی ہے :-

اوّل :-

لِسَانُ الَّذِی	(یہ لوگ جس آدمی کو

يُلْحِدُونَ إِلَيْهِ
أَعْجَمِيٌّ وَهٰذَا لِسَانٌ
عَرَبِيٌّ مُبِينٌ ۔
(نحل - ۱۰۳)

قرآن کا مصنف (اور رسول
کا معلم) بتاتے ہیں۔ وہ تو
عجمی ہے۔ اور یہ کتاب فصیح
عربی زبان میں ہے)

اگر ایسا کوئی معلم وہاں ہوتا۔ تو چار لاکھ صحابہؓ میں سے کسی ایک کو تو نظر آتا۔ کیا وہ خدیجۃ الکبریٰؓ، علی المرتضیٰؓ، صدیق اکبرؓ اور حضرت انسؓ کی نگاہ سے، جو سائے کی طرح حضورؐ صلعم کے ساتھ رہتے تھے، نہاں رہ سکتا تھا؟ اگر وہ کسی کو نظر آجاتا۔ تو کیا اُس کا ایمان متزلزل نہ ہو جاتا؟ آپ کی ذات سے آخری دم تک لاکھوں صحابہ کی بے پناہ عقیدت اس حقیقت پر ایک ناقابلِ تردید شہادت ہے کہ حضورؐ صلعم کا معلم آسمانوں میں تھا۔

عَلَّمَهٗ شَدِيْدُ الْقُوٰى ۔ (نجم)
(اُس کا معلم ایک طاقت ور فرشتہ تھا)

دوم :-

وَمَا كُنْتَ تَتْلُوْا
مِنْ قَبْلِهٖ مِنْ
كِتَابٍ وَّلَا تَخُطُّهٗ
بِيَمِيْنِكَ إِذًا لَّا
رْتَابَ الْمُبْطِلُوْنَ ۔
(عنکبوت - ۴۸)

(تم اس سے پہلے نہ
پڑھ سکتے تھے اور نہ کچھ
لکھ سکتے تھے۔ اگر ایسا ہوتا
تو یہ حق کے منکر تم پر
شبہ کرتے (کہ قرآن کے
مصنف تم خود ہو))

ظاہر ہے کہ جو شخص نوشت و خواند سے بے بہرہ ہو۔ وہ ایک ایسی کتاب کا مصنف نہیں ہو سکتا۔ جس کی حکمت و دانش لاجواب۔ قوانین ابدی و لافانی، اور

ہدایات فطرتِ انسانی کے عین مطابق ہیں۔ پھر اعجازِ زبان کا یہ عالم کہ سارے جہان کے ادیب اور فلسفی مل کر اُس کے اسلوب میں ایک جُملہ تک نہ لکھ سکیں۔

كِتَابٌ أُحْكِمَتْ آيَاتُهُ ثُمَّ فُصِّلَتْ مِن لَّدُنْ حَكِيمٍ خَبِيرٍ۔ (یُونس - ۱)

(قرآن ایک ایسی کتاب ہے جس کی ہدایات محکم (غیر متبدل۔ ابدی) ہیں۔ اور جس کی تفسیر (عمل رسُول یا نظامِ کائنات کی صُورت میں) خود اللہ نے مہیّا کی ہے)

سوم :-

فَقَدْ لَبِثْتُ فِيكُمْ عُمُراً أَفَلَا تَعْقِلُونَ۔ (یُونس - ۱۶)

(میں تمھارے ہاں برسوں سے رہتا ہوں۔ (تم میری دیانت و صداقت سے آگاہ ہو۔ تو پھر میرے دعوئے رسالت پہ شک کیوں؟) کچھ تو سوچو)

قرآن کے الہامی ہونے پر چند دلائل :

عام مُشاہدہ یہی ہے۔ کہ ایک اَن پڑھ دیہاتی جو علم کے تمام وسائل، مثلاً: مدرسہ۔ ریڈیو۔ سینما۔ اخبار اور تعلیم یافتہ افراد کی صحبت سے قطعاً محروم ہو۔ آخر عمر تک اکھڑ۔ بے تمیز۔ آدابِ نشست و برخاست سے ناواقف، حُسنِ کلام سے ناآشنا اور انسانیتِ عالیہ سے بے خبر رہتا ہے۔ وُہ حدِ نظر سے آگے کچھ نہیں

دیکھ سکتا، اور نہ حیات کے باطن میں جھانک سکتا ہے۔ زندگی کیا ہے؟ کہاں جارہی ہے؟ خالقِ کائنات کہاں ہے؟ زندگی کی معنوی بلندیاں کون سی ہیں اور وہاں تک پہنچنے کا راستہ کیا ہے؟ خیر و شر کسے کہتے ہیں؟ اور سعادت و شقاوت کی حقیقت کیا ہے؟ وُہ اِن مسائل کا تصوّر تک نہیں کر سکتا۔ اِس کُلیّہ سے صرف ایک ہستی مُستثنیٰ ہے اور وُہ ہے حضور صلعم کی ذاتِ گرامی۔ آپؐ نے اُمّی ہونے کے باوجُود ایک ایسی کتاب دُنیا کے سامنے پیش کی :

ا : جس کے سیاسی، منزلی، اخلاقی اور رُوحانی ضوابط ابدی و غیر متبدّل ہیں اور ہر زمانے کے مُعاشرے کو راس آتے ہیں۔

ب : جو اِنسانی ضمیر اور فِطرت کے عَین مُطابق ہیں۔ اِنسانی ضمیر سے ہر وقت ایک خاموش آواز اُٹھتی رہتی ہے، جو نیکی کو اچھا اور بدی کو بُرا کہتی ہے۔ قرآن کی کوئی ہدایت اِس آواز کے خلاف نہیں۔

ج : اس میں بلا کی متانت۔ تمکنت اور توانائی ہے۔ یہ مُبالغہ دعُریانی سے عاری اور حشو و زوائد سے پاک ہے۔ اس کی ہدایات کا نتیجہ عظمت۔ تقدّس۔ بلندی اور دوام ہے۔ کوئی حُکم مسلّمہ اقدارِ اِنسانیّت کے خلاف نہیں اور نہ کوئی بات انبیائے گزشتہ کی وحی سے مُتصادِم ہوتی ہے۔

د : گو آپؐ عِبرانی و یُونانی سے ناواقف تھے۔ تاہم آپؐ نے بار بار تورات (عبرانی) و انجیل (یُونانی) کا حوالہ دیا۔ اُن کی تصدیق کی، اور اُن کی تعلیمات کو بطورِ شہادت پیش کیا۔

ہ : قرآن کی زبان معجزانہ ہے۔ اِنسانی دسترس سے بالاتر۔ خُود حضُورِ پُر نُور کی زبانِ مُبارک سے لاکھوں جُملے نِکلے تھے۔ جو کُتبِ احادیث میں محفُوظ ہیں۔ لیکن بلحاظِ فصاحت کوئی حدیث قُرآن کی ہم پایہ نہیں۔ حریری۔ ہمدانی اور

مَعَرّی جیسے ہزاروں ادیبوں نے سر پٹکا۔ لیکن قرآن کے انداز (سٹائل) میں ایک جُملہ تک نہ لکھ سکے۔ یہ قرآن کے بے مثال آہنگ اور مسحُور کُن ترنُّم ہی کا نتیجہ تھا۔ کہ عُمرؓ بن خطابؓ جیسے بیسیوں فصیح و بلیغ عرب چند آیات سُن کر رسُولؐ کے قدموں پر گر پڑے تھے۔ اور نجاشی (شاہِ حبشہ) کی ڈاڑھی آنسوؤں سے بھیگ گئی تھی۔ اگر قرآن کو کلامِ رسُولؐ سمجھا جائے تو سوال پیدا ہوگا کہ حضور صلعم نزولِ وحی سے پہلے بھی باتیں کیا کرتے تھے۔ کیا وجہ ہے کہ چالیس سال کی طویل مدت میں آپؐ کے مُنہ سے ایک بھی ایسا جُملہ نہ نِکلا، جو قرآن کے انداز میں ہو — ؟

و : شروع ہی سے حضور صلعم کا یہ دستُور تھا۔ کہ جب کوئی آیت نازل ہوتی۔ تو آپؐ کاتبِ وحی کو حُکم دیتے، کہ اِسے لِکھ کر فُلاں سُورہ میں فُلاں آیت کے پیچھے رکھ دو۔ اُس وقت کون کہہ سکتا تھا۔ کہ اَن مُتفرق آیات سے، جنھیں مُختلف عنوانات کے تحت رکھا جا رہا تھا۔ تیئس برس کے بعد مطالِب۔ ترنُّم۔ اسلُوب، اور آہنگ کے لحاظ سے ایک ایسی مربُوط۔ فلسفیانہ اور مکمل کتاب تیار ہوگی۔ جس کے سامنے دُنیا کے کروڑوں اِنسانوں کی گردنیں جُھک جائیں گی۔

ز : اِس کتاب میں کِسی قوم کو نسل، رنگ، جُغرافیہ کی بنا پر فوقیت نہیں دی گئی۔ بلکہ عِلم و تقویٰ کو مُعیارِ عظمت قرار دیا گیا ہے۔ نسل و جُغرافیہ کے روابط سے بُلند ہوکر رُوحانی اقدار کو مدارِ اِنسانیّت بنانا، یا تو اللہ کا کام ہوسکتا ہے۔ یا اُس عظیم اِنسان کا، جو اللہ کی بات سُنا رہا ہو۔

یہ تمام باتیں ایک ہی حقیقت کی طرف اشارہ کرتی ہیں کہ یہ کتاب زمینی نہیں آسمانی ہے۔

داخلی شہادت :

ہر مصنف کی کوشش یہی ہوتی ہے۔ کہ وہ اپنی کتاب میں اپنی لغزشوں کا ذکر نہ کرے۔ تاکہ لوگ اُس سے بدظن نہ ہو جائیں۔ اس سلسلے میں ایک مُصلح کو اور زیادہ احتیاط سے کام لینا پڑتا ہے کیوں کہ لوگ اُس کے کردار کو بھی دیکھتے ہیں اور گفتار کو بھی۔ قرآنِ حکیم میں حضور صلعم کے متعلق چند ایسے واقعات درج ہیں۔ کہ اگر قرآن حضور کی تصنیف ہوتا۔ تو آپ اِن کے ذکر سے لازماً اجتناب فرماتے۔

چند مثالیں حاضر ہیں :

۱ : اکثر تفاسیر میں یہ واقعہ درج ہے۔ کہ ایک مرتبہ رسُولِ اکرم صلعم چند اکابرِ قریش سے باتیں کر رہے تھے کہ وہاں ایک اندھا صحابی (ابن مکتُوم) جا پہنچا۔ اُس نے چند سوالات پُوچھے۔ لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے توجّہ نہ فرمائی۔ اس پر یہ آیات نازل ہوئیں :

عَبَسَ وَ تَوَلّٰی ۔	(جب رسُولؐ کی محفل میں
اَنْ جَاءَهُ الْاَعْمٰی ۔	ایک اندھا آیا۔ تو اُس نے ماتھے
وَمَا يُدْرِيْكَ لَعَلَّهٗ	پر بل ڈال لیے اور منُھ پھیر لیا۔
يَزَّكّٰی ۔ اَوْ يَذَّكَّرُ	تمھیں کیا معلوم کہ شاید وُہ مزید
فَتَنْفَعَهُ الذِّكْرٰی ۔	سُدھر جاتا، اور تمھاری نصیحت
اَمَّا مَنِ اسْتَغْنٰی ۔	سے فائدہ اُٹھاتا۔ دُوسری طرف
فَاَنْتَ لَهٗ تَصَدّٰی ۔	جو شخص تم سے بے نیازی کرتا ہے
وَمَا عَلَيْكَ اَلَّا يَزَّكّٰی ۔	تُم اُس کی طرف زیادہ توجّہ دیتے ہو
وَ اَمَّا مَنْ جَاءَكَ	حالاں کہ تُم جانتے ہو۔ کہ اگر وُہ

يَسْعٰى وَ هُوَ يَخْشٰى ۔
فَاَنْتَ عَنْهُ تَلَهّٰى ۔
(عَبَسَ ۱-۱۰)

ہدایت حاصل نہ کرے۔ تو تم اُن
سے باز پُرس نہیں کریں گے ۔
(یہ عجیب بات ہے کہ) کہ جو خدا ترس
تُمھارے ہاں دوڑتا ہُوا آتا ہے ۔
تم اُس کی پرواہ تک نہیں کرتے)

جس قرآن میں حضورؐ کو شاہد ۔ مُبَشِّر ۔ سراجِ مُنیر ۔ رحمتِ کائنات ، اور خُلقِ عظیم کا حامل کہا گیا ہے ۔ اگر وُہ حضور صلعم کی تصنیف ہوتا ۔ تو اُس میں یہ واقعہ کبھی بیان نہ ہوتا ۔

۲ : تاریخ میں درج ہے ۔ کہ اسیرانِ بدر کے مُتعلّق حضرت عُمرؓ اور بعض دیگر صحابہ کا مشورہ یہ تھا ۔ کہ اُنھیں قتل کر دیا جائے ۔ لیکن حضور صلعم نے اُنھیں فدیہ لے کر رہا کر دیا ۔ اِس پر یہ آیات نازِل ہُوئیں :

مَا كَانَ لِنَبِيٍّ ۔
اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗ اَسْرٰى ۔
حَتّٰى يُثْخِنَ فِى الْاَرْضِ ۔
تُرِيْدُوْنَ عَرَضَ الدُّنْيَا ۔
وَاللّٰهُ يُرِيْدُ الْاٰخِرَةَ ۔
وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۔
لَوْلَا كِتٰبٌ مِّنَ اللّٰهِ
سَبَقَ لَمَسَّكُمْ فِيْمَا
اَخَذْتُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۔
(الانفال ۔ ۶۷ - ۶۸)

(نبیؐ کے لیے یہ مُناسب
نہ تھا ۔ کہ وُہ شدید جنگ (اور ضِدّی
کُفّار کی خُوں ریزی) کے بغیر
قیدیوں کو پاس رکھتا ۔ تُم مالِ دُنیا
چاہتے ہو ۔ اور عزیز و حکیم رب کی
نظر انجام پر ہے ۔ اگر پہلے
سے طے شُدہ مصلحتیں حائل نہ
ہوتیں ، تو ہم تمھیں فدیہ لینے پر
خوفناک سزا دیتے ۔)

یہ کیسے ممکن ہے۔ کہ جس نبیؐ نے فِدیہ لے کر قیدیوں کو رہا کر دیا تھا۔ وُہ چند روز بعد اپنے اِس اِقدام کو ہدفِ تنقید بناتا۔ اپنے آپ پر دُنیا طلبی کا اِلزام لگاتا۔ اور خُود کو عذابِ عظیم کا سزاوار ٹھہراتا۔ صاف معلوم ہوتا ہے۔ کہ یہ کلام رسُولؐ کا نہیں۔

۳ : آیاتِ ذیل سے یہ شُبہ ہوتا ہے۔ کہ شاید حضور صلعم کو کسی وقت کُفّار کی دِلداری کا بھی خیال آیا تھا۔ اکثر تفاسیر[1] میں عبداللہؓ بن عبّاسؓ اور سعیدؓ بن جُبیر کی یہ روایت منقُول ہے۔ کہ ایک مرتبہ کُفّارِ مکّہ نے حضورِ صلعم سے کہا۔ کہ جس طرح حجرِ اسود ایک پتھر ہے۔ اسی طرح ہمارے بُت بھی پتھر ہیں۔ آپ حجرِ اسود کو چھُونا تو جائز سمجھتے ہیں۔ اور ہمارے اصنام سے نفرت کرتے ہیں۔ ہم آئندہ آپ کو صرف اِسی صُورت میں حجرِ اسود کے قریب جانے کی اِجازت دیں گے۔ کہ آپ پہلے ہمارے بُتوں کو بھی، جو حَرَم میں رکھے ہیں، مَس کریں۔ آپ اِس مسئلے پر سوچ ہی رہے تھے کہ آیاتِ ذیل نازل ہُوئیں :

وَ اِنْ كَادُوْا	(قریب تھا کہ کُفّار تُمھیں
لَيَفْتِنُوْنَكَ عَنِ الَّذِیْ	ہماری وحی سے بہکا کر آمادۂِ افترا
اَوْحَيْنَا اِلَيْكَ	کر لیتے۔ اور اپنا دوست بنا لیتے
لِتَفْتَرِیَ عَلَيْنَا غَيْرَهٗ	اگر ہم تُمھیں ثابت قدم نہ
وَاِذًا لَّاتَّخَذُوْكَ خَلِيْلًا۔	رکھتے۔ تو ممکن تھا۔ کہ تُم اُن کی
وَلَوْلَا اَنْ ثَبَّتْنٰكَ	طرف قدرے جُھک جاتے۔
لَقَدْ كِدْتَّ تَرْكَنُ اِلَيْهِمْ	اُس صُورت میں ہم تُم کو
شَيْئًا قَلِيْلًا۔ اِذًا	دُنیا و آخرت میں دُگنا
لَّاَذَقْنٰكَ ضِعْفَ الْحَيٰوةِ	عذاب دیتے۔ اور کوئی

---

[1] : خازن۔ سیوطی۔ ابن ابی حاتم وغیرہ۔

وَمِنعفَ الممَاۃِ ثُمَّ لا تجِدُ لَکَ عَلَینَا نَصِیراً ۔	شخص تمھاری مدد نہ کر سکتا۔

(بنی اسرائیل - ۴، ۷۵)

مسلمانانِ عالم کو حضورؐ کی ذات سے اِس قدر عقیدت ہے ۔ کہ اگر یہ آیاتِ قرآن میں نہ ہوتیں ۔ تو اِس واقعہ کو کوئی مسلمان تسلیم نہ کرتا۔

۴ : خازن - ابنِ کثیر - سُنَن ابنِ ماجہ ۔ نسائی اور صحیح مُسلِم میں مذکور ہے کہ ایک مرتبہ چند اکابرِ قریش مثلاً : حارث بن نوفل، عتبہؓ بن ربیعہ وغیرہ نے حضورؐ صلعم سے کہا ۔ کہ آپ عمّار بن یاسر اور بلال جیسے کم مایہ لوگوں کو پاس نہ بیٹھنے دیں ۔ تاکہ ہم بھی آپ کے ہاں آ جا سکیں ۔ حضورؐ اِس تجویز کے حُسن و قبح پہ سوچ ہی رہے تھے ۔ کہ یہ آیت نازل ہوئی :

وَلا تَطرُدِ الَّذِینَ یَدعُونَ رَبَّھُم بِالغَداۃِ وَالعَشِیِّ یُرِیدُونَ وَجھَہٗ ما عَلَیکَ مِن حِسَابِھِم مِن شَیئٍ وَ مَا مِن حِسَابِکَ عَلَیھِم مِن شَیئٍ فَتَطرُدَھُم فَتَکُونَ مِنَ الظّالِمِینَ ۔	(جو لوگ صبح و شام اللہ کی خاطر اللہ کا ذکر کرتے ہیں ۔ اُنھیں اپنے ہاں سے مت نکالو ۔ تُم اُن کے اعمال کے ذمّہ دار نہیں اور نہ وُہ تمھارے اعمال کے جواب دہ ہیں ۔ اگر تم نے اِنھیں نکال دیا ۔ تو ظالموں میں شمار ہو گے)

(انعام - ۵۲)

رسُولِ اکرمؐ کو یہ دھمکی کون دے رہا ہے ؟ ظاہر ہے کہ خُدا ۔ اسی وضع کی

ایک اور آیت ملاحظہ فرمایئے :

وَ اِنْ کَانَ کَبُرَ عَلَیْکَ اِعْرَاضُهُمْ فَاِنِ اسْتَطَعْتَ اَنْ تَبْتَغِیَ نَفَقًا فِی الْاَرْضِ اَوْ سُلَّمًا فِی السَّمَاءِ فَتَاْتِیَهُمْ بِاٰیَةٍ وَلَوْ شَاءَ اللّٰهُ لَجَمَعَهُمْ عَلَی الْهُدٰی فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْجَاهِلِیْنَ۔ (انعام - ۳۵)	(اگر تم پر اُن کی نافرمانی گراں گزرتی ہے (اور انھیں مسلمان بنانے کے لیے کوئی معجزہ چاہتے ہو) تو زمین میں سرنگ کھود دو۔ یا زینہ لگا کر آسمان پہ چڑھ جاؤ، اور وہاں سے کوئی معجزہ ڈھونڈ لاؤ - اگر اللہ چاہتا۔ تو اِنھیں اِسلام لانے پر مجبور کر دیتا (لیکن ہم مذہب کی خاطر جبر نہیں کرتے۔ اِس لیے تم اِصرار مت کرو) اور جاہل مت بنو۔)

کتنی بڑی ڈانٹ ہے کہ " جاہل مت بنو۔ " ڈانٹنے والا کون ہے؟
——— اللہ ———!

۵ : کیا کوئی ریفارمر اپنے متعلق یہ کہہ سکتا ہے کہ لوگ اُس کی دیانت داری پہ شُبہ کرتے ہیں؛ لیکن قرآن میں ایسی ایک آیت بھی موجود ہے :

وَ مِنْهُمْ مَنْ یَّلْمِزُكَ فِی الصَّدَقَاتِ۔ (توبہ - ۵۸)	(اِن میں سے بعض تم پر تقسیم صدقات کے سِلسلے میں اِلزام لگاتے ہیں)

۶ : کفار بار بار یہ کہتے تھے۔ کہ ہم رسُول پر اُسی صُورت میں اِیمان دیں گے

کہ اُس پر آسمان سے کوئی خزانہ نازل ہو۔ یا اُس کے ہمراہ کوئی فرشتہ نظر آئے۔ جب یہ نامعقول مطالبہ حضور صلعم کے لیے باعثِ اذیت بن گیا۔ تو یہ آیت نازل ہوئی :

فَلَعَلَّكَ تَارِكٌ بَعْضَ	(تم شاید اُن کے اِس
مَا يُوحَىٰ إِلَيْكَ وَضَائِقٌ	مطالبہ سے، کہ تم پر کیوں
بِهِ صَدْرُكَ أَنْ	خزانہ نازل نہیں ہوتا، یا تمھارے
يَقُولُوا لَوْلَا أُنزِلَ	ہمراہ کیوں کوئی فرشتہ نظر
عَلَيْهِ كَنزٌ أَوْ جَاءَ	نہیں آتا۔ دِل تنگ ہو کر وحی
مَعَهُ مَلَكٌ إِنَّمَا	کا کچھ حصّہ چھوڑنے لگے ہو۔
أَنتَ نَذِيرٌ۔	مت چھوڑو۔ کہ تم صرف نذیر ہو)

(هُود - ۱۲)

اِس قسم کی چند اور آیات بھی قرآن میں موجود ہیں۔ جنھیں رسُول صلعم کی طرف منسوب نہیں کیا جا سکتا۔ کیا کوئی معقول و مہذب آدمی اپنے آپ کو گردن کش رُو، ظالم اور جاہل کہہ سکتا ہے؟ صاف معلوم ہوتا ہے کہ قائل کوئی اور ہے اور رسُول محض مخاطب۔

عِلمی شہادت :

حضور صلعم کے زمانے میں علم تھا ہی نہیں۔ نہ یورپ میں نہ ایشیا میں۔ گو سات آٹھ سو سال پہلے چند یُونانیوں نے طِب۔ فلسفہ۔ نجوم۔ ابتدائی ریاضی اور منطق پر کچھ کتابیں لکھی تھیں۔ لیکن وہ صدیوں سے یُونان کے تہ خانوں میں بند پڑی تھیں، اور کوئی اُن سے واقف نہ تھا۔ خُدا۔ کائنات۔ حیات۔ موت۔ رُوح اور عقل پر

یونانیوں نے کچھ نہ کچھ لکھا ضرور تھا۔ لیکن اُن کی نگارشات کا تعلق حقیقت سے بہت کم تھا۔ وُہ مادہ کو قدیم، رُوح کو فانی، خدا کو صفات سے مُعرّا، اور صرف عقلِ اوّل کا خالق سمجھتے تھے۔ زمین کو مرکزِ کائنات اور آسمان کو بسیط قرار دیتے تھے۔ اُن کے ہاں حیات بعد الموت، کشش ارضی، انسان کی نیابتِ الٰہی۔ رسالت۔ ملائکہ۔ قوانینِ فطرت اور خیر و شر کا کوئی تصوّر موجود نہ تھا۔ اگر تھا بھی، تو ازبس ناقص۔

اُس تاریک زمانے میں اگر ایک اُمّی یہ اعلان کرتا ہے کہ زمین و آسمان کی تخلیق سے پہلے اُن کا تکوینی مادہ دُھوئیں کی طرح فضا میں اُڑ رہا تھا۔ زمین پر پہلے پانی نمودار ہُوا۔ مُدتوں اللہ کا تخت پانی پہ بچھا رہا۔ وَكَانَ عَرْشُهٗ عَلَى الْمَاءِ (هُود - ۷) پھر پانی سے حیات کا آغاز ہُوا۔ وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَاءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ۔ (ہم نے زندگی کا آغاز سمندر سے کیا۔ انبیاء - ۳۰) اور آج کے علمائے طبیعی ان دعاوی کی تصدیق کر دیتے ہیں۔ تو پھر ہم اس نتیجے پہ پہنچنے کے لیے مجبور ہیں کہ رسُول کا مُعلّم وہ حکیم و علیم رب تھا۔ جس سے کائنات کا کوئی راز نہاں نہیں۔

اِس موضوع پہ تفصیلی بحث تو علامہ طنطاوی مصری کی تفسیر (۲۵ - جلد) نیز اُن کی کتاب "القرآن والعلوم العصریۃ" اور میری تصنیف "دو قرآن" میں ملے گی یہاں چند اشارات پہ اکتفا کرتا ہوں۔

فرعون کی لاش :

قرآن اور تورات دونوں میں مذکور ہے۔ کہ جب حضرت مُوسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کے ہمراہ بحیرۂ قلزم پہ پہنچے۔ تو قلزم پھٹ گیا، اور آپ اپنی قوم سمیت پار نکل گئے۔ پیچھے فرعون بھی آ رہا تھا۔ جُوں ہی وُہ لشکر کے ساتھ دریا میں داخل ہُوا تو اُوپر سے پانی مل گیا، اور وُہ غرق ہو گیا۔ قرآن نے یہ کہانی بیان کرنے کے بعد ایک

پیش گوئی بھی کی تھی جو بائبل میں موجود نہیں اور وہ ہے :-

فَالْيَوْمَ نُنَجِّيكَ	(آج ہم تمھاری لاش کو
بِبَدَنِكَ لِتَكُونَ لِمَنْ	بچا لیں گے، تاکہ تم آنے والی
خَلْفَكَ آيَةً وَإِنَّ	نسلوں کے لیے ایک سبق بن جاؤ۔
كَثِيراً مِنَ النَّاسِ	اور حقیقت یہ ہے، کہ بہت
عَنْ آيَاتِنَا لَغَافِلُونَ۔	سے لوگ ہمارے اِن سبق آموز
(یونس - ۹۲)	نشانات سے بے خبر ہیں)

یہ آیت تیرہ سو برس تک ایک معمّہ بنی رہی۔ جب اِس صدی کے آغاز میں فرعونِ موسےٰ کی لاش کہیں سے برآمد ہوئی۔ تو آیت کا مفہوم واضح ہوگیا۔ یہ لاش مصر کے عجائب گھر میں رکھی ہے۔ اور اسے کروڑوں اِنسان دیکھ چکے ہیں۔ مَیں قرآن کو تصنیفِ رسُول سمجھنے والوں سے پُوچھتا ہوں، کہ رسُولؐ نے اِتنی بڑی پیش گوئی کس بِرتے پہ کی، اور وہ پُوری کیسے ہوگئی؟

آغازِ تخلیق :

ہزار ہا سال کی تلاش و تحقیق کے بعد عُلمائے مغرب نے اِعلان کیا ہے، کہ ارض و سما کی تخلیق سے پہلے فضا میں دُھواں ہی دُھواں تھا۔ پھر نہ جانے کیا ہُوا کہ اس دُھوئیں میں حرکت پیدا ہوگئی۔ لاتعداد چکر چلنے لگے، اور کروڑوں ستارے معرضِ وجُود میں آگئے۔ اِن میں زمین بھی شامل تھی۔ یہ پہلے سخت گرم تھی۔ ڈھیلی، اور پھیلی ہوئی۔ بعد میں ٹھنڈی ہوکر سُکڑنے لگی، اور آج تک سُکڑ رہی ہے :-

أَوَلَمْ يَرَوْا أَنَّا	(کیا وہ دیکھتے نہیں۔ کہ
نَأْتِي الْأَرْضَ نَنقُصُهَا	ہم زمین کو سُکیڑنے (اور

مِنْ اَطْرَافِھَا۔ (اُس کے جسم کو گھٹا تے جا رہے ہیں)

(رعد - ۴۰)

جب یہ ٹھنڈی ہو گئی۔ تو فضا کے بخارات پانی بن کر زمین پر برس پڑے اور سمندر تیار ہو گیا۔ پودے ذی حیات میں شمار ہوتے ہیں۔ پہلا پودا سمندر کے ساحل پہ پیدا ہُوا تھا۔ جب سُورج لاکھوں سال تک دَلدلوں پہ چمکتا رہا۔ تو وہاں ایک ایسا خورد بینی جرم پیدا ہو گیا۔ جو صرف ایک خلیے سے بنا تھا۔ اس کے بعد خلق میں عملِ ارتقا شروع ہُوا، اور طویل زمانوں کے بعد اِنسان نمودار ہُوا، جو سلسلۂ ارتقا کی آخری کڑی ہے۔

علمائے مغرب کے اِن انکشافات میں کہاں تک صداقت ہے؟ ہم نہیں جانتے۔ لیکن یہ دیکھ کر انتہائی حیرت ہوتی ہے، کہ اِن میں سے بعض کڑیوں کا ذکر قرآن میں بھی ملتا ہے۔ مثلاً :-

اَوَلَمْ یَرَی الَّذِیْنَ کَفَرُوْا اَنَّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ کَانَتَا رَتْقًا فَفَتَقْنٰھُمَا وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَآءِ کُلَّ شَیْءٍ حَیٍّ۔ (کیا یہ مُنکرینِ خُدا دیکھتے نہیں، کہ شروع میں ارض و سما کا ہیولیٰ ایک تھا۔ ہم نے اسے الگ الگ کیا، اور زندگی کا آغاز سمندر سے ہُوا)

(انبیا - ۳۰)

اِنَّا خَلَقْنٰھُمْ مِنْ طِیْنٍ لَّازِبٍ۔ (ہم نے انھیں لیس دار دَلدَل سے پیدا کیا)

(صافات - ۱۱)

خَلَقَکُمْ مِنْ (اللہ نے تمھیں ایک ایسے

نَفْسٍ وَّاحِدَۃٍ۔ (نساء ۔ ۱)	نفس (جاندار جرثومہ۔پاٹوزوآ) سے پیدا کیا ہے۔ جو ہر لحاظ سے ایک تھا۔ یعنی واحد الخلیہ)
ثُمَّ اسْتَوٰی اِلَی السَّمَاءِ وَهِیَ دُخَانٌ۔ (سجدہ ۔ ۱۱)	(پھر اللہ نے تخلیق سما کا ارادہ کیا اور فضا میں دُھواں ہی دُھواں تھا)
فَارْتَقِبْ یَوْمَ یَاْتِی السَّمَاءُ بِدُخَانٍ مُّبِیْنٍ۔ (دُخان ۔ ۲)	(اُس دن کا انتظار کرو جب کائنات (فنا ہونے کے بعد) دوبارہ دُھوئیں کی صُورت اختیار کرے گی)۔

حیرت ہے، کہ آج سے چودہ سو سال پہلے جب اِنسان اس قسم کے پیچیدہ علمی مسائل سے قطعاً نا آشنا تھا۔ ایک اَن پڑھ کو ان پر اظہارِ رائے کی ہمت کیسے ہوئی ؟ کیا اِنسان کی طویل تاریخ میں ایسا اَن پڑھ کہیں اور بھی نظر آتا ہے ؟ جس نے لاتعداد طبیعی، الٰہی۔ دینی۔ اخلاقی۔ سیاسی اور قانونی مسائل پر حتمی فیصلے دیے ہوں ؟ اور کوئی فیصلہ آج تک غلط نہ نکلا ہو۔ پچھلے زمانے کو چھوڑیے اور زمانۂ حاضر سے کوئی ایسا اُمّی ڈھونڈ لائیے، جو اِن مسائل پر سوچنے ہی کی اہلیت رکھتا ہو۔ یہ نہ ہو سکے تو کوئی ایم۔ اے یا ڈاکٹر ہی پیش کر دیجیے جو اِنسانی حیات و کائنات کے تمام پہلوؤں پر صاحبِ قرآن جیسی دانش و بصیرت کا مالک ہو ؟

ماپ۔ تول کا کمال :

کائنات کی ہر چیز ذرّاتِ برقیہ سے بنی۔ اِن میں سے کچھ مثبت (پروٹان) میں۔

اور کچھ منفی (الیکٹران) ۔ ان کا مجموعہ جوہر کہلاتا ہے۔ اِن منفیوں کی کمی بیشی سے مختلف اشیار تیار ہوتی ہیں۔ ہائیڈروجن کے جوہر میں ایک ۔ آکسیجن میں آٹھ اور کیلشیم میں بیس منفیے ہوتے ہیں۔ اگر ان میں سے ایک بھی کم ہو جائے تو چیز کی ماہیت بدل جاتی ہے۔ ایک کیمیا دان جب پارے کے زائد منفیوں کو اُڑا دیتا ہے، تو وُہ سونا بن جاتا ہے۔ ہائیڈروجن اور آکسیجن سے لاتعداد مرکب تیار ہوتے ہیں۔ سب کے سب زہر قاتل ۔ صرف ایک مرکب ایسا ہے جو پانی کی صُورت اختیار کرتا ہے۔

غور فرمایئے کہ اللہ اوزان و مقادیر کا کتنا بڑا عالم ہے۔ اور کمالِ صناعی دیکھیے۔ کہ اُس کی ہر تخلیق ہر لحاظ سے مکمل ہوتی ہے۔

اِنَّا كُلَّ شَيْءٍ خَلَقْنَاهُ بِقَدَرٍ۔ (ہم نے ہر چیز عام کی مُعیّن مِقدار سے پیدا کی ہے)

(قمر - ۴۹)

وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا عِنْدَنَا خَزَائِنُهٗ وَمَا نُنَزِّلُهٗ۔ (ہر چیز کے خزائن ہمارے پاس ہیں، اور ہم انھیں مُعیّن مِقدار میں نازل کرتے ہیں)

(حجر - ۲۱)

وَالْاَرْضَ مَدَدْنٰهَا وَاَلْقَيْنَا فِيْهَا رَوَاسِيَ وَاَنْۢبَتْنَا فِيْهَا مِنْ كُلِّ شَيْءٍ مَّوْزُوْنٍ۔ (ہم نے زمین بچھائی۔ اس پر پہاڑ ڈالے، اور ہر چیز تول تول کر پیدا کی)

(حجر - ۱۹)

اَلَا لَهُ الْحُكْمُ وَهُوَ اَسْرَعُ الْحَاسِبِيْنَ۔	(کائنات پر صرف اللہ کی حکومت ہے اور وہ حساب لگانے میں بڑا ماہر ہے)
(انعام - ۶۲)	

اقسام ذرّات :

ہم کہہ چکے ہیں کہ اشیائے کائنات کی ترکیب ذرات سے ہوئی تھی۔ علمائے تحقیق کے ہاں ان ذرات کی معروف قسمیں تین ہیں :- اوّل : منفیئے۔ دوم : جواہر، منفیوں سے مرکب۔ اور سوم : سالمات، جو جواہر سے بنتے ہیں۔ اگر آیۂ ذیل میں ذرّے سے مراد جوہر، اصغر سے منفیئے، اور اکبر سے سالمہ نہ لیا جائے، تو ساری آیت چیستان بن کر رہ جاتی ہے۔

وَمَا يَعْزُبُ عَنْ رَّبِّكَ مِنْ مِّثْقَالِ ذَرَّةٍ فِى الْاَرْضِ وَلَا فِى السَّمَآءِ وَلَآ اَصْغَرَ مِنْ ذٰلِكَ وَلَآ اَكْبَرَ اِلَّا فِىْ كِتَابٍ مُّبِيْنٍ۔	(تمہارے رب کی نگاہ سے زمین و آسمان کا کوئی ذرّہ (جوہر) ذرّے سے چھوٹا (منفیئے) اور بڑا (سالمہ) نہاں نہیں۔ ہر چیز ہماری واضح کتاب میں درج ہے۔)
(یونس - ۶۱)	

کیا یہ تمام حقائق، جنہیں علم نے ہزار ہا برس کی سعی و طلب کے بعد معلوم کیا ہے آج سے چودہ سو سال پہلے ایک اُمّی کی زبان سے نکل سکتے تھے ؟

* * *

نباتات میں نر۔ مادہ :

حیوانات کی طرح نباتات میں بھی نر و مادہ کا سلسلہ قائم ہے۔ طویل تجربات کے بعد علمائے مغرب نے یہ اعلان کیا ہے کہ پودے دو قسم کے ہوتے ہیں۔ نر اور مادہ —— نر پودوں کے پھولوں پر ایک غبار سا ہوتا ہے۔ غبارِ تولید۔ جسے انگریزی میں پولن (POLLEN) کہتے ہیں۔ جب شہد کی مکھیاں اور بھنورے نر پھول میں داخل ہوتے ہیں۔ تو اس غبار کا کچھ حصہ اُن کی ٹانگوں اور پروں سے چمٹ جاتا ہے۔ پھر جب یہ مادہ پھول میں گھستے ہیں، تو کچھ غبار وہیں چھوڑ آتے ہیں، اور اس طرح مادہ حاملہ ہو جاتی ہے۔ اگر حمل کا یہ سلسلہ بند ہو جائے تو کسی درخت کے ساتھ نہ پھل لگے نہ بیج۔

بعض درختوں کے ساتھ نر اور مادہ دونوں پھول ہوتے ہیں۔ بعد از حمل نر پھول جھڑ جاتے ہیں اور مادہ، بیج یا پھل بن جاتے ہیں۔ کچھ ایسے درخت بھی ہیں جن کے نر اور مادہ جُدا جُدا ہوتے ہیں۔ جیسے چیل کے درخت۔ کہ نر اور مادہ میں کئی فرلانگ کی مسافت حائل ہوتی ہے۔ یہاں حمل کا کام ہواؤں سے لیا جاتا ہے۔ تیز ہوائیں نر کا غبار اُڑا کر مادہ تک لے جاتی ہیں :

وَ اَرْسَلْنَا الرِّيَاحَ لَوَاقِحَ [1]	(ہم نے (مادہ درختوں کو) حاملہ کر دینے والی ہوائیں چلائیں)
(حجر - ۲۲)	

---

[1] : منتہی الارب میں لفظ " لَوَاقِح " کے تحت درج ہے :
" نیز بادہا کہ درخت و ابر را بار دار گرداند۔"

علمائے نباتات کی رائے یہ ہے۔ کہ پودوں میں مادہ و نر کا انکشاف ۱۸۷۵ء میں ہوا تھا۔ لیکن یہ رائے صحیح نہیں۔ قرآن نے کئی جگہ نر و مادہ کا ذکر کیا ہے مثلاً :-

وَتَرَى الْأَرْضَ هَامِدَةً فَإِذَا أَنْزَلْنَا عَلَيْهَا الْمَاءَ اهْتَزَّتْ وَرَبَتْ وَأَنْبَتَتْ مِنْ كُلِّ زَوْجٍ بَهِيجٍ۔
(حج - ۵)

(تم دیکھتے ہو۔ کہ زمین قحطِ باراں سے مر جاتی ہے۔ پھر جب ہم اس پر بارش برساتے ہیں تو وہ مسرور ہوتی۔ پھولتی اور پودوں کے خوبصورت جوڑے (نر، مادہ) اُگاتی ہے)

أَوَلَمْ يَرَوْا إِلَى الْأَرْضِ كَمْ أَنْبَتْنَا فِيهَا مِنْ كُلِّ زَوْجٍ كَرِيمٍ۔
(شعراء - ۷)

(کیا یہ لوگ دیکھتے نہیں کہ ہم نے زمین سے کتنے حسین جوڑے اُگائے ہیں)۔

شہد کا رنگ :

عام مشاہدہ یہی ہے، کہ شہد کا ایک ہی رنگ ہوتا ہے۔ یعنی زرد۔ لیکن یورپ کا ایک فاضل کے۔ ٹی۔ لاول، اپنی کتاب "فطرت کے حیرت انگیز کارکن" میں لکھتا ہے۔ کہ شہد کئی رنگ کا ہوتا ہے۔ ایک مرتبہ جب اُس کی نظر قرآن کی اُس آیت پہ پڑی جس میں شہد کے مختلف رنگوں کا ذکر ہے :-

يَخْرُجُ مِنْ بُطُوْنِهَا	(مگس شہد کے بطن سے
شَرَابٌ مُّخْتَلِفٌ اَلْوَانُهٗ	ایک ایسا شیرہ (شہد) نکلتا
فِيْهِ شِفَآءٌ لِّلنَّاسِ	ہے۔ جس کے کئی رنگ ہوتے ہیں
(نحل - ۶۹)	اور جس میں شفا بھی ہے)

تو حیرت زدہ ہو کر کہنے لگا :۔

"محمدؐ ایک عظیم بادشاہ، ایک مہیب فاتح اور بہت بڑا عالم اور دانا انسان تھا۔ قرآن سے پتہ چلتا ہے کہ وہ فطرت کا شیدائی، مگس شہد کے اعمال کا عالم اور شہد کی قدر و قیمت سے آگاہ تھا۔ وہ مکھیوں کے چھتوں اور مختلف الوان شہدوں کا ذکر کرتا ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ علم تلاش و مشاہدہ کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتا۔"

علومِ طبیعی کی اہمیت :

آج سے ڈیڑھ ہزار سال پہلے کسے معلوم تھا کہ انسان اسرارِ کائنات تلاش کرتے کرتے ایک ایسے مقام تک جا پہنچے گا۔ کہ علومِ طبیعی (سائنس) کے بغیر اس کا جینا مشکل ہو جائے گا۔ آج ایشیا اور افریقہ کی وہ اقوام کس قدر بے وقار و ذلیل ہیں۔ جو سائنس اور ٹکنالوجی سے محروم ہیں۔ عصرِ رواں راکٹ، ٹیکنیک اور خلا پیمائی کا زمانہ ہے۔ روس اور امریکہ کے خلا نورد ماہ و مریخ کے چکر کاٹ رہے ہیں۔ ایسے میزائل بن چکے ہیں۔ جو کئی ہزار میل دور آگ برسا سکتے ہیں۔ حال ہی میں امریکہ نے ایک ایسا طیارہ تیار کیا ہے۔ جس میں گیارہ سو مسافر سفر کر سکتے ہیں اور جس کی رفتار دو ہزار میل فی گھنٹہ ہے۔ امریکہ، روس، فرانس، برطانیہ اور چین کے پاس وہ ایٹمی بم بھی ہیں۔ جن کے چند دھماکے ساری نسلِ انسانی کو ختم کر سکتے ہیں۔

کیا اِن حالات میں کوئی قوم علومِ طبیعی کے بغیر زندہ رہ سکتی ہے؛ قرآن حکیم کی یہ تنبیہہ کس قدر برمحل تھی:

اَوَ لَمۡ یَنۡظُرُوۡا	(کیا اِن لوگوں نے
فِیۡ مَلَکُوۡتِ السَّمٰوٰتِ	کائناتِ ارض و سما اور
وَالۡاَرۡضِ وَمَا خَلَقَ	اللہ کی پیدا کردہ اشیاء
اللّٰہُ مِنۡ شَیۡءٍ وَّ	پر غور نہیں کیا اور نہ اِس
اَنۡ عَسٰۤی اَنۡ یَّکُوۡنَ	بات پر کہ شاید اُن کی اجل
قَدِ اقۡتَرَبَ اَجَلُہُمۡ	قریب آ گئی ہے!)

(اعراف - ۱۸۵)

بقائے اصلح:

یورپ میں بقائے اصلح کا نظریہ سب سے پہلے رابرٹ ڈارون (۱۸۰۹ — ۱۸۸۲ء) نے پیش کیا تھا۔ جس کا ملخص یہ کہ دُنیا میں صرف وُہی افراد و اقوام باقی رہتی ہیں۔ جن میں زندہ رہنے کی صلاحیت ہو۔ صلاحیت سے مُراد وُہ صفات ہیں۔ جن سے قُوّت۔ توانائی اور استحکام پیدا ہوتا ہے۔ مثلاً: علم، عزم۔ ایثار۔ بلند کردار۔ خدمت۔ وحدت اور سعی و سفر۔ اشیا میں سے غیر نافع کو قُدرت مٹا دیتی ہے۔ اِس کی مثال ابتدائے آفرینش کے وُہ چالیس چالیس فٹ اُونچے جانور ہیں۔ جو خود بخود ناپید ہو گئے۔ لیکن گدھا باقی رہا۔ کیوں کہ وُہ مُفید تھا۔

اِس نظریہ کا سب سے بڑا شارح ہربرٹ سپنسر تھا۔ وُہ لکھتا ہے:

"ڈارون کا نظریہ یہ تھا۔ کہ کائنات کی ہر شے (ذی حیات و بے جان) کو بعض چیزیں ورثتاً ملی تھیں۔ جو رفتہ رفتہ بے کار ہو کر

مٹ گئیں۔ اور مُفید اشیاء باقی رہ گئیں۔"

("سو بڑے آدمی" ایشیا پبلشنگ ہاؤس

بمبئی وغیرہ۔ صفحہ ۸۵)

دُنیا یہ سمجھتی ہے کہ بقائے اصلح کا راز سب سے پہلے ڈارون پہ مُنکشف ہُوا تھا۔ یہ ایک عالمگیر غلط فہمی ہے۔ قرآنِ حکیم نے چودہ سو سال پہلے اعلان فرمایا تھا:

وَ اَمَّا مَا يَنْفَعُ النَّاسَ فَيَمْكُثُ فِى الْاَرْضِ۔ (رعد - ۱۷)	(صرف وُہی چیز دُنیا میں باقی رہتی ہے، جو لوگوں کے لیے مُفید ہو)
وَ لَقَدْ كَتَبْنَا فِى الزَّبُوْرِ مِنْ بَعْدِ الذِّكْرِ اَنَّ الْاَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِىَ الصّٰلِحُوْنَ۔ (انبیاء - ۱۰۵)	(ہم نے قانُونِ بقا کی تفصیل (الذکر) کے بعد زبُور میں واضح کر دیا تھا۔ کہ زمین کے وارث میرے صالح بندے ہوں گے)

قانُونِ مکافاتِ عمل:

گو آج دُنیا کی آبادی چار ارب سے بھی زیادہ ہے۔ لیکن ایسے لوگوں کی تعداد شاید چار سو سے بھی کم ہوگی۔ جو قانُونِ مکافاتِ عمل سے آگاہ ہوں۔ ہر عمل کا ایک ردِّ عمل ہوتا ہے۔ جو کسی تدبیر سے ٹل نہیں سکتا۔ مجھے اِس مسئلے پر بڑے بڑے پروفیسروں اور ڈاکٹروں سے تبادلۂ خیالات کا موقعہ ملا، اور یہ دیکھ کر حیران رہ گیا۔ کہ اِن کی اکثریت اس سادہ سی بات سے ناآشنا تھی۔ کہ بدی کا انجام بد

ہوتا ہے ۔ اور نیکی کا نیک ۔ کہ ظالم اپنی تلوار سے ہلاک ہوگا۔ اور سیاہ کار کے گھر پر آگ برسے گی۔

اِنَّا مِنَ الْمُجْرِمِيْنَ مُنْتَقِمُوْنَ ۔ (ہم مجرموں سے یقیناً انتقام لیں گے)

(سجدہ - ۲۲)

اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الْمُجْرِمُوْنَ ۔ (تحقیق مجرم کبھی نہیں بچ سکتے)

(یونس - ۷)

ایک ایسے زمانے میں۔ جب کہ خیر و شر کا کوئی واضح تصوّر موجود نہ تھا۔ اور انسان آئینِ جزا و سزا سے مطلقاً ناواقف تھا۔ (یہی کیفیت آج بھی ہے) قرآنِ حکیم نے نظریۂ مکافاتِ عمل کو کم از کم ایک ہزار مرتبہ دُہرایا۔ کیا یہ اس کے الہامی ہونے کی واضح شہادت نہیں ؟

رازِ مسرّت :

انسان کی ساری تگ و دو ذہنی آسودگی کے لیے ہے۔ کوئی اسے دولت کے انباروں میں۔ کوئی راگ رنگ اور کوئی بادہ وزن میں تلاش کرتا ہے۔ لیکن ناکام رہتا ہے۔ اس کی تگ و دو حیوانی لذّات کے لیے ہوتی ہے۔ جو بالآخر غم میں بدل جاتی ہیں۔ فسق و فجور سے چہرہ مسخ، صحت تباہ اور آبرو برباد ہو جاتی ہے۔ درست کہا تھا سعدیؒ نے :

غمے خور کاو بہ شادیہائے بے اندازہ انجامد
چہ بے عقلاں مرو دنبالِ آں شادی کہ غم گردد

یعنی ایسی لذتوں کی تلاش، جو آگے چل کر دُکھ میں بدل جائیں، انتہائی نادانی ہے۔

آج کل امریکہ سب سے زیادہ متموّل اور طاقت ور مُلک ہے۔ ہم پاکستانیوں کی سالانہ آمدنی چار سو ایک روپیہ فی کس ہے۔ اور ایک امریکی کی آٹھ ہزار روپیہ۔ امریکہ کے اٹھارہ کروڑ باشندے دُنیا کی آبادی کا صرف چار فیصد ہیں۔ لیکن ساٹھ فی صد دولت پہ قابض ہیں۔ ان کے چار اور ٹھاکر دب تک کاروں کے مالک ہیں۔ اگر مسّرت تموّل کا نتیجہ ہوتی۔ تو یہ مُلک مسرور ترین ہوتا۔ لیکن وہاں آسودگی کا نام تک نہیں۔ ہر سال لاکھوں افسراد خودکشی کر جاتے ہیں۔ بے اطمینانی کا یہ عالم کہ سالانہ تین لاکھ سے زیادہ طلاقیں ہوتی ہیں۔ اولادِ حرام سے اُن کی گلیاں بھر گئی ہیں۔ اور بدچلن لڑکیوں سے اُن کے گھر۔

سقراط نے کہا تھا۔ کہ حقیقی مسّرت علم میں ہے۔ افلاطون نے علم کے ساتھ عدل، شجاعت اور اعلیٰ حکومت کو بھی شامل کر دیا تھا۔ لیکن قرآن کا فیصلہ یہ ہے۔ کہ مسّرت اطمینان کی وُہ لہر ہے۔ جو اعماقِ دل سے اُبھرتی اور انسان کی دُنیا بدل دیتی ہے۔ یہ درست ہے، کہ:

؎ علم میں بھی سُرور ہے، لیکن

عشق کی لذتیں عمیق تر اور پائندہ تر ہیں۔ عشق اُس ذہنی رابطہ کا نام ہے جو اللہ سے قائم ہو جاتا ہے۔ جب ہم اللہ کے حسین تصوّر میں ڈُوب کر اُسے پکارتے ہیں تو جواباً وُہ اَثیر میں ایسی لہریں اُٹھاتا ہے۔ جو ہمارے دِل میں پُہنچ کر فردوسی سکُون اور گہرے اطمینان کا احساس پیدا کرتی ہیں۔ اور کا ہے گا ہے یُوں محسُوس ہوتا ہے، کہ رُوحِ کائنات ہم سے ہمکلام ہو رہی ہے۔ اور وُہ سکون جس کا حقیقی مسکن شاروں کی مطمئن فضا ہے۔ ہمارے قلب میں اُتر رہا ہے۔

یقین فرمایئے۔ کہ خدا کے کائنات میں ہماری نگاہوں سے پرے حُسن و رنگ کا

ایک ایسا جہان آباد ہے۔ جس کی ہر تجلی مسرت کی ایک لہر بن کر دل تک پہنچتی ہے۔
اہلِ نظر کا تجربہ یہ ہے۔ کہ جب انسان کی ابدی روح اللہ کی طرف بڑھتی اور ملکوتی و
عظمت کی حدود میں داخل ہوتی ہے۔ تو اس کا پیش منظر کھلتا اور وسیع تر ہوتا جاتا ہے
اس کے بعد اس مادی دنیا کے مظاہر اس کی چشمِ حقیقت بین سے یوں محو ہونے لگتے ہیں۔
جیسے بچپن کی کہانیاں۔ جو پہلے دھندلاتی، اور پھر ہماری یاد سے مٹ جاتی ہیں۔
یہی وہ مقام ہے۔ جہاں انسان سکونِ کامل کی دولت پالینے کے بعد غمِ روزگار
سے آزاد ہو جاتا ہے۔

أَلَا بِذِكْرِ اللَّهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوبُ۔ (یاد رکھو۔ کہ دلوں کو سکون اللہ کے ذکر سے ملتا ہے)

(رعد = ۲۸)

دنیا کے فلسفی چار ہزار برس سے اسی مسرت میں سرگرداں ہیں۔
لیکن ابھی تک وہ قرآن کی اس حقیقت کو نہیں پا سکے۔ خدا جانے یہ راز علم زدہ دنیا
سے کب تک نہاں رہے گا!

بشاراتِ قرآن!

قرآن کے الہامی ہونے پر ایک اور برہان اس کی بشارات ہیں۔ ان کی
تعداد ڈیڑھ درجن کے قریب ہے۔ ان میں سے کچھ پوری ہو چکی ہیں۔ مثلاً:
فرعون کی لاش کا مل جانا۔ فتح مکہ۔ اور اہلِ ایمان کا استخلاف فی الارض۔ بعض
کا ابھی انتظار ہے۔ مثلاً: یاجوج ماجوج۔ و دابۃ الارض کا ظہور۔ حضرت عیسیٰ
علیہ السلام کا نشانِ قیامت بننا۔ (وَإِنَّهُ لَعِلْمٌ لِّلسَّاعَةِ
(یعنی قیامت کا نشان ہے۔ زخرف = ۶۲) اور اسلام کا تمام ادیان پر غالب ہونا۔

اوّل الذکر بشارات میں سے بعض کی تفصیل یہ ہے :-

غُلِبَتِ الرُّوم :

ایرانی آتش پرست تھے۔ اسلام سے بہت دور اور رومی تورات و انجیل کے پیرو ہونے کی وجہ سے اہلِ اسلام کے بہت قریب تھے۔ جب ۶۱۶ء کی ایک جنگ میں ایرانیوں نے رومیوں کو شکست دی۔ تو مسلمانوں نے اسے اپنی شکست سمجھا۔ اور بہت افسردہ ہوگئے۔ اِس پر یہ آیات نازل ہوئیں :

غُلِبَتِ الرُّوْمُ۔	(عرب کی سرحدوں کے
فِیْ اَدْنَی الْاَرْضِ	قریب روم کو شکست ہوگئی
وَهُمْ مِنْ بَعْدِ	ہے۔ لیکن چند برس کے
غَلَبِهِمْ سَيَغْلِبُوْنَ۔	بعد اِسے دوبارہ فتح نصیب
فِیْ بِضْعِ سِنِيْنَ۔	ہو گی)

(الروم - ۱-۳)

۶۲۴ء میں ایک اور جنگ ہوئی۔ جس میں رومیوں نے ایرانیوں کو خوفناک شکست دی، اور اِس طرح یہ پیش گوئی حرف بہ حرف پوری ہوگئی۔

فتحِ مکّہ :

۶۲۸ء میں حضور صلعم کو خواب میں پُر امن فتح مکّہ کی بشارت دی گئی۔ آپ اُسی سال ڈیڑھ ہزار مسلمانوں کے ہمراہ ارادۂ حج سے چل پڑے۔ لیکن مکّہ کے قریب قریش نے مزاحمت کی، اور حُدیبیہ کا مشہور معاہدہ ہُوا۔ جسے اللہ نے فتح مبین کہا۔ (اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِيْنًا) دو سال بعد حضور صلعم دس ہزار مسلمانوں کے ہمراہ

خوں ریزی کے بغیر فاتحانہ مکّہ میں داخل ہو گئے، اور اِس طرح وہ پیش گوئی پوری ہو کر رہی :

لَقَدْ صَدَقَ اللّٰہُ	(اللہ نے اپنے رسُول
رَسُوْلَہُ الرُّؤْیا	کا یہ خواب کہ آپ لوگ
بِالحقِّ لَتَدْخُلُنَّ	مسجدِ حرام میں خوں ریزی
الْمَسْجِدَ الحَرَامَ	کے بغیر داخل ہوں گے
اِن شاءَ اللّٰہُ اٰمِنِین۔	پُورا کر دیا)

(الفتح - ۲۷)

سلطنت، تمکینِ دین اور امن کا وعدہ :

پانچویں سال ہجری (۶۲۷ء) تک حضور صلعم کا سیاسی اثر مدینہ تک محدود تھا۔ اُس وقت تک نہ خیبر فتح ہُوا تھا۔ نہ مکّہ نہ طائف۔ سارا عرب حضور صلعم کے خلاف صف آراء تھا۔ قیصر و کسریٰ کی ہمدردیاں بھی عربوں کے ساتھ تھیں۔ اِن حالات میں مٹھی بھر اہلِ ایمان کا اِس خوفناک محاصرے کو توڑنا اور تمام دُشمنوں کو پچھاڑ کر دُنیا پر چھا جانا بہت دُشوار نظر آتا تھا۔ لیکن اللہ نے ۶۲۷ء میں بڑے دھڑلے سے اعلان کیا کہ :-

وَعَدَ اللّٰہُ الَّذِین	(تُم میں سے جو لوگ
اٰمَنُوا مِنْکُمْ وَعَمِلُوْ	ایمان لا چکے ہیں۔ اُن سے
الصَّالحاتِ لَیَسْتَخْلِفَنَّھُم	اللہ وعدہ کرتا ہے کہ اُنھیں
فِی الْاَرْضِ کَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِینَ	اُسی طرح خلافتِ ارضی عطا
مِنْ قَبْلِھِمْ وَلَیُمَکِّنَنَّ	کرے گا۔ جیسے پہلوں کو

لَهُمْ دِينَهُمُ الَّذِي ارْتَضَىٰ لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ أَمْنًا۔	دی تھی - اُن کے پسندیدہ دین کو استحکام بخشے گا۔ اور اُن کے خوف کو امن میں بدل دے گا)
(نور - ۵۵)	

اِس پیش گوئی کی تکمیل یُوں ہوئی۔ کہ حضور صلعم کی رحلت سے پہلے (اِس پیش گوئی کے بعد صرف پانچ سال کے اندر) سارا جزیرہ نمائے عرب، جس کا رقبہ چودہ لاکھ مُربع میل سے کچھ زیادہ تھا۔ اِسلامی تسلّط میں آ گیا۔ حضور صلعم کے بعد اِسلامی افواج ایران و رُوم کی طرف بڑھیں۔ ۶۳۵ء میں دمشق ۶۳۶ء میں حمص و فلسطین فتح ہُوئے اور ۶۳۸ء میں سارے شام پر اِسلامی علَم لہرانے لگا۔ ۶۴۲ء میں نہاوند کی فیصلہ کُن جنگ نے ساسانی خاندان (ایران) کا خاتمہ کر دیا۔ ۶۴۱ء میں مصر فتح ہُوا۔ اور ۶۴۷ء تک افریقہ کا سارا شمالی ساحل اِسلامی تسلّط میں آ گیا۔ ۶۷۴ء میں بخارا و سمرقند فتح ہُوئے۔ ۷۱۱ء میں محمد بن قاسم ہند پر اور طارق ہسپانیہ پر حملہ آور ہُوا۔ مُسلمان ہسپانیہ پر آٹھ سو سال تک مُسلّط رہے۔ محمود غزنوی کے بعد ہند میں بھی اِن کا عرصۂ حکومت اتنا ہی طویل تھا۔ ۱۴۵۳ء میں یہ استنبول پر قابض ہُوئے اور آج تک وہیں ہیں۔

یہ تھی ہماری داستانِ اِستخلاف۔ رہا دین، تو اُس وقت مسلمانوں کی تعداد سات آٹھ ہزار کے قریب تھی۔ اور آج بہتّر کروڑ۔ امن کا یہ عالم۔ کہ ایک مرتبہ شہنشاہِ رُوم کا سفیر مدینہ میں آیا۔ اور کسی سے پُوچھا۔ کہ تمہارے بادشاہ کا محل کہاں ہے؟ جواب ملا۔ کہ بادشاہ اور محل سے کیا مُراد ہے؟ ہمارے کان اِن الفاظ سے نا آشنا ہیں۔ جب سفیر نے وضاحت کی، تو کہا۔ کہ ہمارے ہاں بادشاہ نہیں، بلکہ ایک خادِم ہوتا ہے۔ جسے ہم خلیفہ کہتے ہیں۔ وُہ اِس وقت فلاں مقام پر بطورِ مزدُور کام کر رہا ہے۔ جب وہ سفیر اُس جگہ پہنچا، اور اُس نے دیکھا۔ کہ خلیفہ (فاروقِ اعظمؓ) تھک کر سایۂ دیوار میں

گرم ریت پہ سویا ہوا ہے۔ تو حیرت زدہ ہو کر کہنے لگا :

" کیا یہ ہے وہ انسان جس کے خوف سے فرماں روایانِ عالم کی نیند اُڑ چکی ہے؟ اسے عمرؓ ! تو نے انصاف کیا۔ اور تجھے گرم ریت پر نیند آ گئی۔ دوسری طرف ہمارے بادشاہوں نے ظلم کیا۔ اور انھیں سنگین حصاروں میں فرشِ سمور پر بھی نیند نہ آ سکی۔"

نصارٰے میں پھوٹ :

عیسائیوں میں پھوٹ کوئی آج کی بات نہیں۔ یہ سلسلہ کئی صدیوں سے چل رہا ہے برطانیہ۔ رومیوں، فرانسیسیوں، ہسپانویوں، ڈنمارکیوں، جرمنوں اور اطالویوں کے خلاف کتنی مرتبہ صف آرا ہوا، اور یہ اقوام آپس میں کتنی مرتبہ متصادم ہوئیں؟ یہ ایک طویل کہانی ہے۔ ہمارے دیکھتے دیکھتے دو عالمگیر جنگیں ہوئیں۔ جن میں تمام عیسائی طاقتوں نے حصہ لیا۔ ان جنگوں کی بڑی وجہ یہ تھی کہ یہ اقوام تورات و انجیل کی انسان ساز تعلیم کو بھول کر خود غرض، ظالم اور انسان دشمن بن چکی تھیں۔

قرآن کہتا ہے :-

وَمِنَ الَّذِينَ قَالُوا	(ہم نے نصارٰے سے
إِنَّا نَصَارَىٰ أَخَذْنَا	(تورات و انجیل پہ عمل کرنے کا)
مِيثَاقَهُمْ فَنَسُوا حَظًّا مِّمَّا	عہد لیا تھا۔ لیکن وہ ہماری تعلیمات
ذُكِّرُوا بِهِ فَأَغْرَيْنَا	کا ایک حصہ بھول گئے، اور ہم
بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَاءَ	نے بطور سزا اُن میں بغض و عداوت
إِلَىٰ يَوْمِ الْقِيَامَةِ۔	کی ایسی آگ بھڑکا دی۔ جو قیامت
(المائدہ - ۱۴)	تک جلتی رہے گی۔)

جمعیتِ اقوام کے بعد اقوامِ متحدہ کی تشکیل ہوئی ۔ ساتھ ہی صلح و آشتی کے لیے بے شمار انفرادی کوششیں بھی ہو رہی ہیں ۔ اور ہوتی رہیں گی ۔ لیکن دنیا کی کوئی طاقت قرآن کی اِس پیش گوئی کو غلط ثابت نہیں کرسکتی ۔

قرآن کی اِن بشارات ۔ اِس کے بیان کردہ فطری و کونی حقائق اور بلند فلسفیانہ نکات سے ایک ہی نتیجہ نکلتا ہے ۔ کہ یہ کتاب اِنسانی تصنیف نہیں ۔

باب ۴

اِسلامی قدریں اور ثقافتی محفلیں

اَقدار کی دو قسمیں ہیں :-

اوّل : وُہ جو اِنسان کو عظمت و احترام عطا کرتی ہیں۔ مثلاً علم۔ عبادت۔ حیا۔ عِصمت۔ شجاعت۔ عدل و احسان وغیرہ۔ یہ اِسلامی قدریں ہیں۔

دوم : وُہ جو عیاش۔ کاہل۔ بُزدل۔ خُود غرض اور رذیل بناتی ہیں۔ یہ غیر اسلامی قدریں ہیں۔ یہ دونوں قسم کی اَقدار ازل سے باہم ٹکرا رہی ہیں۔ اور یہ تصادُم ہنُوز جاری ہے :-

ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا اِمروز
چراغِ مُصطفوی سے شرارِ بولہبی
(اقبال)

ہر زمانے میں اللہ کے نیک بندوں کی کوشش یہی رہی ہے کہ اعلےٰ اَقدار رائج ہوں۔ اور زمین پہ آسمان کی بادشاہت قائم ہو۔ لیکن عیاش بادشاہوں اور بدمست سرمایہ داروں نے اُن کا مقابلہ کیا۔ اور غلط اَقدار کو فروغ دینے کے لیے مختلف طریقوں سے کام لیا۔ مثلاً :-

اوّل : بے ضمیر خوشامدیوں کو بڑے بڑے خطابات و مناصِب دیئے۔

دوم : علماء۔ مصنّفین اور مفکّرین کو نظر انداز کیا۔

سوم : ثقافت کے نام سے رقص و سرود کی محفلیں جمائیں تاکہ ایک بیمار و ناہموار ذہن تیار ہو سکے۔

چہارم : سیاست کو دین سے الگ کر دیا۔ تاکہ جو جی میں آئے۔ کریں۔

عیاشی، نیرو (مشہور بدباش رومی شہنشاہ) کی میراث ہے۔ اور فقر علیؓ و عمرؓ کی۔ عیاشی سے ایسے انسان تیار ہوتے ہیں۔ جو سہل انگار، بزدل، مسرف، مبذر، خود غرض، سنگدل، متکبر، بیکار اور متمرد ہوں۔ گو یہ لوگ عموماً اِس حقیقت سے آگاہ ہوتے ہیں۔ کہ تقدیر اُمم کی آخری منزل طاؤس و رباب ہے۔ تاہم وہ اِس انجام ہی کی طرف سرپٹ بھاگتے نظر آتے ہیں۔ اور تنقید ضمیر سے بچنے کے لیے ہر شخص کو اپنا ہم مشرب (شرابی۔ کبابی) بنانے کی کوشش کرتے ہیں۔

اِنَّ الَّذِيْنَ يُحِبُّوْنَ	(جو لوگ مسلمانوں میں بدکاری
اَنْ تَشِيْعَ الْفَاحِشَةُ	و بے حیائی پھیلانے کی کوشش
فِى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَهُمْ	کرتے ہیں۔ انھیں ہم دُنیا اور
عَذَابٌ اَلِيْمٌ فِى الدُّنْيَا	آخرت میں خوفناک سزا دیں گے
وَالْاٰخِرَةِ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ	ان کے انجام کو ہم جانتے ہیں۔
وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ۔	تم نہیں جانتے)

(نور - ۱۹)

دوسری طرف اسلام، صوم و صلوٰۃ، حج و زکوٰۃ، ایثار و جہاد اور علم و عشق سے ایسے لوگ پیدا کرنا چاہتا ہے۔ جو :-

۱ : علیؓ کی طرح خیبر شکن، عمرؓ کی طرح عادل، صدیقؓ کی طرح سراپا ایثار۔ اور اُوَیس و بُوذر کی طرح سجدہ گزار ہوں۔

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ (محمد اللہ کے رسُول ہیں۔

وَالَّذِينَ مَعَهُ أَشِدَّاءُ	اِن کے رُفقا کفار کے
عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاءُ	مقابلے میں سخت اور آپس
بَيْنَهُمْ تَرَاهُمْ رُكَّعاً	میں نرم ہیں۔ تم انھیں عموماً
سُجَّداً يَبْتَغُونَ	رکوع و سجود کی حالت میں
فَضْلاً مِنَ اللهِ	پاؤ گے۔ وہ دائماً اللہ کے
وَرِضْوَاناً سِيمَاهُمْ	فضل اور اُس کی رضا کے
فِي وُجُوهِهِمْ مِنْ	طالب رہتے ہیں اور اُن کے
أَثَرِ السُّجُودِ۔	چہروں پر سجدوں کے نشان
(الفتح - ۲۹)	نظر آتے رہیں)

۲ : جن کا مقصد دُنیا و عقبیٰ کی تمام منازلِ رفیعہ کو سر کرنا ہو۔ ظاہر ہے۔ کہ یہ مقصد جہاں گیر علم اور یزداں گیر عشق کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتا۔

۳ : جو سادگی پسند۔ صادق القول۔ منکسر المزاج۔ قانع۔ عادل دیانت دار۔ خادمِ خلق اور دُنیا کی آرائشوں سے نفور ہوں۔

۴ : اللہ اور اُس کی مخلوق سے بے پناہ محبت کرتے ہوں۔ وہ اُسی کے لیے جیتے اور اُسی کے لیے مرتے ہوں۔

۵ : دُنیا میں قیامِ امن و سلام کے لیے کوشاں ہوں۔

۶ : دُنیا کو آخرت کی کھیتی سمجھتے ہوں۔

۷ : جن کے قلب و نگاہ میں بہاروں کا حُسن اور شبنم کی لطافت ہو۔

۸ : اُن لذّتوں سے نفور ہوں۔ جو بالآخر غم میں بدل جاتی ہیں۔ مثلاً بادہ نوشی۔ قمار بازی و عیّاشی وغیرہ۔

۹ : غم و مسرت۔ خواب و خور اور اقوال و اعمال میں معتدل ہوں۔ کائنات میں

امن اور اِنسانیت میں فروغ اِسی اعتدال سے وابستہ ہے۔

۱۰ : وُہ اپنے آپ کو اللہ کے سامنے جواب دہ سمجھتے ہوں۔ اور جانتے ہوں کہ گناہ اور تباہی مترادف الفاظ ہیں کہ دُنیا میں مکافاتِ عمل کی چکیاں پُوری رفتار سے چل رہی ہیں۔ اور بدکاروں کو بے دھڑک پیس رہی ہیں۔

۱۱ : انھیں علم ہو۔ کہ اِنسان کی عظمت اللہ کی رفاقت میں ہے۔ اللہ ساتھ ہو۔ تو وہ ہم دوشِ فلک بن جاتا ہے۔ نہ ہو، تو ایک قابلِ نفرت ٹھگنا نظر آتا ہے۔ عقل بڑی چیز ہے۔ لیکن ایک دُنیا عقل سے آگے بھی ہے۔ رُوح و خُدا کی دُنیا۔ اُس کے لازوال اور سرمدی قوانین کی دنیا۔ اِنسان کی نجات انہی قوانین کی تعمیل میں ہے اور انہی سے خودی کی حدُود متعیّن ہوتی ہیں۔ بقولِ اقبال :

"حدودِ خودی کے تعیّن کا نام شریعت ہے اور
شریعت کو قلب کی گہرائیوں میں محسوس کرنے کا نام طریقت۔"

(انوارِ اقبال ۔ صہ ۲۱۸)

۱۲ : انھیں یقین ہو۔ کہ اِس متحرِّک و متبدّل کائنات میں ہر تغیّر ایک مافوق الادراک حکمت کے تحت ہو رہا ہے۔ جس کے خلاف لب کشائی حماقت ہے۔ ناکامیوں سے نباہ اِنسان کا سب سے بڑا کارنامہ ہے۔ اور یہیں سے وہ سکون جنم لیتا ہے۔ جس سے آج کی دُنیا قطعاً محروم ہو چکی ہے۔

زندگی میں دُکھ کیوں ہے ؟ اس سوال کا جواب فلسفہ نہیں بلکہ صرف مذہب دے سکتا ہے۔ جو دُکھ کو گناہ کا نتیجہ قرار دیتا ہے۔ اگر زندگی خدائی مشیّت کے مطابق بسر ہو۔ تو سراپا سکُون ہے۔ ورنہ سراپا اَلَم۔ عصرِ رواں میں لاخُدا سائنس حیاتِ اِنسانی کے لیے ایک خطرہ بن گئی ہے۔ اس کا علاج نہ اقوامِ مُتحدہ کے پاس ہے نہ رُوس و امریکہ کے پاس۔ بلکہ اِسلامی نظریۂ زندگی میں ہے۔ جو خِدمت، محبّت،

شرافت، مُروّت، اِحسان، عدل اور رحم کی تعلیم دیتا ہے۔ ذہنی اضطراب کی ایک اور وجہ خود غرضی، حسد، رقابت، زراندوزی کا جذبہ اور ناانصافی ہے اور یہ بیماریاں اِسلام کے حیات بخش اَمرت ہی سے دُور ہو سکتی ہیں۔

۱۴ : وُہ جانتے ہوں۔ کہ جب دُرجِ علم و عبادت کے مُہیب اسلحہ سے مُسلح ہو جائے تو اس کی یلغار کو نہ صحرا و دریا روک سکتے ہیں۔ نہ قیصر و کسریٰ۔ حیات کا انحصار عسکری قُوّت پر ہے۔ نہ فراوانیٔ دولت پر۔ بلکہ اس کا تعلق ایک آسمانی شعلے سے ہے۔ جو عزم۔ عدل۔ بے نفسی اور ناز و نیاز کی صُورت میں نمُودار ہوتا ہے۔ اور اَحکامِ اِلٰہی اس حد تک رُوح میں سرایت کر جاتے ہیں۔ کہ رضائے الٰہی مقصُودِ حیات بن جاتی ہے اسلام چند عقائد و اَعمال کا نام نہیں۔ بلکہ یہ ایک مستقل ذہنیت ہے۔ جو اللہ کے تصوّر سے جنم لیتی ہے اور انصاف و صداقت کی آغوش میں جوان ہوتی ہے۔

غلط طبقہ بندی :

ہر چند کہ اِسلام نے رنگ و نسل اور جاہ و ثروت کے امتیازات کو ختم کرنے کے بعد صرف تقوے و علم کو معیارِ عظمت قرار دیا تھا :

اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقَاکُمْ۔ (حجرات - ۱۳)	(اللہ کے ہاں سب سے بڑا وہ ہے۔ جو سب سے زیادہ مُتقی ہے)
یَرْفَعِ اللّٰہُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِیْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجٰتٍ۔ (مجادلہ - ۱۱)	(اللہ اُن لوگوں کو بلند درجات عطا کرتا ہے۔ جو ایمان اور علم کے مالک ہوں)

لیکن رنگ و نسب پہ اِترانے کی بیماری بعد از اِسلام بھی باقی رہی ۔ غسّان کے والی جَبَلَہ بن اَیہَم کا واقعہ آپ کو یاد ہوگا۔ کہ اُس نے ایک بَدُّو کو اِس بنا پر کہ اِس کا پاؤں نادانستہ اُس کے جامۂ اِحرام پہ پڑ گیا تھا، تھپڑ کھینچ مارا ۔ جب حضرت عمرؓ نے بَدُّو کو ویسا ہی تھپڑ رسید کرنے کا حکم دیا ۔ تو جَبَلَہ نے احتجاجاً کہا ۔ کہ مَیں ایک سُلطنت کا والی ہُوں ، اور یہ محض ایک بَدُّو ۔ ہم دونوں برابر نہیں ہو سکتے ۔ تو عُمرؓ نے فرمایا ۔ کہ اِسلامی قانون کی نگاہ میں امیر و غریب سب مساوی ہیں ۔ اِس پر جَبَلَہ مُرتد ہو کر واپس چلا گیا ۔

اِسلام لانے کے بعد بھی اِکّا دُکّا عرب اپنی برتری کے قائل رہے ۔ اس کا اثر یہ ہُوا ۔ کہ بہت سے غیر عربوں نے اپنا نسب تبدیل کر لیا ۔ کوئی اُموی بن گیا ، اور کوئی تمیمی ۔ کوئی سیّد اور کوئی قُرَیشی ۔ جب عُمر بن عبد العزیز نے دو موالی کو مصر کا قاضی مقرر کیا ۔ تو اِس پر بعض عربوں نے اِحتجاج کیا تھا ۔ (خِطَطَ ، ج : ۲ ۔ مَقرِیزی صہ ۳۴۲) لیکن رفتہ رفتہ نسلی برتری کا اِحساس ختم ہو گیا ۔ اور غلام بھی تاج و تخت کے مالک بن گئے ۔ مثلاً : ممالیکِ مِصر، ہند کا خاندانِ غلاماں ، اتابک وغیرہ ۔ اور لونڈیوں نے بادشاہوں کو جنم دیا ۔ پہلے تین عبّاسی خلفا کے بعد اس سلسلے کے دیگر تمام خلفا عجمی لڑکیوں ، حبشنوں اور کنیزوں کی اولاد تھے ۔

عہدِ ہارُون کے البرامکہ میں تین آدمیوں کو بڑی شہرت حاصل ہے ۔ یعنی یحییٰ بن خالد برمکی (ہارون کا وزیرِ اعظم) اور اُس کے دو نامور بیٹے ، جعفر اور فضل برمکی ۔ عبّاسیہ دور کا ایک جغرافیہ دان ابنُ الفقیہہ لکھتا ہے (سوشل سٹرکچر ، صہ ۶۷) کہ فضل بن یحییٰ نے اِنسانوں کے چار طبقات بنائے تھے :

اوّل : سلاطین و خُلفا

دوم : وُزرا ء

سوم : اُمرائے دولت (حکّام و سرمایہ دار)

چہارم : عُلماء ۔ قُضاۃ اور فلاسفہ ۔

یعنی اہلِ علم کو سرمایہ داروں کے بعد رکھا۔ سلاجقۂ بزرگ کے مشہور وزیر اعظم نظام الملک طوسی نے بھی سیاست نامہ میں علماء کو اُمراء سے فروتر شمار کیا ہے۔ علی بن حسین واعظ کاشفی نے لطائف الظرائف میں یہی ترتیب ملحوظ رکھی ہے۔

اِس غلط طبقہ بندی کا نتیجہ یہ ہُوا۔ کہ اہلِ علم و فلسفہ درباروں سے متنفر ہو گئے۔ بادشاہ عموماً نااہل خوشامدیوں میں محصور ہو کر رہ گیا۔ اِن لوگوں نے اُس کی حماقتوں کو دانش کا رنگ دیا۔ اور ہر نامعقول بات پہ واہ واہ کے ڈونگرے برسائے۔ اِس صُورتِ حال کا نتیجہ یہ نکلا۔ کہ بادشاہ کی نامقبولیت میں اضافہ ہو گیا۔ مُلک میں اضطراب پھیل گیا۔ اور عُلماء و عوام بادشاہ کی تباہی کے لیے دُعائیں مانگنے لگے۔

جب حالات یہ صُورت اختیار کر لیں۔ تو عموماً بادشاہ عوام سے انتقام لینے کے لیے ظُلم وستم پہ اُتر آتا ہے۔ وُہ اُن کے دانشوروں کو جیلوں میں ڈالتا۔ عوام کو لتاڑتا۔ اور اُن کے بچّوں پہ گولیاں چلاتا ہے۔ یہ صُورت آج (اکتوبر ۱۹۶۸ء) کئی مُلکوں میں موجُود ہے مثلاً: میکسیکو۔ فرانس اور روڈیشیا۔ اللہ کا عذاب مُختلف صُورتوں میں آیا کرتا ہے۔ کبھی زلزلہ۔ کبھی سیلاب۔ کبھی قحط اور کبھی مرض کی شکل میں۔ لیکن عذاب کی بدترین صورت یہ ہے کہ کسی قوم پر ایک عیّاش۔ حریص۔ بدمست۔ بدکار اور سنگدل امیر مُسلّط ہو جائے۔

گو ہم پاکستانی ایک آزاد قوم ہیں، اور مُسلمان بھی۔ لیکن ہمارے ہاں ابھی تک وُہی اَقدار رائج ہیں۔ جو اورنگ زیب کے بعد دربارِ مُغلیہ اور پھر برطانوی ہند میں نافذ رہیں۔ آپ نے سرکاری تقریبات میں دیکھا ہوگا۔ کہ صفِ اوّل میں وُزرا۔ دُوسری میں حُکّامِ اعلیٰ۔ تیسری میں سرمایہ دار اور چوتھی میں مجسٹریٹ وغیرہ ہوتے ہیں۔ علماء و اہلِ قلم کو، خواہ اُن کی ساری زندگی تدریس و تصنیف میں گزری ہو، قطعاً کوئی نہیں پُوچھتا۔ ایک قوم کا وقار علم سے ہوتا ہے۔ تاتاریوں کو صرف اس لیے وحشی کہا جاتا ہے۔ کہ اُن کے پاس علم نہیں تھا۔ علم وُہ روشنی ہے۔ جو زندگی کی راہوں کو جگمگاتی ہے۔ وُہ قُوّت ہے جو سمندروں

سے خزائن اور پہاڑوں سے دفائن نکال لاتی ہے۔ وہ آنکھ ہے جو حصارِ عناصر سے پرے بھی دیکھ سکتی ہے۔ اور وُہ موجِ نمُو ہے، جو فکر و فلسفہ بن کر حیات کو حُسنِ تازہ بہم پہنچاتی ہے۔ عالم و فلسفی کا مقام حُدی خوان یا امیرِ کارواں کا سا ہے۔ یہ نہ ہو، تو ایک بدمست سُلطان کو کیا خبر کہ زندگی کی راہ کون سی ہے اور منزل کہاں؟ حیرت ہے کہ یہ اِنسانیت کے اتنے بڑے محسن کو یا تو اپنی تقریبات میں بلاتا ہی نہیں اور اگر بُلا بیٹھے۔ تو اسے آخری صف میں بٹھاتا ہے اور اُس سے ہاتھ ملانا باعثِ ننگ سمجھتا ہے۔

ذاتی واقعہ :

چند سال پہلے کی بات ہے۔ کہ کیمبل پُور کالج میں کنووکیشن کی تقریب تھی۔ مَیں جب جلسہ گاہ میں پہنچا۔ تو یہ دیکھ کر حیران رہ گیا۔ کہ انچارج پروفیسر نے مجھے دُوسری صف میں جگہ دی ہے، اور صفِ اوّل میں حاکمِ ضلع سے لے کر یُونین کونسل کے چیئرمین تک تشریف فرما ہیں۔ پروفیسر کا کیا قصُور؟ اُسے یہی بتایا گیا تھا، کہ ایک ہیڈ کانسٹیبل پروفیسر (عالم اور فلسفی) سے بڑا ہوتا ہے اور اُسے دانشوروں کی محفل ہو، یا جرائم پیشہ کا اجتماع، ممتاز جگہ ملنی چاہیے۔ اربابِ اقتدار کو یہ بات کون سمجھائے۔ کہ سرمایہ دار ایک اتفاقی تخلیق ہے۔ بارہا ایسا ہُوا کہ ایک بھکاری ڈربی کا اِنعام پاکر لکھ پتی بن گیا۔ ایک ڈاکو کسی بینک کو لُوٹ کر امیر ہو گیا۔ یا کسی غدّار نے کوئی اہم مُلکی راز بڑی قیمت پر بیچ ڈالا۔ لیکن علم برسوں کی محنت کے بعد حاصل ہوتا ہے۔ کسی تقریب میں ایک سرمایہ دار کو عالم پہ ترجیح دینا گویا گدھے کو گھوڑے سے بہتر سمجھنا ہے۔

لہ : ہیڈ کانسٹیبل سے مراد وُہ لوگ ہیں۔ جو یا تو خود بااقتدار ہوں اور یا اربابِ اقتدار کے حواری۔

جائز و ناجائز تفریحات :

بعض لوگ راگ رنگ کی محفلوں کو اِس بناء پر جائز قرار دیتے ہیں۔ کہ عصرِ رواں میں ہر انسان کو بہت کام کرنا پڑتا ہے، اور تھکان اُتارنے یا زندگی سے گریز کے لیے اُسے تفریح کی ضرورت ہے۔ لیکن وُہ اِس بات کو بھول جاتے ہیں، کہ وُہ مسلمان ہیں۔ اور انھیں صرف ایسی تفریحات کی اجازت ہو سکتی ہے۔ جن میں کوئی چیز خلافِ اخلاق نہ ہو۔ اگر کسی محفل میں کوئی حسینہ بن سنور کر طبلے کی تھاپ کے ساتھ ہیجان انگیز گیت گا رہی ہو۔ سامعین کو اشاروں اور مسکراہٹوں سے گناہ کی دعوت دے رہی ہو۔ تو کیا اِسلام اسے گوارا کرے گا؟ مشہور مقولہ ہے کہ :

ہر چہ بر خود نہ پسندی بدیگراں ہم پسند

اگر ہم اپنی لڑکیوں کے متعلق یہ برداشت نہیں کر سکتے۔ کہ وُہ سرِ محفل گائیں۔ تھرکیں۔ ناچیں اور دُوسروں کا دِل بہلائیں۔ تو ہمیں اپنی تفریح کے لیے دُوسروں کی لڑکیوں کو سرِ محفل نچانے اور بے آبرو کرنے کا حق کیسے مِل گیا؟

تفریح کے بیسیوں بے ضرر راستے بھی موجود ہیں۔ مثلاً :-

ا : شام کو ہاکی۔ ٹینس۔ فٹ بال۔ والی بال یا کبڈی وغیرہ کھیلیے۔

ب : کلبوں اور چوپالوں میں جمع ہوکر چوپڑ۔ لڈو یا کیرم سے دِل بہلائیے۔

ج : ہم مذاق دوستوں سے گپ لڑائیے۔

د : کسی خوش آوازے ہیر یا سیف الملوک سُنیے۔

ہ : اگر آپ دیہاتی ہیں۔ تو بین۔ اِکتارے۔ بانسری اور الغوزے کا لطف اُٹھائیے۔

و : شکار کھیلیے۔

ں : اگر شہری ہیں۔ تو مشاعروں۔ مباحثوں اور مذاکروں کا اِنتظام کیجیے۔

ح : موسیقی کی ایسی محفلیں جمائیے۔ جن سے رُوح محظُوظ ہو۔ یعنی جہاں قوّالی، کلامِ اقبال، شعرِ غالب، اور الہامِ رُومی و عطار پیش کیا جا رہا ہو۔ یا اُستاد فیاض جیسا کوئی ماہرِ فن اپنے فن کا کمال دکھا رہا ہو۔

تفریح کی یہ تمام صورتیں شرعاً غیر معیُوب ہیں۔ بشرطیکہ یہ ادائے فرض میں حارج نہ ہوں، اور آپ تمام دینی و دنیوی فرائض سے فارغ ہو کر تھوڑی سی دیر کے لیے دِل بہلانا چاہتے ہوں۔

سرود و شعر و سیاست، کتاب و دین و ہُنر
گہر ہیں ان کی گرہ میں تمام یک دانہ
اگر خودی کی حفاظت کریں تو عینِ حیات
نہ کر سکیں تو سراپا فسون و افسانہ

ثقافتی محافل کا ایک اور نقصان :

اگر کوئی آدمی بنگلوں میں رہنے کا عادی ہو جائے۔ تو اُسے جھونپڑوں سے نفرت ہو جاتی ہے۔ ریشمی لباس ملے۔ تو چیتھڑوں کو کون پسند کرتا ہے۔ پلاؤ اور حلوہ نصیب ہو۔ تو دال کی قدر نہیں رہتی۔ اسی طرح اگر آپ عوام کی تفریح کے لیے ملک کی منتخب حسیناؤں کو سٹیج پر نچانے لگیں گے۔ تو مُلک کا مذاق بگڑ جائے گا۔ اور آپ کے تمام عِلمی میلے، یعنی مذاکرے، مشاعرے اور مباحثے سُونے پڑ جائیں گے۔ آج ہم اسی صُورتِ حال سے

دو چار ہیں۔ آج سے کچھ عرصہ پہلے مرّی میں ایک مذاکرہ منعقد ہُوا۔ جس میں میرے علاوہ اے۔ کے بروہی، ڈاکٹر محمد باقر، ڈاکٹر ظہیر الدّین، پرنسپل اشفاق علی خاں، محترمہ ست نام محمود اور کئی دیگر علماء و مُفکّرین مدعو تھے۔ لیکن حاضرین کی تعداد پچاس سے زیادہ نہیں تھی۔ اُسی شام اُسی ہال میں بزمِ موسیقی منعقد ہُوئی۔ داخلہ دس روپے تھا۔ ایک ہزار نے ٹکٹ خریدے، اندر جگہ نہ ملی۔ تو کھڑکیوں کے شیشے توڑ کر باہر کھڑے ہو گئے۔

جس طرح پھُول آبیاری کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتے۔ اسی طرح ایک قوم صحیح فلسفہ کے بغیر باقی نہیں رہ سکتی۔ جب لوگ رقص و نغمہ کے عادی ہو جاتے ہیں۔ تو وُہ نہ فلسفیوں کی بات سُنتے ہیں۔ نہ واعظ و مُعلّم کی۔ وُہ اِس قسم کے اشعار :-

اِدھر مسجد میں واعظ کہہ رہا ہے مے سے توبہ کر
اُدھر اُٹھ اُٹھ کے ساون کی گھٹا کچھ اور کہتی ہے

یا

ہجوِ مے کر رہا تھا منبر پر
مجھ کو دیکھا تو پی گیا زاہد

یا

؎ : ہائے کمبخت تُو نے پی ہی نہیں

پر تو سر دُھنتے ہیں۔ لیکن قرآن کی موسیقی سے ان کا جی متلانے لگتا ہے۔ کائنات کی دیگر اشیا کی طرح ایک قوم کو بھی زندگی کے مختلف مدارج یعنی بچپن، شباب اور پیری سے گزرنا پڑتا ہے۔ طاؤس و رباب کی منزل پیری میں آتی ہے۔ لیکن ہم اپنی زندگی کا آغاز ہی رقص و سرُود سے کر رہے ہیں۔

؎ آغاز ہو یہ جس کا انجام خدا جانے

اگر آج ہمارے مے خانے، رقص خانے اور تمثیل خانے (سینما) آباد ہو رہے ہیں اور علم و ادب

کی محفلیں اُجڑ رہی ہیں۔ تو اُس کی بڑی وجہ یہ ثقافتی تماشے ہیں۔

ثقافت کیا ہے ؟ :

"ثقافت" عربی زبان کا ایک لفظ ہے۔ جس کے معنی لُغات میں یوں دیے ہُوئے ہیں :۔
عِلم۔ تہذیب۔ دانش۔ فِطانت اور راستی۔ (قامُوس۔ اَلمُنجد)

اگر یہ صحیح ہے۔ کہ قرآن مسلمانوں کے لیے ضابطۂ حیات ہے۔ اور یہ بھی صحیح ہے۔ کہ قرآن کے ہاں عِلم و تقویٰ بلند ترین اَقدار ہیں۔ تو پھر یہ رقص و نغمہ کی محفلیں ہماری تہذیب کا مظہر کیسے بن گئیں؟ طاؤس و رباب، موسیقاروں اور رقاصاؤں کی ثقافت ہے، نہ کہ ہماری۔ ہم مسلمان ہیں۔ ہماری ثقافت ہے :۔ ہمارا عِلم جس نے قرُونِ وُسطیٰ میں تجلیات کا طوفان اُٹھا دیا تھا۔ ہماری عظیم لائبریریاں جو استنبول سے غرناطہ اور بغداد سے قرطبہ تک پھیلی ہوئی تھیں اور ہماری حسین رُوحانی و اَخلاقی قدریں، جنھوں نے دُنیا کا رنگ بدل دیا تھا۔

ایک اور پہلوُ ؟

ہمارے عُلماء اور واعظین کی چودہ سو سالہ کوششوں سے ہمارا ذہن (عمل نہ سہی) خالص اِسلامی بن چکا ہے۔ اور وُہ اِن ثقافتی محفلوں کو پسند نہیں کرتا۔ اگر ان کے اِنعقاد میں سرکاری ملازمین کا بھی ہاتھ ہو تو عوام میں حکومت کے خلاف جذباتِ نفرت پیدا ہو جاتے ہیں اور اس نفرت کے نتائج ہمیشہ المناک رہے ہیں۔

مصارف :

ایسی محفلوں پر ہزاروں روپے صرف ہوتے ہیں۔ اگر ایک عالِم، فلسفی، پروفیسر یا شاعر کو لاہور سے یہاں (کیمبل پُور) بلانا پڑے تو وُہ صرف دو سو میں آجاتا ہے، لیکن ایک رقاصہ دو ہزار سے کم نہیں لیتی۔

ع : طوقِ زرّیں ہمہ در گردنِ خرمی بینم

اگر یہ رقم کسی سرمایہ دار کی جیب سے نکلے۔ تو افسوس نہیں ہوتا۔ کیونکہ مال جس راہ سے آیا تھا۔ اسی پہ صَرف ہُوا۔ افسوس اُس وقت ہوتا ہے۔ جب وُہ عوام کا مال ہو یعنی سرکاری خزانے سے نکلے۔

حضرت خالد بن ولید کی معزُولی :

آپ نے یہ کہانی سُنی ہوگی۔ کہ ایک مرتبہ خالد بن ولید نے ایک شاعر کو جس نے اِسلامی فتوحات پر ایک عُمدہ قصیدہ پڑھا تھا، کچھ رقم بطورِ انعام دے دی۔ اِس پر فارُوقِ اعظمؓ نے کہا : "اگر تُم نے یہ رقم خزانے سے دی ہے۔ تو خیانت کی ہے۔ جیب سے ادا کی ہے۔ تو اِسراف کیا ہے۔ تُم دونوں صُورتوں میں سپہ سالاری کے قابِل نہیں۔ اس لیے ہم تمھیں معزُول کرتے ہیں۔"

وزارت کا فیصلہ :

حال ہی میں مغربی پاکستان کی کابینہ نے فیصلہ کیا ہے۔ کہ سرکاری جلسوں میں رقّاص اور مُغنّی عورتوں کو نہ بُلایا جائے۔ یہ فیصلہ ہر لحاظ سے قابِلِ ستائش ہے۔ بشرطیکہ وزارت اِس پر عمل بھی کرا سکے۔[1]

---

[1] : اس فیصلے کے بعد بھی رقص و سرود کا سلسلہ جاری ہے۔ ہر ضلع میں کچھ افسر رنگین مزاج ہوتے ہیں۔ جو حکومت کے فیصلوں اور عوام کے جذبات کو قطعاً خاطر میں نہیں لاتے۔

باب ۵
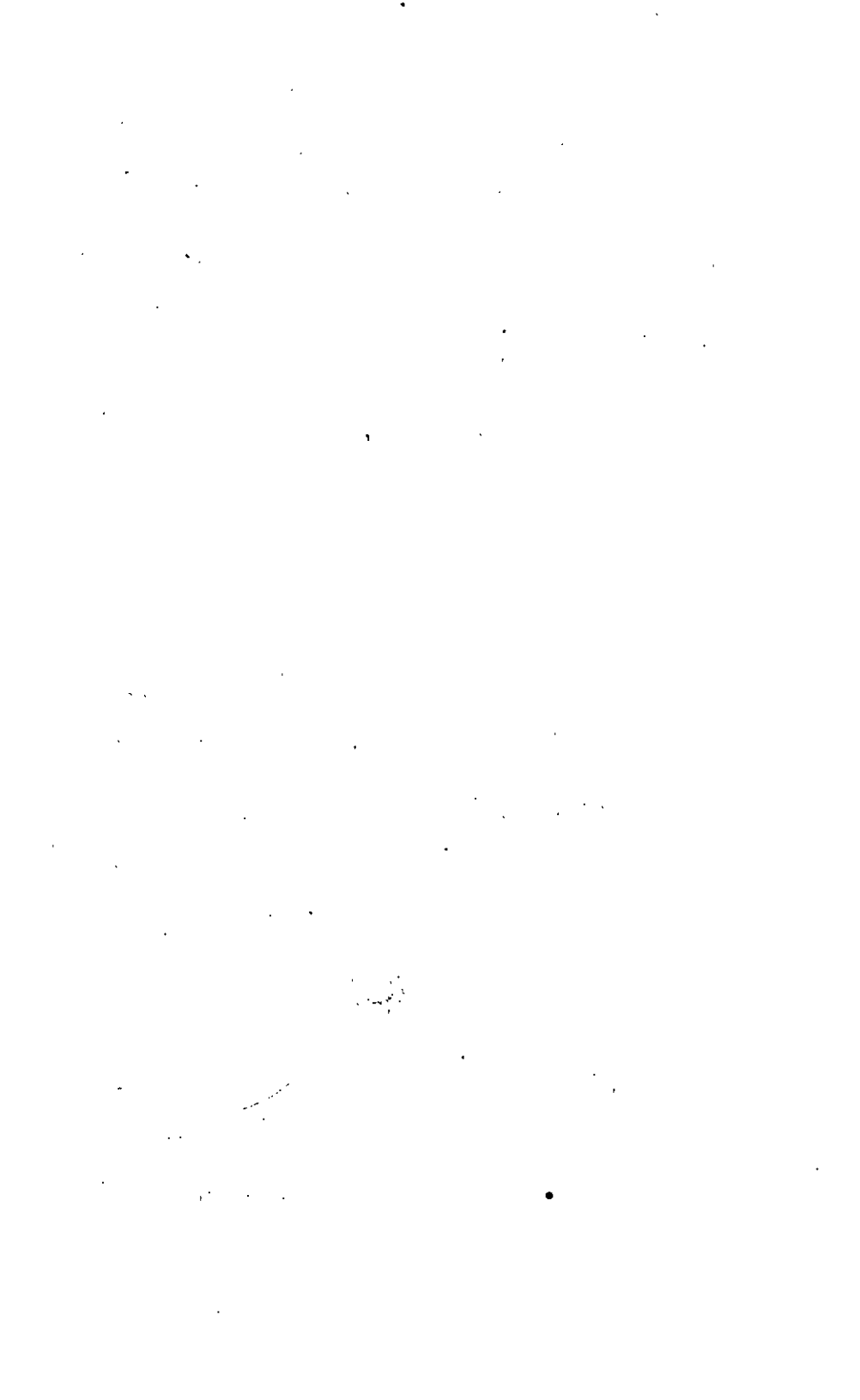
اِسلام کا مَعاشی نظام

اِس وقت دُنیا میں تین معاشی نظام رائج ہیں :-

اوّل : سرمایہ داری۔

دوم : اِشتراکیت

سوم : اِسلامی نظام

سرمایہ داری :

کارل مارکس نے کہا[1] تھا۔ کہ اصل سرمایہ مزدور کی محنت ہے۔ جو کپاس کو کپڑے، آہن کو موٹر اور اینٹ کو محل کی صورت میں بدل دیتی ہے۔ یہی محنت ایک چیز کو قیمتی بناتی ہے۔ لیکن یہ قیمت سرمایہ دار کی جیب میں چلی جاتی ہے۔ سرمایہ دار کی بے لگام حرص چھوٹے چھوٹے تاجروں کو ہڑپ کر جاتی ہے۔ وُہ جب چاہتا ہے۔ اجناس کے نرخ گھٹا کر دُوسرے تاجروں کو تباہ کر دیتا ہے۔ یا بڑھا کر عوام کو مُصیبت میں ڈال دیتا ہے وُہ مشینیں لگا کر پہلے بے روزگاری بڑھاتا ہے۔ پھر کام کے اوقات بڑھا کر کارکن کی اُجرت گھٹا دیتا ہے، اور اِس طرح سارا منافع اُس کی جیب میں چلا جاتا ہے۔ گو آج ایک مزدور مجبور ہے۔ کہ کم اُجرت پر زیادہ کام کرے۔ اور اُسے علم ہے۔ کہ اُس کی

---

[1] : آئیڈیالوجی اینڈ پاور۔ صہ۴۷

محنت سے صرف سرمایہ دار کو فائدہ پہنچ رہا ہے۔ کہ حکومت سرمایہ دار کی ایجنٹ ہے۔ اور دُنیا میں چند ادیبوں کے سوا کوئی اور اُس کا حمایتی نہیں۔ لیکن وُہ اِس اُمید پہ جی رہا ہے۔ کہ زمانہ تیزی سے بدل رہا ہے۔ شاید سلطانئ جمہور کا دور کبھی آ ہی جائے۔

اِنقلابیانِ رُوس کے اقوال :

رُوس میں اِنقلاب کے بڑے بڑے داعی تین تھے۔ کارل مارکس۔ اینگلز اور لینن۔ مارکس نے اپنے منشور میں کہا تھا :-

• شخصی جائیداد اور میراث کو ختم کر دو۔ ایسے بینک قائم کرو۔ جن میں صرف سرکاری سرمایہ ہو۔ اِن کے ذریعے دیگر ممالک کے ساتھ تجارتی تعلقات قائم کرو۔ اور منافع کی مالک ریاست ہو۔ بنجر زمینوں کو زیرِ کاشت لاؤ۔ زراعت وصنعت میں رابطہ قائم کرو۔ تاکہ خام مال کی کھپت مُلک ہی میں ہو جائے۔ دیہاتی وشہری کا اِمتیاز مٹا کر بُود وباش کی تمام سہولتیں سارے مُلک میں پھیلا دو۔ تعلیم کا صنعت سے رشتہ قائم کرو۔

پیداوار کے سلسلے میں دو چیزیں پیشِ نظر رکھو :

اوّل - کارکن کا ہُنر اور اُس کی محنت - یہ اصل تخلیقی قُوّت ہے

دوم - اس قُوّت کا استعمال - اگر کوئی شخص کسی کارخانے یا کھیت کو خریدلے

لہ : کتبِ احادیث میں بارہ ایسی روایات بھی ملتی ہیں۔ جن کا موضوع یہ کہ ہر شخص صرف اتنی ہی زمین رکھ سکتا ہے۔ جس میں وُہ خود کاشت کر سکے۔ کہ زمین کو بٹائی یا لگان پر دینا ناجائز ہے۔ اِن احادیث کے راوی ابُوسعیدؓ خدری ، (باقی اگلے صفحے پر)

تو تمام مزدور اور کاشت کار اُس کے غلام بن کر ذلیل و مفلس ہو جائیں گے۔ اس صورتِ حال کا انسداد ہمارا فرض ہے۔"

(ملخص۔ آئیڈیالوجی اینڈ پاور۔ صـ ۶۹)

اینگلز کہتا ہے :

" ہم نے انسانی تاریخ کی اِس صداقت کو پا لیا ہے۔ کہ انسان کو سب سے پہلے روٹی۔ پانی۔ مکان اور لباس کی ضرورت ہے۔ سیاست۔ تہذیب۔ آرٹس اور سائنس کا مقام بعد میں آتا ہے۔ کسی قوم کی آسودہ حالی ہی وُہ بُنیاد ہے۔ جس پر اُس کی تہذیب۔ فکر۔ فلسفہ اور قانون کی عمارت اٹھائی جاتی ہے۔" (ملخص۔ آئیڈیالوجی۔ اینڈ پاور۔ صـ ۷۲)

" سرمایہ دارانہ نظام میں ریاست سرمایہ دار کی ایجنٹ ہوتی ہے۔ اور اُسی کی جائیداد۔ منصب اور اقتدار کی حفاظت کرتی ہے۔ رہے عوام۔ تو ان کی قسمت میں صرف جُوتے اور دھکے ہوتے ہیں۔ لیکن اشتراکی نظام میں قوم کا نقطۂ نگاہ کلیتہً بدل جاتا ہے۔ یہاں مقصود بالذات جماعت ہوتی ہے اور فرد کا مفاد جماعت کے تابع ہوتا ہے۔"

(ملخص۔ اینگلز۔ ایضاً۔ صـ ۷۵)

بقیہ حاشیہ، صفحہ ۱۴۰ :-

جابرؓ بن عبدُاللہ۔ ابُوہریرہؓ۔ عبداللہؓ بن عمر۔ نافعؓ بن عمر۔ اور حضرت رافعؓ ہیں۔ ملاحظہ ہو :

۱ : بُخاری مع فتح الباری۔ طبع مصر۔ ج ۵۔ صـ ۲۳۔

۲ : مُحلّٰی۔ ابنِ حزم۔ ج ۸۔ صـ ۲۲۰۔

۳ : اسلام و جاگیرداری نظام۔ مولانا رحمت اللہ طارق۔ صـ ۷۸، ۹۷۔

لینن رُوس کا محمد علی جناح تھا۔ اُس نے مارکس اور اینگلز کے افکار کو عملی جامہ پہنایا۔ اور ۱۹۱۷ء میں زار کی ظالمانہ حکومت کو مٹا کر ایک ایسا سیاسی نظام قائم کیا۔ جس میں پیداوار کے تمام وسائل پر جماعت قابض ہو گئی۔ شخصی ملکیت جاتی رہی[1]۔ اور ریاست فرد کی تمام ضروریات (غذا۔ لباس۔ تعلیم۔ رہائش وغیرہ) بہم پہنچانے لگی۔ پہلے یہ نظام صرف رُوس میں تھا۔ اور اب چین۔ نصف کوریا۔ شمالی ویٹ نام اور مشرقی یورپ کی کچھ ریاستیں۔ مثلاً: مشرقی جرمنی، پولینڈ، یوگوسلاویہ، رُومانیہ وغیرہ بھی اشتراکی بن چکے ہیں۔ دُنیا کے ہر حصّے میں طاقت ور اشتراکی پارٹیاں سرمایہ داروں کے خلاف مصروفِ عمل ہیں۔ اسلامی ممالک کے عوام بھی مائل بہ اشتراکیت ہو رہے ہیں۔ سوال یہ ہے۔ کہ کیا اِسلام نے بھی دُنیا کو کوئی معاشی نظام دیا تھا؟ اگر دیا تھا۔ تو کیا؟

اِسلام کے معاشی اصُول :

گو عصرِ رواں میں اِنسان نے بے اندازہ ترقی کی ہے۔ لیکن ساتھ ہی معاشی ناہمواری۔ اِفلاس اور اِضطراب میں بھی بہت اِضافہ ہُوا ہے۔ دولت مند عیش و بدمستی میں غرق ہیں۔ اور دنیا کی تقریباً اسّی فیصد آبادی نانِ شبینہ کو ترس رہی ہے۔ اِس صُورتِ حال کا مداوا ایک ایسے معاشی نظام سے کیا جا سکتا ہے۔ جو عدل۔ اِحسان۔ اخُوّت۔ محبّت اور اللہ کے خوف پر مبنی ہو۔ جس میں فرد اِس حد تک آزاد ہو۔ کہ وُہ کسبِ رزق کی نئی نئی راہیں تلاش کر سکے۔ اللہ کی راہوں میں دِل کھول کر خرچ کر سکے۔ اگر ریاست کج رَو ہو جائے۔ تو اُسے ہدفِ تنقید بنا سکے اور ہر حال میں رضائے ایزدی کو مُقدّم سمجھے۔

يُسَبِّحُ لَهُ فِيهَا	اللہ کے بندے
بِالْغُدُوِّ وَالْآصَالِ	صبح و شام عبادت گاہوں
رِجَالٌ لَّا تُلْهِيهِمْ	میں اللہ کو پکارتے ہیں۔

---

[1] لیکن اشتراکیت خدا کی منکر اور آزادیٔ فرد کی قائل ہے۔

تِجَارَۃٌ وَّلَا بَیْعٌ عَنْ ذِکْرِ اللّٰہِ وَ اِقَامِ الصَّلٰوۃِ وَ اِیْتَاءِ الزَّکٰوۃِ۔	انہیں تجارت یا خرید و فروخت اللہ کے ذکر اور ادائے صلوٰۃ و زکوٰۃ سے غافل نہیں کر سکتی۔)

(نور - ۳۶-۳۷)

اللہ سے ڈرنے اور انسان سے محبت کرنے والے لوگ کبھی ذخیرہ اندوزی، گراں فروشی اور استحصال کے مرتکب نہیں ہو سکتے۔

عبادت ایک ایسا سانچہ ہے۔ جس میں ڈھلی ہوئی شخصیت سراپا گداز بن جاتی ہے اور اسے صرف خدمت و محبت میں لذت ملتی ہے۔ اسی بنا پر اللہ نے حکم دیا ہے۔ کہ جب نماز کی اذان سنو۔ تو بیع و شریٰ چھوڑ کر فوراً اللہ کے حضور میں پہنچو۔

یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اِذَا نُوْدِیَ لِلصَّلٰوۃِ مِنْ یَّوْمِ الْجُمُعَۃِ فَاسْعَوْا اِلٰی ذِکْرِ اللّٰہِ وَ ذَرُوا الْبَیْعَ۔	(اے ایمان والو! جب جمعہ کے دن نماز کی اذان ہو۔ تو تم اللہ کے ذکر کی طرف دوڑو۔ اور بیع و شریٰ چھوڑ دو)

(جمعہ - ۹)

اسلام کے معاشی نظام میں چند امور تصوّر یا نظام کا درجہ رکھتے ہیں:-

اوّل : کہ اصلی اور حقیقی دُنیا آگے ہے۔ یہ دُنیا محض ایک کھیتی ہے، جس کی فصل ہم اگلی زندگی میں کاٹیں گے۔ کون ایسا احمق ہے جو یہاں گراں فروشی اور استحصال کے کانٹے بو کر وہاں تھوہر اور سانپ کاٹے۔

دوم : کہ اللہ کی راہوں میں خرچ کرنے سے رُوح پاک اور باعظمت بنتی ہے۔

وَ سَيُجَنَّبُهَا الْاَتْقَى الَّذِي يُؤْتِي مَالَهُ يَتَزَكَّى ۔	(نارِ جہنم سے وُہ خدا ترس انسان محفوظ رہے گا۔ جو اپنا مال اللہ کی راہوں میں صرف کرنے کے بعد پاک ہو چکا ہو)
(لیل ۔ ۱۷ - ۱۸)	

زندگی محوِ سفر ہے ۔ اور ایسی بلندیوں کی طرف جا رہی ہے، جہاں اِنفاق و عبادت کے بغیر پہنچنا دُشوار ہے۔

فَلَا اقْتَحَمَ الْعَقَبَةَ وَمَا اَدْرٰكَ مَا الْعَقَبَةُ فَكُّ رَقَبَةٍ اَوْ اِطْعَامٌ فِي يَوْمٍ ذِي مَسْغَبَةٍ يَتِيمًا ذَا مَقْرَبَةٍ اَوْ مِسْكِينًا ذَا مَتْرَبَةٍ ۔	(وُہ گھاٹی پہ چڑھا ہی نہیں ۔ کیا تم جانتے ہو کہ گھاٹی سے مُراد کیا ہے؛ غلاموں کو آزاد کرنا ۔ اور مشکل ایّام میں کسی رِشتہ دار یتیم یا خاک آلُود مسکین کو کھانا کھلانا)
(البلد ۔ ۱۱ - ۱۶)	

سوم : نوعِ اِنسانی ایک کُنبہ ہے ۔ آدم و حوّا کی اولاد ۔ اور رشتۂ اُخوّت میں مُنسلک ۔ کیا کوئی شخص یہ گوارا کرے گا، کہ وُہ خُود تو عیش اُڑا رہا ہو ۔ اور اُس کا بھائی پاس ہی بھوک سے مر رہا ہو۔

یا اَیُّھَا النَّاس	(اے لوگو! اُس اللہ
اتَّقُوا رَبَّکُمُ الَّذِی	سے ڈرو۔ جس نے
خَلَقَکُمْ مِنْ نَفْسٍ	تمہیں ایک باپ سے
وَّاحِدَۃٍ۔	پیدا کیا)

(نساء - ۱)

چہارم: نوعِ انساں کی خوش حالی اور امنِ عالم کا انحصار عدل پر ہے۔
عدل نہ رہے۔ تو کائنات میں فساد کی آگ بھڑک اُٹھے گی۔

حضورؐ صلعم کا ارشاد ہے۔ کہ ابنِ آدم اللہ کا عیال ہے اور خُدا کے ہاں محبوب ترین وہی ہے جو اُس کے عیال کا خیال رکھے:

اَلْخَلْقُ عیال اللہ فاحبھم الی اللہ انفعھم لعیالہٖ۔

(بحوالہ "اسلام کا اِقتصادی نظام"۔
از:- حفظ الرحمان - صہ ۱۰۳)

(نوعِ انساں اللہ کا کنبہ ہے۔ اور اللہ کا محبوب ترین بندہ وہ ہے۔ جو اِس کنبے کے لیے مُفید ترین ہو)

فرد و جماعت:

یورپ میں فرد اس حد تک آزاد ہو چکا ہے کہ وُہ والدین۔ اساتذہ اور حکومت کی کوئی بات نہیں سُنتا۔ وُہ تمام رُوحانی نیز اخلاقی اَقدار کو روند رہا ہے۔ اور لذت پرستی کو مقصدِ حیات سمجھ بیٹھا ہے۔ دُوسری طرف اشتراکی ممالک میں اس حد تک پابند اور مقیّد ہے۔ کہ وُہ اپنی مرضی سے نہ تو کوئی پیشہ اِختیار کر سکتا ہے، اور نہ اپنا

کارخانہ یا کھیت بدل سکتا ہے۔ لیکن اسلام میں یہ صُورت نہیں۔ یہاں فرد آزاد بھی ہے اور پابند بھی۔ یہی پابندیاں اُس کی آزادی کو مفید اور بامعنی بناتی ہیں۔ وہ جماعت پر تعمیری تنقید میں آزاد ہے۔ اور جماعت کی عائد کردہ قیوُد کا پابند۔ وُہ محنت و عمل سے جماعت کو محکم بناتا ہے۔ اور جماعت احتساب سے اُسے توانا رکھتی ہے۔

اِنفرادی ملکیت :

کارل مارکس اور ماؤزے تنگ کی اِشتراکیت میں فرد کسی چیز کا مالک نہیں ہوتا۔ وُہ اپنی تمام ضروریات جماعت (ریاست) سے لیتا ہے۔ لیکن اِسلام شرائط ذیل پر انفرادی ملکیت کی اجازت دیتا ہے :-

اوّل : کہ وُہ اِسراف نہ کرے۔

دوم : عیاشی و بدکاری سے بچے۔

سوم : غربا و مساکین کی مدد کرے۔

چہارم : اور بوقتِ ضرورت تمام فاضل دولت قوم کے حوالے کر دے۔

اِنفرادی ملکیت بوجوہ ذیل ضروری ہے :-

ا : تاکہ ایک کمانے والا آزاد فرد، حکومت پہ تنقید کر سکے۔ اگر ساری قوم حکومت کی وظیفہ خوار ہو۔ تو پھر کسی کو تنقید کی ہمّت نہیں پڑے گی اور حکومت مختلف خرابیوں کا شکار ہو جائے گی۔

ب : تاکہ اہلِ حاجت کو اپنی ہر ضرورت کے لیے دفاتر کا چکّر نہ کاٹنا پڑے۔ یہ کہاں کی دانش ہے کہ لوگ اپنی کمائی حکومت کے حوالے کرنے کے بعد اپنی چھوٹی چھوٹی ضروریات کے لیے کلرکوں کی خوشامد کرتے پھریں۔ اِس سے کئی مزید خرابیاں پیدا ہوں گی :-

اوّل : ہر کلرک اپنے آپ کو رزاق سمجھنے لگے گا۔ اور ممکن ہے۔ کہ
وُہ راشی اور سنگدل بھی بن جائے۔

دوم : کروڑوں انسانوں کی تمام ضروریات بہم پہنچانا کوئی کھیل نہیں۔
اِس سے حکومت کا کام اتنا بڑھ جائے گا۔ کہ وہ شاید اِس سے
بخوبی عہدہ برا نہ ہو سکے۔

سوم : جو آدمی اپنی یومیہ ضروریات کے لیے بار بار کلرکوں کی منت سماجت
کرے گا۔ وُہ ذہناً پست اور اخلاقاً ذلیل ہو جائے گا۔

ج : انفرادی ملکیت سے مُلکی پیداوار میں اضافہ ہوگا۔ اگر ایک مزدور کی محنت
سے خود اُسے کوئی فائدہ نہ پہنچے۔ اور سارا منافع ریاست یا آقا کی جیب میں
چلا جائے۔ تو وُہ بہت جلد کام سے اُکتا جائے گا۔ اور پیداوار کم ہو جائے گی
یہ بات رُوس میں ہو چکی ہے۔ کہ وہاں کے مزدوروں اور کسانوں میں بددِلی پیدا
ہو گئی۔ اور رُوس غلّے کے لیے امریکہ کی خوشامد کرنے لگا۔ رُوس نے اِس بددِلی کو
دُور کرنے کے لیے ۱۹۶۲ء میں دو قدم اٹھائے۔

اوّل : دو فی صد زمین کسانوں کی ملکیت میں دے دی۔ آج اِس دو فیصد
سے رُوس کا چھتیس فیصد غلّہ پیدا ہو رہا ہے۔

دوم : زیادہ کام کرنے والے مزدوروں اور کسانوں کی اُجرت
بڑھا دی۔

مشرقی یورپ کے تمام اشتراکی ممالک میں زمین افراد کی ملکیت ہے اور صنعت
ریاست کی۔ رُومانیہ میں ہر شخص کو دس لاکھ تک روپیہ جمع کرنے کی اجازت ہے
بشرطیکہ وُہ فریب۔ فیغرہ اندوزی اور استحصال سے کام نہ لے۔

د : اسلام میں انفاق حصولِ مسرت، اور آخروی سعادت کا وسیلہ ہے۔

اِس سے رُوح میں پاکیزگی۔ اور شخصیت میں بالیدگی آتی ہے۔ یہ روابطِ محبّت کو مستحکم اور انسان کو آسمانی لذات سے آشنا کرتا ہے۔ لینے میں وُہ لذّت کہاں، جو دینے میں ہے۔ اِحسان۔ مہمان نوازی۔ فیّاضی۔ غریب پروری۔ علم نوازی اور اِسی نوع کی دِیگر صفات۔ جو حاصلِ اِنسانیت ہیں۔ سب جُود و کرم کا نتیجہ ہیں۔ چُونکہ خالص اِشتراکیت میں فالتُو رقم کِسی کے پاس نہیں ہوتی۔ اِس لیے وُہ لوگ اِن بلند اخلاقی محاسن سے محروم رہتے ہیں۔

اِشتراکیت میں سب سے بڑی چیز ریاست ہے۔ وہ لوگ سب کچھ ریاست کے لیے کرتے ہیں۔ لیکن یہ منزل انسان کی لامحدُود آرزُوں کو مطمئن نہیں کر سکتی۔ اِنسان کی رُوح ازلی و ابدی ہے۔ اور وُہ ایسے مقاصد کی تلاش میں رہتی ہے۔ جو لافانی ہوں۔ چونکہ اِشتراکیت نے غیر فانی اَقدار کا تصوّر ہی مٹا دیا ہے۔ اِس لیے وہاں ارواح میں اضطراب پیدا ہو گیا ہے۔ پولینڈ۔ ہنگری۔ چیکوسلاویکیہ اور بلغاریہ اِشتراکیت سے نِکلنے کے لیے بے تاب نظر آتے ہیں۔ خُود رُوس میں خاموش انقلاب آ رہا ہے۔ اور حال ہی میں وہاں محدُود شخصی ملکیت کی اجازت دے دی گئی ہے۔ اِنسان محض حیوان نہیں، کہ ہمیشہ پیٹ کی فِکر میں رہے۔ وُہ اللہ کی بہترین تخلیق ہے۔ عقل و فِکر کے نُور سے مزیّن۔ اور وِجدان کے دیدۂ بینا سے آراستہ۔ قطرہ میں دجلہ، اور ذرّہ میں آفتاب کا منظر دیکھنے والا۔

ع فرشتہ صید۔ پیمبر شکار و یزداں گیر

اِسے ریاست کے کھلونے سے کب تک بہلایا جا سکتا ہے؟ یہ فخر صرف اِسلام کو حاصل ہے کہ اِس نے اللہ کو مرکزِ کائنات مان کر اُس کی رضا کو مقصدِ حیات بنا لیا۔

وَمَثَلُ الَّذِيْنَ	(جو لوگ اپنا مال
يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمُ	اللہ کی رضا جوئی، اور

اَبْتِغَاءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ	استحکام خودی کے لیے صرف
وَتَثْبِيتًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ	کرتے ہیں۔ اُن کے اِنفاق کو
كَمَثَلِ جَنَّةٍ بِرَبْوَةٍ	ایک ایسا باغ تصوّر کرو۔ جو کسی
اَصَابَهَا وَابِلٌ فَاٰتَتْ	ٹیلے پہ واقع ہے۔ جب اُس پر
اُكُلَهَا ضِعْفَيْنِ فَاِنْ	بارش برسی۔ تو اُس کا پھل دُگنا
لَّمْ يُصِبْهَا وَابِلٌ فَطَلٌّ	ہو گیا۔ اگر بارش نہ برستی۔ تو
وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ۔	شبنم بھی کام دے جاتی۔ لاریب۔
(البقرہ ۔ ۲۶۵)	اللہ تمہارے عمل کو دیکھ رہا ہے)

ایک مسلمان کی زندگی ۔ موت اور محنت صرف اللہ کے لیے ہوتی ہے۔ اُسے دولت کے انباروں سے کوئی ذاتی دلچسپی نہیں ہوتی۔ وہ اِس لیے کماتا ہے۔ کہ اپنی ضروریات پوری کرنے کے بعد دوسروں کی بھی مدد کر سکے۔

فَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى	(رشتہ دار۔ مسکین اور
حَقَّهٗ وَالْمِسْكِيْنَ	مسافر کو اس کا حق دو۔
وَابْنَ السَّبِيْلِ ذٰلِكَ	اِسی میں اُن لوگوں کی
خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ يُرِيْدُوْنَ	بہتری ہے۔ جو اللہ کی
وَجْهَ اللّٰهِ ۔	رضا چاہتے ہیں)
(رُوم ۔ ۳۸)	

اس سلسلے میں والدین کو جو ہمارے مجازی خالق و مربّی ہیں۔ تقدّم حاصل ہے

قُلْ مَا اَنْفَقْتُمْ	(اے رسول! انہیں کہو کہ اپنا
مِّنْ خَيْرٍ فَلِلْوَالِدَيْنِ	مال والدین ۔ اقارب ۔ یتامیٰ اور
وَالْاَقْرَبِيْنَ وَالْيَتٰمٰى	مساکین پہ خرچ کرو)

وَ الْمَسَاكِيْن۔

(بقرہ - ۲۱۵)

جب اللہ کا یہ وعدہ ہے۔ کہ جو کچھ ہم خرچ کریں گے۔ وُہ اللہ پہ قرض ہے اور پائی پائی لوٹا دیا جائے گا۔ تو ہم کیوں خرچ نہ کریں۔

وماتنفقوا من خیرٍ	(تم جو کچھ بھی خرچ کرو گے
یُوَفَّ اِلیکُمْ۔	وُہ یہاں یا عُقبیٰ میں پُوری طرح
(بقرہ - ۲۷۲)	واپس کر دیا جائے گا)

اِفلاس و دولت کے نتائج :

اِفلاس بھی لعنت ہے۔ اور دولت بھی۔ دولت کی افراط عیاشی۔ بدکاری۔ غرور اور اِضطراب پیدا کرتی ہے۔ اور اِفلاس کے بطن سے چور۔ اُچکے۔ بھڑوے۔ نوسرباز۔ خوشامدی۔ جیب کترے۔ کرائے کے قاتل۔ اور غدار جنم لیتے ہیں۔ درست کہا تھا امیر مینائی نے :-

اِفلاس و دولت دونوں سے ہوتا ہے دُنیا میں ضرر
اِس سانپ کے ہاں دو دہن ایک اِس طرف ایک اُس طرف

اِس کا علاج یہی ہے۔ کہ دولت کماؤ، اور اسے اللہ کی راہ میں خرچ کر ڈالو۔

فَاَمَّا مَنْ اَعْطٰی	(اللہ کی راہوں میں
وَ اتَّقٰی وَ صَدَّقَ	خرچ کرنے والے۔ خدا
بِالْحُسْنٰی۔ فَسَنُیَسِّرُہٗ	سے ڈرنے والے اور
لِلْیُسْرٰی۔ وَ اَمَّا مَنْ	صداقت کو تسلیم کرنے
بَخِلَ وَ اسْتَغْنٰی	والے پہ ہم سعادت

وَكَذَّبَ بِالْحُسْنٰى فَسَنُيَسِّرُهٗ لِلْعُسْرٰى ۔
(لیل - ۵-۱۰)

اور مسرت کی راہیں کھول دیں گے۔ دوسری طرف انسانوں کی مصائب سے لاپرواہ اور سچ کی تکذیب کرنے والے کنجوس کو ہم مصائب کا شکار بنائیں گے)

اگر انفرادی ملکیت نہ ہو۔ تو ہماری اہلیتوں کا امتحان کیسے ہوگا؟ اور یہ کیسے پتہ چلے گا، کہ ہم میں کریم کون ہے اور بخیل کون؟ اللہ کا مطیع کون ہے اور نافرمان کون؟ سعادت مند بیٹا کون سا ہے اور ناخلف کون؟ ایک آدمی سے اُس کی دولت چھین لینے کے بعد ہم اُس کے ایثار کا امتحان کیسے لے سکتے ہیں؟ انسان کو سیم و زر سے بے اندازہ محبت ہوتی ہے۔ اور اس محبت کی قربانی دیئے بغیر وہ زندگی کی بلندیوں کو کبھی نہیں پا سکتا۔

كَلَّا بَل لَّا تُكْرِمُونَ الْيَتِيمَ وَلَا تَحَاضُّونَ عَلٰى طَعَامِ الْمِسْكِينِ وَتَاْكُلُونَ التُّرَاثَ اَكْلًا لَّمًّا وَتُحِبُّونَ الْمَالَ حُبًّا جَمًّا ۔
(الفجر - ۱۷-۲۰)

(تم یتیم کی پرواہ نہیں کرتے، نہ مسکین کو کھانا کھلانے کی ترغیب دیتے ہو، تم مرنے والوں کا ترکہ سمیٹ کر کھا جاتے ہو، اور مال سے بے پناہ محبت کرتے ہو)

وَهُوَ الَّذِي جَعَلَكُمْ خَلٰٓئِفَ الْاَرْضِ وَرَفَعَ بَعْضَكُمْ فَوْقَ

(اللہ نے تمہیں زمین پر اپنا نائب بنایا اور بعض کو بعض پر فوقیت دی۔ تاکہ وہ اپنی عطا کردہ

بَعْضٍ لِيَبْلُوَ كُمْ	دولت کے بارے میں تمہارے
فِيمَا آتَاكُمْ۔	ظرف کا امتحان لے)

(انعام - ۱۶۶)

شخصی ملکیت کے ذرائع :

اسلام میں جائز ذرائع آمدنی یہ ہیں :-

۱ : تجارت - جس میں احتکار (ذخیرہ اندوزی) و ارتکاز (جمع دولت) نہ ہو۔

من احتكر فهو	(ذخیرہ اندوز گناہ گار
خاطئٌ۔	ہے۔)

(مسلم - ترمذی)

من احتكر طعاماً	(جو شخص چالیس دن
أربعين يوماً فقد	تک غلّہ روک رکھے گا۔
برئ من الله و	وہ اللہ سے اور اللہ اُس سے
برئ الله منه۔	دُور ہو جائے گا)

(مسند - امام احمد)

وَالَّذِينَ يَكْنِزُونَ	(جو لوگ سیم و زر
الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ	جمع کرتے، اور اللہ کی
وَلَا يُنْفِقُونَهَا	راہ میں خرچ نہیں کرتے۔
فِي سَبِيلِ اللهِ	اُنھیں خوفناک عذاب کی
فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ أَلِيمٍ۔	خبر سُنا دو)

(توبہ - ۳۴)

حضورؐ صلعم اِس معاملے میں اِس قدر محتاط تھے۔ کہ رحلت سے ایک دِن پہلے حضرت عائشہؓ کو بلا کر فرمایا :

"عائشہؓ ! میرے سرہانے کے نیچے دو دِینار رکھے ہیں۔ انھیں فوراً اللہ کی راہ میں دے ڈالو۔ ورنہ میرا رب مجھ سے بدگمان ہو کر ملے گا۔" (سیرت النبیؐ - شبلی)

گو حضور صلعم کی رحلت کے وقت آپ کی ازواجِ مُطہرات میں سے نو زندہ تھیں۔ لیکن آپؐ نے اُن کے لیے کچھ بھی جمع نہ کیا۔ کیونکہ رزق کی کفالت اُس ریاست کا فرض تھا۔ جو حضور صلعم نے خود قائم کی تھی۔

ب : مُزد و محنت ۔

لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِمَّا كَتَبُوا وَلِلنِّسَاءِ نَصِيبٌ مِمَّا اكْتَسَبْنَ ۔ (اپنی اپنی کمائی میں مرد و زن ہر دو کا حِصّہ ہے)

(نساء - ۳۲)

"حِصّہ" کا لفظ قابلِ غور ہے۔ مطلب یہ کہ کمانے والا اپنی کمائی کے صرف ایک حِصّے کا مالک ہے۔ باقی یا تو عزیزوں میں تقسیم ہوگا۔ یا ریاست لے لے گی۔

وَفِي أَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِلسَّائِلِ وَالْمَحْرُومِ ۔ (اُن کی دولت پر سائل و محروم کا بھی حق ہے)

(ذاریات - ۱۹)

إِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْعَبْدَ الْمُحْتَرِفَ ۔ (اللہ کمانے والے بندے کو پسند کرتا ہے)

(حدیث)

الکاسِبُ حبیبُ اللّٰہِ۔ (حدیث) (کمانے والا اللہ کا دوست ہے)

حکایت :

ایک مرتبہ ایک مزدور حضور صلعم سے ملنے آیا۔ آپ نے اُس کے کھُردرے اور مَیلے ہاتھ دیکھ کر پُوچھا۔ کہ تمہارے ہاتھوں کو کیا ہُوا ہے؟ کہا۔ حضور! مَیں چٹانیں کاٹ کر روزی کماتا ہُوں۔ یہ سُن کر آپ نے اُس کے دونوں ہاتھ چُوم لیے۔

(سنن ابنِ ماجہ)

ج : بنجر زمین کی آبادی۔ حضور صلعم کا ارشاد ہے :-

مَنْ اَحْیا ارضاً مَیتاً فَھُوَ لَہٗ۔ (جو شخص کسی بنجر زمین کو آباد کرے گا۔ وُہ اُس کا مالک بن جائے گا)

(بحوالہ اسلام میں نظامِ عدل صہ ۲۲۳)

د : وراثت۔ جس کی تفصیل قرآن میں ہے۔

ہ : شکار سے حاصل کردہ اشیاء، مثلاً : ہرن۔ خرگوش۔ نیل گائے۔ حلال پرندے۔ موتی۔ مرجان وغیرہ۔

و : عطیات و ہدایا۔

شخصی ملکیت میں ریاست کی مداخلت :

ہر فرد روزی کمانے میں آزاد ہے۔ وُہ چاہے تو دن میں ایک لاکھ کمائے۔ لیکن خُدائی حدُود کی پابندی اُس پر لازم ہو گی۔ یعنی :-

ا : وہ اپنی دولت میں نہ اسراف کرے گا، نہ تبذیر۔ جائز تقاریب، مثلاً :۔ شادی۔ غم۔ ختنہ وغیرہ پر فضول خرچی اسراف ہے۔ اور ناجائز اشیاء، مثلاً :۔ شراب ورقص پر خرچ تبذیر کہلاتا ہے۔ دونوں صورتوں میں ریاست مداخلت کرے گی۔ (ابن قدامہ :۔ المغنی۔ ج۔ ۴ ص ۳۴۴)

كُلُوا وَ اشْرَبُوا وَلَا تُسْرِفُوا إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِينَ۔ (کھاؤ۔ پیو۔ لیکن اسراف نہ کرو۔ کہ اللہ مسرفین کو پسند نہیں کرتا)

(اعراف۔ ۳۱)

وَآتِ ذَا الْقُرْبَىٰ حَقَّهُ وَالْمِسْكِينَ وَابْنَ السَّبِيلِ وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِيرًا۔ إِنَّ الْمُبَذِّرِينَ كَانُوا إِخْوَانَ الشَّيَاطِينِ۔ (اپنی کمائی میں سے رشتہ داروں، مسکینوں اور مسافروں کا حق ادا کرو۔ اور عیاشی میں دولت برباد مت کرو۔ کہ عیاش شیطان کے بھائی ہیں)

(بنی اسرائیل۔ ۲۶۔۲۷)

ب : وہ آمیزش سے بچے گا۔

ج : اپنی مصنوعات کا معیار گرنے نہیں دے گا۔

د : ناجائز درآمد اور ذخیرہ اندوزی سے اجتناب کرے گا۔

(ہدایہ۔ ج۔ ۴۔ باب الکراھیۃ)

ہ : احتلاف جماعت میں بیع و شراء نہیں کرے گا۔

و : قیمتوں۔ اجرتوں۔ جائیداد کے کرائے اور شرح منافع کو مناسب

حدود سے بڑھنے نہیں دے گا۔ ورنہ ریاست اُسے سزا دے گی۔

(امام ابنِ تیمیہ :۔ الحسبۃ فی الاسلام صہ ۱۴)

ط : وُہ سُود اور سٹہ بازی سے بچے گا۔

ح : اور تمام شرعی واجبات مثلاً زکوٰۃ۔ فدیہ۔ فطرانہ وغیرہ ادا کرے گا۔

تقسیمِ دولت کی اِسلامی راہیں :

ہر چیز کا مالک اللہ ہے۔ قرآن میں بار بار آتا ہے :

لہٗ ما فی السمٰوٰت وما فی الارضِ۔ (زمین و آسمان میں ہر چیز کا مالک اللہ ہے)

اور ہم اُس کے نائب ہیں یا خلیفہ :

فانفقوا مما جعلکم مستخلفین۔ (تم اُس مال سے خرچ کرو۔ جو اللہ نے بطورِ خلیفہ و نائب تمہارے سپرد کیا ہے)

(حدید - ۷)

اِس سے واضح تر یہ آیت ہے :

واٰتوھم من مالِ اللہِ الذی اٰتاکم۔ (تم حاجت مندوں کو اُس مال میں سے دو۔ جو اللہ نے تمہیں عطا کیا ہے)

(نُور - ۳۳)

جب مال کا حقیقی مالک اللہ ہے۔ اور ہم محض نائب۔ تو ہمارا یہ فرض ہے، کہ آقا کی مرضی کے مُطابق عمل کریں۔ اور صرف اُن راہوں پہ خرچ کریں۔ جو اللہ نے تجویز کی ہیں۔ اور وُہ یہ ہیں :۔

ا :۔ زر۔ زیور اور مویشیوں میں زکوٰۃ۔

۲ : عُشر (بارانی زمین) یا خمس (نہری زمین)
۳ : فدیہ و فطرانہ۔
۴ : میراث۔
۵ : سرکاری واجبات (زکوٰۃ کے علاوہ)
۶ : والدین۔ اقارب۔ مساکین۔ یتامیٰ اور دیگر حاجت مندوں پر خرچ۔
۷ : مساجد و مدارس کی تعمیر۔
۸ : صدقات۔
۹ : کسی فوری ضرورت۔ مثلاً :۔ جنگ۔ سیلاب۔ قحط یا وباء میں تمام فاضل دولت۔

فاضل دولت :

قرآن کا حکم ہے۔ کہ لوگوں سے تمام زائد از ضرورت دولت لے لو :

خُذِ الْعَفْوَ وَ أْمُرْ بِالْعُرْفِ۔ (اعراف۔ ۱۹۹)

(تمام زائد از ضرورت دولت لے لو، اور لوگوں کو جود و احسان کا حکم دو)

چونکہ انسانوں کے کئی طبقات ہیں، مثلاً :۔ تاجر۔ کسان۔ مزدور۔ حاکم۔ معلم۔ قاضی۔ عالم۔ ادیب۔ مصنف وغیرہ۔ اور ہر طبقے کی ضروریات جُدا جُدا ہیں۔ ایک موچی یا لوہار کا کام تو ایک سو روپے سے بھی چل سکتا ہے۔ لیکن ایک عالم کو لائبریری چاہیئے۔ جس پر ہزاروں روپے صرف ہوتے ہیں۔ اس لیے حکومت کا یہ فرض ہے، کہ وُہ فاضل دولت لینے وقت صاحب مال کی ضروریات کو پیش نظر رکھے۔ وُہ یہ بھی دیکھے۔ کہ اُس کے متعلقین کی تعداد کیا ہے۔ وُہ کتنے افراد کو پال رہا ہے۔

اُن کی پرورش۔ تعلیم اور شادی وغیرہ پر کُل خرچ کی میزان کیا ہوسکتی ہے۔ اِن تمام اخراجات کا پُورا جائزہ لینے کے بعد ہی ریاست فاضل دولت پر قبضہ کرے۔ اِس ضمن میں وُہ زمین بھی شامل ہے۔ جو بے کار پڑی ہو، یا اُس میں تین سال سے کاشت نہ ہُوئی ہو۔ اس قسم کا ایک قانون پاکستان میں بھی موجُود ہے۔ کہ جس زمین میں پانچ برس تک کاشت نہ ہُوئی ہو۔ اُس پر حکومت قبضہ کرلے۔

حدیث میں وارد ہے۔ کہ حضورؐ صلعم نے حضرت بلالؓ کو ایک وسیع و عریض خطۂ زمین عنایت کیا تھا۔ جب حضرت عمرؓ کا زمانہ آیا۔ تو آپ نے زمین کا خُود کاشت حصہ تو رہنے دیا، اور باقی پہ قبضہ کر لیا۔

(بحوالہ "اِسلام اور جاگیرداری نظام
از:۔ مولانا رحمت اللہ طارق۔ صہ ۸۷)

غیر مساوی تقسیمِ رِزق :

رِزق کی غیر مساوی تقسیم اِنسانی ضروریات کے عین مُطابق ہے۔ ایک عالم کو کتابیں چاہئیں اور ایک غازی کو اسپ، شمشیر اور زِرہ۔ ظاہر ہے، کہ ان کی ضروریات پر باقی لوگوں کی نسبت زیادہ خرچ ہوگا۔ پھر کمانے والوں کی صلاحیتوں میں بھی بڑا فرق ہوتا ہے۔ جوان بوڑھے سے۔ مرد عورت سے۔ اور باہُنر بے ہُنر سے زیادہ کماتے ہیں۔ نظامِ زندگی کا تقاضہ یہی ہے کہ تقسیمِ رزق غیر مساوی ہو۔ لیکن یہ فرق ایسا نہ ہو۔ کہ طبقاتی جنگ شروع ہوجائے۔ اِس وقت دُنیا میں تقریباً ایک سو چالیس ریاستیں ہیں۔ اِن میں سے بعض بہُت امیر ہیں۔ مثلاً امریکہ۔ جہاں ہر فرد کی سالانہ آمدنی آٹھ ہزار روپے کے قریب ہے، اور کچھ بہُت غریب۔ مثلاً افغانستان، جہاں سال میں فی کس آمدنی ایک سو تیس روپے ہے اور پاکستان میں چار سو روپے۔ اگر ان ممالک میں

آمدنی برابر برابر تقسیم کر دی جائے۔ تو امیر ممالک میں سے مزدور، کسان، تیلی، نائی، حلقے اور کاریگر سب فوراً غائب ہو جائیں۔ جس شخص کو بیٹھے بٹھائے آٹھ ہزار روپے سالانہ مل جائیں، وہ دوسروں کا فضلہ کیوں اٹھانے لگا۔ رہے غریب ممالک، تو ان میں نہ کوئی ورکشاپ نظر آئے گی، نہ کارخانہ۔

نَحْنُ قَسَمْنَا بَيْنَهُمْ مَعِيشَتَهُمْ	(ہم نے لوگوں کی روزی
فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا	اس دنیا میں (بعض اختیاری حکمتوں)
وَرَفَعْنَا بَعْضَهُمْ	کو سامنے رکھ کر) یوں تقسیم کی ہے
فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجَاتٍ لِيَتَّخِذَ	کہ بعض کو زیادہ دی ہے اور
بَعْضُهُمْ بَعْضًا سُخْرِيًّا۔	بعض کو کم، تاکہ وہ ایک دوسرے
(زخرف - ۳۲)	سے کام لے سکیں)

اسلامی ریاست معاش کی کفیل ہے :

گو اللہ نے جا بجا حکم دیا ہے کہ تم محنت سے اپنی روزی کماؤ۔ بلکہ بقدرِ ہمت دوسروں کو بھی کھلاؤ۔ لیکن بے نواؤں، بوڑھوں، بیواؤں، یتیموں اور معذوروں کے لیے اس حکم کی تعمیل ممکن نہیں۔ ان کے لیے اسلام نے دو راستے تجویز کیے ہیں :

اوّل : کہ ہر شہر، محلہ اور بستی کے اغنیاء اپنے اپنے فقراء کو سنبھالیں۔

علامہ ابن حزم کا قول ہے :

وَفُرِضَ عَلَى أَغْنِيَاءِ	(ہر بستی کے اربابِ دولت
كُلِّ بَلَدٍ أَنْ يَقُومُوا	کا فرض ہے کہ وہ فقراء
بِفُقَرَائِهِمْ إِنْ لَمْ	و مساکین کی پرورش کریں۔
يَفْعَلُوا ذَالِكَ يُجْبِرُهُمْ	اگر وہ ایسا نہ کریں تو خلیفہ.

السلطانُ علی ذٰلک ۔	انھیں مجبور کرے ۔)

(محلّٰی ج-۶ ، ص۱۵۷)

حضرت علیؓ سے روایت ہے :

قال رسولُ اللہ صلعم	(حضور صلعم نے فرمایا۔
انّ اللہَ فرضَ علی	کہ اللہ نے اغنیاء پر
اَغنیاءِ المُسلمین ،	غربا کی پرورش لازم
فی اموالِھم بقدرِ الّذی	کر دی ہے)
یَسَعُ فُقراءَ ھُم۔	

(طبرانی : معجم الصغیر۔ ص۹۱)

دوم : اگر انفرادی کوششیں ناکافی ثابت ہوں ، تو اس فرض کو ریاست ادا کرے ۔

عن سلمان قال	(سلمانؓ کی رائے میں
انّ الخلیفۃ ھُوَ الّذی	خلیفہ وُہ ہے۔ جو کتابُ اللہ
یقضی بکتابِ اللہ	کے مُطابق فیصلے کرے ۔
ویشفق علی الرعیۃِ	اور عوام پر یُوں مہربان ہو۔
شفقۃ الرجلِ علی اھلہٖ۔	جیسے باپ بچّوں پر)

(ابوعبیدہ : کتاب الاموال ۔ ص۹)

حضور صلعم کا ارشاد ہے :-

ما مِن اِمامٍ یغلق	(اگر کوئی امام حاجت مندوں
بابہٗ دُونَ ذوِی الحاجۃِ	غریبوں اور مسکینوں پہ اپنا
والخلّۃِ والمسکنۃِ	دروازہ بند کر دے ۔ تو

اِلاَّ اَغلَقَ اللهُ اَبْوَابَ السَّمَاءِ دُونَہٗ۔ (اللہ اُس پر آسمانوں کے دروازے بند کر دیتا ہے)

(ترمذی - کتاب الاحکام)

حدیث میں ہے :-

مَنْ تَوَفّٰی وَ عَلَیْہِ دَیْنٌ فَعَلَیَّ قَضَاؤُہٗ۔ (اگر کوئی شخص قرض ادا کیے بغیر فوت ہو جائے (اور اُس کے وارث بے بس ہوں) تو اُس کا قرض میں (بیت المال سے) ادا کروں گا)

(ابو عبید: کتاب الاموال - ص۲۲۰)

ایک اور حدیث ہے :-

من ترکَ مالاً فلاَھلہٖ ومن ترکَ ضیاعاً فالیَّ۔ (اگر کوئی متوفی مال چھوڑ جائے تو وُہ وارثوں کا ہے۔ اور اگر بے نوا عیال چھوڑ جائے۔ تو وُہ میرا ہے)

(ترمذی - بابُ الفرائض)

ایک مرتبہ فارُوقِ اعظمؓ نے فرمایا :-

ایّھا النّاس اِنَّ اللہَ قد کلّفنی ان اصرف عنہ الدعاء۔ (اے لوگو! میرے خدائی فرائض میں سے ایک یہ بھی ہے۔ کہ میں غریبوں اور مُصیبت زدوں کی ہر مُمکن مدد کروں اور اُن کی دُعائیں اللہ تک نہ جانے دُوں)

(عزّ الدین بن عبد السلام کی قواعد الاحکام فی مصالح الانام - ج ۱ ، ص ۱۲۸)

نیک اور موقعہ پر کہا :۔

إنّي لأستحيي من الله أن لا أرى حاجةً إلّا سددتها۔

(میں اس بات سے حاجت کو دیکھ کر اس کی مدد کئے بغیر تائب ہو جاتا ہوں)

(البدایۃ والنہایۃ ج ۔ ۷ ص ۱۴۴ وطبری ص ۴/۲۴۲۴)

نیز ارشاد فرمایا ہے :۔

من أراد أن يسألني عن المال فليأتني فإنّ الله جعلني خازنًا وقاسمًا۔

(جو شخص مجھ سے مال لینا چاہتا ہے ۔ وہ فوراً میرے پاس آجائے ۔ کیوں کہ میں اللہ کا خزانچی اور قاسم ہوں)

(ابن الجوزی ۔ سیرۃ عمر بن الخطاب ص ۱۰۱)

ارشاد ذیل بھی آپ ہی کی طرف منسوب ہے :۔

لو ماتت جملٌ على شطّ الفرات لخشيت أن يسألني الله عنه۔

(اگر کوئی اونٹ فرات کے کنارے مر گیا ۔ تو مجھے خوف ہے کہ اللہ مجھ سے باز پرس کرے گا)

([illegible])

نیز فرمایا :۔

"اگر میری قلمرو میں کوئی خارشتی بکری بے علاج رہ گئی تو اللہ میرا محاسبہ کرے گا" (البقرۃ المسبوکہ از امام غزالی۔ صفحہ ۱۲۱)

ایک دفعہ کہا :-

"تمام اربابِ حاجت مند مجھ تک نہیں پہنچ سکتے۔ اگر میں سال بھر زندہ رہا تو شام۔ الجزیرہ۔ مصر۔ بحرین۔ کوفہ اور بصرہ جاؤں گا وہاں دو دو مہینے رہوں گا تاکہ ان کی حاجتیں پوری کر سکوں"

(طبری۔ صفحہ ۲۷۴۴/۱)

آپ نے ایک مرتبہ حضرت ابو موسیٰ اشعری والی بصرہ کو لکھا :-

أوسعوا الناس	(لوگوں کو گھروں میں
في بيوتهم	فراخی دو۔ اور ان کے عیال
أطعموا عيالهم	کو کھانا کھلاؤ)

(طنطاوی: سراج الملوک صفحہ ۱۰۹)

خلیفۂ اوّل و دوم دونوں کی یہ پالیسی رہی کہ مالی تفاوت کو کم کر کے معاشی طبقات کو ختم کر دیا جائے

ایک دفعہ مدینہ میں مالِ غنیمت آیا اور کسی نے سیدنا ابو بکرؓ سے حسبِ مدارج تقسیم کرنے کو کہا تو آپ نے فرمایا :-

هذا معاشٌ	(یہ ذریعۂ معاش ہے
فالأسوة فيه خيرٌ	اس میں مساوات ترجیح
من الأثرة	سے بہتر ہے)

(ابو یوسف: کتاب الخراج صفحہ ۲۵)

ایک ایسے ہی موقع پر حضرت عمرؓ نے کہا تھا :-

لئن بقیتُ اِلی الحولِ لاَلحِقَنَّ اسفلَ النّاسِ بِاَعلاھِم۔	(اگر میں ایک سال اور زندہ رہا۔ تو اسفل کو اعلیٰ کے برابر کر دوں گا)

(طبقاتِ سعد۔ ج۔۳۔ ص۳۰۱)

یہ ارشاد بھی آپ ہی کا ہے :۔

"اگر لوگوں کی ضروریات پوری کرنے کے لیے مجھے مال نہ ملتا، تو میں غربا کو لوگوں میں بانٹ دیتا، اور ہر گھر کو اُتنے غریب دیتا، جتنے گھر کے آدمی۔" (طبقاتِ سعد، ج ۳۔ ص۳۱۷)

اور یہ بھی :۔

لوِ استقبلتُ مِن امری ما استدبرتُ لاخذتُ فضولَ اموالِ الاغنیاءِ فَقَسَمْتُھا علی فُقراءِ المھاجرین۔ (محلّٰی۔ ج ۶۔ ص۱۵۸)	(جو بات مجھے بعد میں سُوجھی ہے۔ اگر پہلے سُوجھتی۔ تو میں اغنیاء سے اُن کی زائد از ضرورت دولت چھین کر مُہاجر، فُقراء میں تقسیم کر دیتا)

حضور پُر نورؐ کا ارشاد ہے :۔

ثلاثۃٌ کُلُّھم حقٌ علی اللہِ عونہٗ الغازی فی سبیلِ اللہِ والمکاتِبُ الّذی یرید الاداءَ والنّاکحُ الّذی	(تین آدمی ایسے ہیں۔ جن کی مدد کرنا اللہ (ریاست) کا حق ہے۔ اوّل۔ غازی۔ دوم۔ وُہ غلام جو آزادی کی قیمت ادا کرنا چاہتا ہو۔

يريدُ التعفف۔	اور سوم. وہ شخص جو نکاح کرکے پاکیزہ زندگی گزارنا چاہتا ہو)
(ابنِ ماجہ ۔ باب العتق)	

عمر بن عبدالعزیز نے اپنے اعمال کو حکم دیا تھا۔ کہ جن لوگوں کے پاس شادی کا خرچ نہ ہو، انھیں بیت المال سے دو۔

(ابن الجوزی :- سیرت عمر بن عبدالعزیز ۔ ص ۱۵۴)

نیز ہدایت کی تھی۔ کہ بوڑھوں۔ معذوروں اور نابیناؤں کو سرکاری خرچ پر خادم مہیا کرو۔

(عبدالحکم : سیرت عمر بن عبدالعزیز۔ ص ۶۷)

حضرت عمرؓ کی وظائف بندی :

کُتبِ تاریخ میں مذکور ہے، کہ حضرت عمرؓ نے:-

كتب الناس على قبائلهم وفرض لهم العطاءَ۔	(قبائل وار لوگوں کی فہرست بنوائی اور پھر اُن کے وظائف باندھ دیے)

(طبری۔ ج ۵ ۔ ص ۲۲)

ابُو عبیدؒ کی کتاب الاموال میں درج ہے :

فلمّا كثرت الاموالُ في ايامِ عمرَ و وضعَ الديوانَ فرضَ الرواتبَ للعمّال والقضاةِ و منعَ	جب حضرت عمرؓ کے زمانے میں مال کی کثرت ہوگئی۔ تو آپ نے ایک رجسٹر تیار کرایا۔ ملازمینِ حکومت اور قاضیوں کے وظائف

إذ خانت العمال	باندھو یہ اور جمع مال سے
(بحوالہ اسلام کا اقتصادی نظام	قائم کر رکھ دیا)

ص ۱۳۹)

نیز ذکر ہے کہ :-

كتب عمر بن الخطاب	(حضرت عمرؓ نے اپنے
إلى بعض عماله	بعض عُمّال کو لکھا کہ قرآن
أن يعطي الناس على	پڑھنے والوں کے وظائف
تعليم القرآن	باندھ دو۔)

(کتاب الاموال ابو عبید ص ۲۶۱)

جب دورِ صدیقی میں خالد بن ولید نے حیرہ کو فتح کیا۔ تو معاہدہ کی ایک شرط یہ بھی تھی کہ تمام بے روزگار۔ غریب۔ معذور اور ضعیف ذمی جزیہ سے مستثنیٰ ہوں گے اور انہیں بیت المال سے روزی ملے گی۔

(کتاب الخراج از امام ابو یوسف ص ۱۴۴)

امام شافعیؒ (کتاب الام) اور ابن حزمؒ (محلیٰ) [illegible]

شرح وظائف :

تفاصیل بالا سے ظاہر ہے کہ اسلامی حکومت کا فرض تمام بے روزگار۔ غریب۔ ضعیف اور معذور لوگوں کو روزی مہیا کرنا۔ نادار طلباء کے وظائف باندھنا، اور ہر شخص کو اس کی ضروریات فراہم کرنا ہے۔ چونکہ ایک عالم کی ضروریات ایک عام آدمی سے الگ ہوتی ہیں۔ اسے کتابوں کی بھی ضرورت پڑتی ہے اس لیے اس کا وظیفہ عام وظیفے سے کئی گنا زیادہ ہو گا۔

اِمام ابُو عُبَید کا قول ہے :-

ھیأ ما لهم من	(لوگوں کو بیت المال
المال بقدرِ سعیهم	سے اُن کی کوشش اور
و عُمَالتهم۔	کام کی نوعیت کے مُطابق
(کتاب الاموال۔ ص ۲۰۶)	وظیفہ ملے گا)

یہ اِنتظام اُسی صورت میں ہو سکتا ہے کہ ہر فرد بقدرِ ہمت کام کرے۔ جماعت تمام وسائلِ پیداوار (زراعت۔ معادن۔ کوئلہ۔ تیل۔ فولاد۔ صنعت وغیرہ) سے کام لے کر مُلک کو اِتنا دولت مند بنا دے کہ دفاع۔ تعلیم، صحت، نظم و نسق وغیرہ کے مصارف پُورے کرنے کے بعد بے نوا لوگوں کے لیے بھی بہت کچھ بچا رہے۔

اِسلامی ریاست کی آمدنی :

اِمام مالک[1]، اِمام غزالی[2]، شاطبی[3]، ابنِ حزم[4]، اُندلس کے مشہور فقیہہ ابو الولید[5] الباجی اور دیگر فقہا کی رائے یہ ہے کہ اِسلامی ریاست کے ذرائعِ آمدنی یہ ہیں :-

ا : زکوٰۃ ۔

---

1 : قرطبی :- احکام القرآن، ج ۲ - صفحہ ۲۴۲ -
2 : امام غزالی :- مستصفیٰ، ج ۱ - صفحہ ۳۰۳ -
3 : شاطبی :- الاعتصام، ج ۲ - صفحہ [illegible] -
4 : ابن حزم :- المحلّیٰ، ج ۶ - صفحہ ۱۵۶ -
5 : ابنِ خلکان :- وفیات، ج ۶ - صفحہ [illegible]

۲ : بارانی زمین سے عُشر اور نہری یا چاہی زمین سے خُمس۔

۳ : جزیہ۔

۴ : لاوارث کی وراثت۔

۵ : تمام معادِن، یعنی :۔ کوئلہ۔ تیل۔ پیتل۔ لوہا۔ سونا۔ وغیرہ

۶ : داخلی و بیرونی تجارت۔

۷ : صنعت۔

۸ : ضبط شدہ جائیداد۔ حضور صلعم کا ارشاد ہے کہ جو شخص اُونٹوں کی زکوٰۃ نہ دے۔ اُس کے آدھے اُونٹ ضبط کر لو۔

(ابُو داؤد۔ کتابُ الزکوٰۃ)

• ایک دفعہ حضرت عمرؓ نے ایک شخص کے کچھ اونٹ اِس بنا پر ضبط کر لیے تھے۔ کہ اُس نے بے اجازت سرکاری چراگاہ میں چرائے تھے۔

(سراج الملوک۔ ص۱۱۶)

آپ نے ایک تاجرِ شراب کے کچھ مویشی اور مال ضبط کر لیا تھا۔

(ابُو عُبَید : کتابُ الاموال۔ ص۹۶)

آپ نے حضرت ابوہریرہؓ کو بحرین کا عامل مقرر کیا تھا۔ جب وُہ واپس آئے۔ تو اُن کے پاس دس ہزار درہم تھے، جنھیں حضرت عمرؓ نے ضبط کر لیا۔ (ابن عبدالحکم : فتوحِ مصر۔ ص۱۴۸)

فارُوقِ اعظمؓ کا یہ قاعدہ تھا۔ کہ وُہ راشی حُکّام کا مال ضبط کر لیا کرتے تھے۔ (ایضاً۔ ایضاً۔ ص۲۳۷)

۹ : جرُمانہ :۔ حضور صلعم کا ارشاد ہے۔ کہ اگر کوئی شخص باغ سے پھل چُرائے۔ تو اُس سے پھل کی دُگنی قیمت لے کر صاحبِ باغ

کو دی جائے۔ (ابوداؤد - کتاب الحدود)

شوکانی لکھتے ہیں کہ :

"اگر کوئی شخص کسی گم شدہ اُونٹ کو اعلان کیے بغیر اپنے پاس رکھ لے ۔ تو اُس سے ایک اُونٹ بطورِ جرمانہ وصول کیا جائے۔"

(نَیْلُ الْاَوْطار - از شوکانی - ج ۴ - ص ۱۸۱)

بعض فقہاء نے ترکِ صلوٰۃ ۔ شراب نوشی اور رشوت پر بھی جرمانے تجویز کیے ہیں۔ ملاحظہ ہو :-

التَّعزِیر فی الشریعۃِ الاسلامیۃِ از ڈاکٹر عبدالعزیز عامر

۱۰ : فاضل دولت ۔

اِسلام اور اِشتراکیت :

اِسلام اور اِشتراکیت میں مابہ الاشتراک سرمایہ داری سے نفرت اور بے نواؤں کی حمایت ہے ۔ فرق یہ کہ :-

ا : اِشتراکیت کا محوَر شکم ہے ۔ اور اِسلام کا اللہ ۔ ایک مومن اللہ کے لیے کماتا اور اُسی کے حکم کی تعمیل میں غریبوں پہ صرف کرتا ہے۔

ب : خالص اشتراکیت مساوی تقسیمِ دولت کی قائل ہے ، اور اِسلام قابلیت ۔ ہُنر ۔ علم اور تقویٰ کو بناءِ تقسیم قرار دیتا ہے۔

ج : مارکسی اشتراکیت میں شخصی ملکیت حرام ، اور اِسلام میں قُلِ العَفوَ کی حد تک حلال ۔

د : اشتراکیت اُن صفات سے ناآشنا ہے ۔ جو اِنفاق سے پیدا ہوتی ہیں ۔ مثلاً : کرم ۔ فیّاضی ۔ اِیثار ۔ مہمان نوازی ۔ غرباء کی اِمداد ۔ اقارب

پرورش اور والدین کی خدمت

ہ : اسلام حیات بعد الموت کا قائل ہے۔ وہ یہاں دے کر وہاں لینے کی توقع رکھتا ہے۔ اور انفاق کو اللہ پر قرض سمجھتا ہے۔ اشتراکیت ان تصوّرات سے ناآشنا ہے۔

و : اسلام ہمہ گیر محبت و اخوّت کا قائل ہے۔ وہ نوعِ انسان کو ایک باپ کی اولاد سمجھتا ہے۔ لیکن اشتراکیت دیگر تمام طبقات سے نفرت کرتی ہے۔

ز : حیات، تعمیر و ترقی کی مختلف منازل سے گزر کر کامل بنتی ہے۔ وہ پہلے علم کے زور سے اس مادی دُنیا کو آباد کرتی ہے۔ پھر رُوحانیت کی طرف بڑھتی ہے۔ وہاں سے مابعد الطبیعی دُنیا کا رُخ کرتی ہے۔ اور بالآخر ربّ ذُو الجلال کی دہلیز پر جا رُکتی ہے۔

وَاَنَّ اِلٰی رَبِّکَ الْمُنْتَهٰی ۔ (تمھاری آخری منزل اللہ ہے)

(النجم - ۴۲)

اشتراکیت حیات کے اس سفر سے بے خبر ہے۔

ح : اللہ کے سامنے جوابدہی کا تصوّر وہ بلند ترین ڈسپلن ہے۔ جو انسان کو راہِ راست سے بھٹکنے نہیں دیتا۔ لیکن اشتراکیت خُدا کے وجود ہی سے منکر ہے۔

ط : اللہ کی عبادت سے وہ آنکھ کھُل جاتی ہے۔ جو عالم مادی اور ذرہ و انجم میں رشتۂ وحدت دیکھ سکتی ہے۔ اور انسان اُس عالمِ آرزو (رُوحانی اور اخلاقی ضابطوں کا) حاصل کر سکتا ہے۔ جس پر کائنات کی بُنیاد قائم ہے۔ اشتراکیت کو یہ دولت کہاں نصیب ؟

ی : مارکس اتفاق کرتا ہے کہ اس کائنات پر ایک قانون کی حکومت ہے۔ لیکن یہ نہیں بتاتا کہ قانون ساز کون ہے؟

ک : اشتراکیت رزق کی بنا پر انسانی طبقات (مزدور، سرمایہ دار) بناتی ہے اور اسلام روحانی و اخلاقی بنیادوں پر۔

ل : کارل مارکس نظامِ اخلاق کو معاشی و اقتصادی حالات کی تخلیق سمجھتا ہے۔ اور اسلام ایمان و عقیدے کی۔

م : اشتراکیت میں مزدور کو اس کی محنت کا ثمر براہِ راست نہیں ملتا۔ بلکہ جماعت کی وساطت سے ملتا ہے، اور وہ بھی بہت کم۔ نتیجہ یہ کہ وہ کام سے بہت جلد اکتا جاتا ہے۔ دوسری طرف اسلام میں فرد اپنی محنت سے خود بھی فائدہ اٹھاتا ہے اور دوسروں کو بھی پہنچاتا ہے۔

ن : اشتراکیت فرد پر قطعاً اعتماد نہیں کرتی اور ساری دولت جماعت کے حوالے کر دیتی ہے۔ نتیجہ یہ کہ فرد اپنی چھوٹی چھوٹی غرض و حاجت کے لیے کارکنوں اور اہلکاروں کی خوشامد کرتا پھرتا ہے۔ دوسری طرف اسلام فرد پر پورا اعتماد کرتا ہے۔ وہ نہ صرف اس کی اپنی روزی بلکہ چند دیگر غرباء کی روزی بھی اس کے حوالے کر دیتا ہے۔

یُطْعِمُوْنَ عَلٰی	(ایک مومن ہمہ گیر
حُبِّہٖ مِسْکِیْناً وَّ یَتِیْماً	محبت کی بنا پر مسکین، یتیم
وَّ اَسِیْراً۔	اور اسیر کو روزی بہم
(الدھر ۔ ۸)	پہنچاتا ہے)[1]

---

[1] : "اسلام اور مارکسزم" از ڈاکٹر مظہر الدین صدیقی۔ ادارہ ثقافتِ اسلامیہ لاہور۔ ۱۹۵۱ء۔ صفحہ ۳۴

س : اِشتراکیت فرد سے خود اعتمادی۔ احترام اور انا چھین کر اُسے بے جان مشین بنا دیتی ہے۔ لیکن اِسلام اِسے خود رائی، آزادانہ اظہارِ خیال اور تعمیری تنقید کی اجازت دیتا ہے۔

ع : اِشتراکیت میں آمر کی رائے فیصلہ کُن ہوتی ہے۔ وُہ کسی اور کی بات قطعاً نہیں سُنتا۔ اور اِس طرح وُہ اربابِ دانش کے مشوروں سے محرُوم رہ جاتا ہے۔

ف : لاخُدا مادیت کی دو انتہائیں ہیں۔ سرمایہ داری اور اشتراکیت۔ اشتراکیت سرمایہ داروں کی لُوٹ کھسُوٹ کا تلخ ردِ عمل ہے۔ سرمایہ دار ممالک آہستہ آہستہ اشتراکیت کی طرف جارہے ہیں۔ اشتراکیت کا سیل مارکس کے نظریات سے منحرف ہوکر شخصی ملکیت اور ہلکی سرمایہ داری کی طرف مائل ہے۔

اِن دو انتہاؤں کے درمیان صرف ایک راہِ اعتدال ہے۔ یعنی: "اِسلام کا نظامِ معاش۔" میرا یہ اِیمان ہے۔ کہ کچھ عرصے کے بعد دُنیا اِسی نقطۂ اعتدال پر آکر رُکے گی۔

امریکہ کا ایک ماہرِ عمرانیات اپنی کتاب "دِی کرائسِس آف اَور لائف" میں لکھتا ہے:

"مغربی تہذیب آج نزع کے عالم میں ہے۔ ہمارا مُعاشرہ ایک زبردست بحُران سے دوچار ہے۔ مغربی تہذیب نے رُوحانیت کو انسانی زندگی سے باہر دھکیل کر نوعِ انسان کو شدید نُقصان پہنچایا ہے۔ اس نے سرمایہ داری کو جنم دے کر لُوٹ مار کا بازار گرم کیا۔ پھر اِس کا ردِ عمل اشتراکیت کی صُورت میں نمودار ہُوا۔ دونوں اِمپیریلزم ہی کی مختلف صُورتیں ہیں۔ جس طرح مغرب کے عوام سرمایہ داری

کے خلاف ہیں۔ اسی طرح اشتراکی بھی مارکسزم سے اُکتا گئے ہیں۔ اور یہ دونوں اپنی انتہائی منزلوں سے سرک کر ایک دُوسرے کے قریب آرہے ہیں۔"   (ماخوذ از اخبار "جنگ"، اشاعت ۲۱۔ مارچ ۱۹۶۹ء صہ ۵)

اشتراکیت ۱۹۱۷ء سے پہلے :

تاریخِ عالم میں سب سے پہلا اشتراکی افلاطون تھا۔ اور پھر مَزدک۔ یہ عہدِ قباد (انوشیروان کا والد) کا ایک فلسفی تھا۔ جو جائیداد۔ گھاس۔ پانی۔ زمین۔ ہوا اور عورتوں میں اشتراک کا قائل تھا۔ قباد بھی اس کا مُعتقد ہوگیا۔ لیکن انوشیروان (۵۷۶ء) نے ۵۲۶ء میں مَزدک اور اُس کے ہزارہا پیروؤں کو قتل کر دیا۔

حضرت ابُوذرؓ غفاری (۶۵۳ء) تیسرا اشتراکی تھا۔ جس کی طرف یہ فتویٰ منسُوب ہے۔ کہ :

صاحبُ المالِ کافرٌ۔   (صاحبِ مال کافر ہے۔)

(ابوذر غفاری۔ از مناظر احسن گیلانی صہ ۱۵۴)

اور یہ حدیث بھی :۔

قال النبیُّ و ربِّ الکعبۃِ ھُمُ الاخسرُونَ۔ قالَ ابُو ذر۔ و من ھم فداک ابی و اُمی۔   (حضور صلعم نے فرمایا : ربِ کعبہ کی قسم۔ کہ وہ لوگ سخت زیاں کار ہیں۔ ابوذر نے پُوچھا : آپ پر میرے ماں باپ قربان ہوں۔

قال الاکثرون اموالاً	وہ کون ہیں؟ فرمایا۔ اربابِ دولت۔
اِلّا من اعطٰی ھٰکذا	سوائے اُن کے جو اتنا اور اتنا
وھٰکذا وقلیلٌ ماھم ـ	خرچ کریں اور ایسے لوگ بہت
(ابوذرؓ ص[illegible] ـ مسندِ امام احمد ص[illegible])	کم ہیں)

اُبوذر کا تعلق غفار نامی ایک قبیلے سے تھا۔ جو بدر کے نواح میں رہتا تھا آپ کا اصلی نام جُندَب تھا، اور پیشہ راہ زنی بعد میں توبہ کر لی۔ آپ اسلام لانے سے پہلے تین برس تک نماز پڑھتے رہے اُس کی صُورت کیا تھی؟ معلوم نہیں ہو سکا۔ غالباً تنہا بیٹھ کر دُعائیں مانگتے ہوں گے۔

(ابُوذر ص۶۳ ـ و طبقاتِ ابنِ سعد)

چوتھا اِشتراکی حمدان قرمطی تھا جس نے ۲۷۷ء میں کوفہ کے قریب جائیداد میں اِشتراک اور اِنسانوں میں کامل مساوات کا اعلان کیا۔ لاکھوں اس کے پیرو بن گئے۔ ان لوگوں نے ایک چھوٹی سی ریاست بھی بنالی۔ ۹۳۰ء میں مکے پر حملہ آور ہوئے اور حجرِ اَسود اٹھا لے گئے۔ جو تیس برس تک اِن کے قبضے میں رہا۔ (شارٹر انسائیکلو پیڈیا آف اِسلام۔ گِب و کریمرز)

رشوت :

رشوت کے متعلق مجھے اِتنا ہی کہنا ہے۔ کہ یہ لعنت سرمایہ دارانہ نظام کی تخلیق ہے۔ جس معاشرہ میں حرص بےلگام ہو جائے۔ دولت معیارِ عظمت بن جائے۔ علم، تقویٰ اور شرافت کو کوئی نہ پُوچھے۔ اِنسان سے محبت اور حلال و حرام کی تمیز ختم ہو جائے، ضمیر مر جائے اور اِنسانی اَقدار کا جنازہ اُٹھ جائے۔ تو وہاں حکومت کا ہر ملازم ایک ظالم بھیڑیا بن جاتا ہے۔ وہ اپنے اختیارات کو عوام کے خلاف استعمال کرتا ہے۔ مصیبت زدہ حاجت مندوں کو ستانے اور اُن کے کپڑے اُتار لینے میں مزہ ملتا ہے یہ وہ اِنسان کُش گروہ ہے۔ جو عوام اور حکومت کے درمیان نفرت کی دیواریں اٹھاتا اور اُنھیں اپنے دلوں سے متنفر بناتا ہے۔

ہر حکومت کا یہ پہلا فرض ہے کہ وہ ڈاکوؤں کو پکڑے۔ اور خصوصاً اُن کو جو پبلک سرونٹ کا نقاب اوڑھ کر عوام کو لُوٹ رہے ہوں۔

علاج مرض :

علاج مرض ایک ہی ہے۔ کہ ہم پریس۔ ریڈیو۔ فلم اور قلم کی وساطت سے انسان کو کائنات میں اُس کا مقام یاد دلائیں۔ اُسے اللہ کا پرستار بنائیں اور سمجھائیں کہ اُس کی نجات پیروئی اسلام میں ہے۔ اسلام اس لیے آیا۔ کہ کائنات میں زمین و آسمان کو، نظامِ حیات میں جسم و رُوح، دُنیا و عقبیٰ اور معاملات و عبادات کو یک جا کر دے۔ جس طرح کائنات ایک وحدت ہے۔ مشہود و غائب سے مرکب۔ اسی طرح حیات بھی ایک اکائی ہے۔ رُوح و مادہ کا امتزاج۔ اضطراب وہیں پیدا ہوتا ہے جہاں یہ اتحاد برہم ہو جائے۔ اسلامی ریاست کے مقاصد میں سے ایک اِس وحدت کو قائم رکھنا ہے فاروقِ اعظمؓ کا یہ ارشاد کتنا برمحل ہے :۔

لا اِسلامَ اِلاَّ بجماعةٍ	(اِسلام جماعت سے،
ولا جماعةَ اِلاَّ بِاِمارةٍ	جماعت ریاست سے اور ریاست
ولا اِمارةَ اِلاَّ باطاعةٍ۔	اطاعت سے زندہ رہ سکتی ہے)

(مسند۔ دارمی۔ باب فی ذہاب العلم)

O

هٰذا مَا س عَلَى القومِ الفاسِقِين ۔ (مائدہ ۔۲۶)

لِقومٍ یوُقِنُون ۔ (مائدہ ۔ ۵۰)

لا یَھدِی القومِ الظالِمِین ۔ (مائدہ ۔ ۵۱)

لِقومٍ یَتَفَکّرُون ۔ (یونس ۔ ۲۴)

ہٹلر نے کہا تھا، کہ :

"قومیت کی حقیقی بُنیاد نسل ہے، جسے اُس کی مُشترک تاریخ مُتحد رکھتی ہے۔ اگر کسی حملہ آور کی وجہ سے یہ اِتحاد ٹوُٹ جائے۔ تو تاریخ کا اِشتراک اِن منتشر اجزا کو پھر ایک قوم بنا سکتا ہے۔ اور مُلک کی حدُود دوبارہ بدل سکتی ہیں۔"

و : فرانس کے مشہوُر فلسفی، رینان (۱۸۹۲ء) کے ہاں قومیت ایک رُوحانی رشتہ ہے۔ جو مختلف افراد کو ایک سیاسی نظام میں پرو کر ایک وحدت بنا دیتا ہے۔

(آئیڈیالوجی اینڈ پاور ۔ صہ ۱۴۹)

ز : جان سٹوُ اَرٹ مِل (۱۸۰۶ء) افراد کے اُس گروہ کو قوم کہتا ہے۔ جو باہمی مشورے سے ریاست کا ایک نظام تجویز کرے۔ اور پھر اِس کے تحت رہنا گوارا کرے۔ (ایضاً ۔ صہ ۱۴۹)

ح : انگلستان کا نامور سیاسی مُفکر، اَیڈ مَنڈ برق (۱۷۲۸ء ــ ۱۷۹۷ء) لکھتا ہے۔ کہ صحیح قومیت یا ریاست کی جڑیں اُس کے ماضی میں ہوتی ہیں۔ اُس کی تاریخ اُس کی مسلسل تخلیق کی داستان ہے۔ ریاست در اصل امن و کمال کے حصُول اور نیکی کو زندہ رکھنے کے لیے ایک معاہدہ ہے۔ جس میں وُہ لوگ بھی شامل ہوتے ہیں۔ جو ابھی پیدا نہیں ہوئے۔ (ایضاً صہ ۱۵۶)

ط : فرانس کا مشہور انقلابی فلسفی رُوسو (۱۷۱۲ ـ ۱۷۷۸ء) نظریاتی ریاست کا قائل تھا۔ وُہ فرد و قوم (جماعت) کے روابط پہ بحث کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ

جماعت ہمیشہ مائل بہ نیکی[1] ہوتی ہے۔ اور فرد کبھی نیک ہوتا ہے، اور کبھی بد۔ اس لیے ریاست کا فرض ہے۔ کہ فرد کو جماعت کی اقتدا پہ مجبور کرے۔ اور نیکی کا صحیح تصوّر حاصل کرنے کے لیے اہلِ علم سے فائدہ اُٹھائے۔ دُنیا میں صرف وُہی ریاست باقی رہ سکتی ہے۔ جس کی بُنیاد ان تصوّرات پہ قائم ہو :-

ا : کہ کائنات میں ایک عظیم۔ ہمہ دانش۔ اور فیض رساں رب موجُود ہے۔ جو نیکی پہ انعام دے رہا ہے۔ اور بدی پہ سزا۔

ب : کہ یہ زندگی عارضی ہے، اور ایک ابدی زندگی کی تمہید۔

ج : کہ قانون مقدس ہے۔ اور اس کی تعمیل آسُودگی و کامیابی سے ہم کنار کرتی ہے۔ (ایضاً صہ ۱۵۶)

ی : جدید اطالیہ کے ایک مفکرؔ مُزینی کے ہاں قومیت ایک جغرافیائی حقیقت ہے۔ وُہ ایک مقام پر لکھتا ہے :-

" خدا نے دُنیا میں بڑے بڑے دریا اور پہاڑوں کے یہ بُلند سلسلے اِس لیے بنائے ہیں۔ کہ کِسی قوم کو جغرافیائی حدُود تلاش کرنے میں دِقّت نہ ہو۔ وطن کے بغیر نہ تو آزاد اقوام میں موزُوں مقام مِل سکتا ہے۔ اور نہ عزت و آبرُو ہوتی ہے۔ بے وطن لوگ انسانیت کے بےپدر بچّے ہیں۔ جو یہُودیوں کی طرح مارے مارے پھر رہے ہیں "

(مُلخّص۔ ایضاً صہ ۱۵۹)

---

[1] ہمارے حضور صلعم نے بھی اِسی قسم کا ارشاد فرمایا تھا :

لا یَجتَمِعُ اُمّتی علی الضلالۃِ۔

(کہ میری اُمت گمراہی پہ جمع نہیں ہو گی)

اسلامی قومیت :

اسلام قومیت کی اِن بُنیادوں کو تسلیم نہیں کرتا ۔ یہ وحدتِ آدم کا قائل ہے ۔ ساری نسلِ اِنسانی کو ایک باپ کی اولاد قرار دیتا ہے اور اِس وحدت کو باقی رکھنے کے لیے تصوّرات میں بھی ہم آہنگی پیدا کرتا ہے ۔ اِن تصوّرات کا مُلخّص یہ ہے :-

ا : کہ خُدا ایک ہے ۔ اور وُہی عبادت کے قابل ۔

ب : انبیائے کرام کا سِلسلہ برحق ۔

ج : یہ انبیاء اُن عظیم اساسی قدروں کے مُبلّغ تھے ۔ جو حیات کو قُوّت عظمت اور دوام دیتی ہیں ۔

د : اِن کی بتائی ہُوئی راہ ہی وُہ سیدھی راہ ہے ۔ جو کاروانِ حیات کو اُس کی منزل تک پہنچاتی ہے ۔

تصوّرات کی اِس وحدت سے وحدتِ عمل پیدا ہوگی ۔ اور دُنیا امن و سکون کا گہوارہ بن جائے گی ۔

اِسلام کے مقصد دو ہیں :-

اوّل : دُنیا میں قیامِ امن ۔

دوم : اِنسان کا رابطہ اللہ سے قائم کرکے اُسے عظیم بنانا ۔

جو لوگ اِن مقاصد کے لیے اِن کی کوشش کرتے ہیں ، وُہ عام اِصطلاح میں مُسلمان کہلاتے ہیں ۔ یہ جغرافیائی ۔ وطنی ۔ لِسانی اور نسلی قیُود سے ورا تر ہوتے ہیں ۔ یہ مشرق میں رہیں یا مغرب میں ۔ ایک قوم (یا ملّت) یا کُنبہ شُمار ہوتے ہیں ۔ ایک پاکستانی کو ایک رُوسی یا افریقی مُسلمان سے مِل کر اُسی قُرب کا احساس ہوتا ہے جیسے ایک بھائی کو بھائی کی ملاقات سے ۔

عصرِ رواں بہت مضطرب ہے۔ آج ہر قوم دوسری کے خلاف مصروفِ سازش ہے۔ آج عدل و انصاف کہیں باقی نہیں رہا۔ سیاست کا قانون محبت نہیں بلکہ نفرت ہے۔ اِس سیاست کے بڑے بڑے مبلغ دو تھے۔ ہندوستان میں چانکیہ[1] اور اٹلی میں میکیاولی[2] وطنیت کے بطن سے یہی سیاست جنم لے سکتی ہے۔ چونکہ مسلمان عالمگیر اخوت کا داعی ہے۔ اِس لیے اُس نے وطنیت اور اس قسم کے دیگر تمام تصورات کو جھٹک دیا ہے۔ تاکہ غیریت کے حجابات اُٹھ جائیں۔ اور انسان انسان کو پالے۔

ع : تو ابھی راہ گزر میں ہے قیدِ مقام سے گزر

اِسلامی ریاست :

یورپ قرونِ وسطیٰ میں پوپ کی مذہبی ریاست (تھیاکریسی) کا مزہ چکھ چکا ہے۔ پوپ نے محض فکری اور کلامی اختلاف کی بنا پر کتنے ہزار افراد کو زندہ جلا دیا۔ کتنوں کو سُولی چڑھا دیا۔ اور کتنوں کا گلا گھونٹ دیا۔ یہ ایک طویل داستان ہے۔ اِس کی تفصیل میری ایک کتاب "یورپ پر اِسلام کے احسان" یا ڈاکٹر ڈریپر کی "معرکۂ مذہب و سائنس" (اصل کتاب کا اُردو ترجمہ۔ از مولانا ظفر علی خاں) میں دیکھیے۔ پوپ نے علماء و عوام پر اِس قدر مظالم توڑے کہ آج یورپ "اِسلامی ریاست" کے نام سے بھی کانپ اُٹھتا ہے،

---

[1] : چانکیہ۔ ہندوستان کے مشہور راجہ چندر گپت کا وزیر تھا۔ اصلی نام وشنو گپتا۔ اس نے سیاست پر ایک کتاب لکھی تھی جس میں بے رحمی، سنگدلی، خود غرضی، فریب اور عہد شکنی کی تعلیم دی گئی تھی۔ یہ ۳۰۰ ق م میں زندہ تھا۔

[2] : فلورنس کا رہنے والا۔ پورا نام نکولو میکیاولی (۱۴۶۹ء۔ ۱۵۲۷ء) دی پرنس کا مصنف۔

اور ڈرتا ہے۔ کہ کہیں یہ بھی اُسی قسم کی ظالم۔ اندھی اور علم دشمن عیا کرسی نہ ہو۔

چونکہ اسلام میں ہدایت کا سرچشمہ اوّل قرآن ہے، اور دوسرا حدیث۔ اسلامی ریاست کی تعمیر انہی دو بنیادوں پہ اٹھائی جاتی ہے۔ قرآن متن ہے اور حدیث شرح۔ یہ دونوں عدل و احسان کے داعی۔ وحدتِ آدم کے مبلغ اور ہمہ گیر اخوت و محبت کے علم بردار ہیں۔ کیا ان اقدار پہ قائم کردہ ریاست سے کسی قوم یا گروہ کو کوئی نقصان پہنچ سکتا ہے؟ کیا یہ نظام اُس مظلوم انسانیت کے لیے، جسے سرمایہ و اقتدار کے گِدھ ان گنت صدیوں سے نوچ رہے ہیں، پیامِ رحمت نہیں؟

اسلامی ریاست کے بڑے بڑے مقاصد یہ ہیں :۔

اوّل : انسان کے تعلقاتِ عبودیت، معبودِ حقیقی سے قائم کرنا۔ اور اُسے عبادت کی ترغیب دینا۔ تاکہ وُہ طاعت و تعمیل کا عادی بن جائے۔ اور اُس کی عبادت میں ڈھلی ہُوئی شخصیت دُنیا کے لیے رحمت ثابت ہو۔

دوم : عدل - احسان۔ محبت اور اخوت کی بُنیادوں پر انسانوں کے باہمی روابط کی تشکیل۔ علوم و فنون۔ اقدارِ عالیہ۔ انسانیتِ کُبریٰ اور پاکیزہ تہذیب کا فروغ، فتنہ و شر کا استیصال اور عیاشی و سیہ کاری کا خاتمہ۔ تاکہ یہ دُنیا امن و سلام کا گہوارہ بن جائے۔

كُنتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ۔ (عمران - ۱۰۹)	(تُم دنیا کی بہترین قوم ہو۔ اور دُنیا کی خدمت کے لیے اُٹھے ہو۔ تمہارا کام نیکی کی طرف بُلانا۔ بُرائی سے روکنا اور اللہ کو (اُس کی صفات سمیت) تسلیم کرنا ہے)

مسلمان دنیا کی وہ واحد ملت ہے۔ جس کے پاس پیغام الٰہی کا آخری مکمل ایڈیشن اصلی صورت میں موجود ہے اور ایک ایسی زبان میں جسے سولہ کروڑ انسان بولتے اور کئی کروڑ سمجھ سکتے ہیں۔ دیگر آسمانی کتابیں ایسی زبانوں میں تھیں۔ جنھیں ختم ہوئے صدیاں گزر چکی ہیں۔ ان کو سمجھنے والے خال خال باقی ہیں۔ اُن کے پیروؤں کا تصوّرِ مذہب کلیتہً مسخ ہو چکا ہے۔ عیسائی کفارہ اور تین خداؤں کے قائل ہیں۔ بدھی مہاتما بدھ کو خدا سمجھتے ہیں۔ اور ہندو ہزارہا خداؤں کی پرستش کرتے ہیں۔ جن لوگوں کے عقائد کا یہ عالم ہو۔ اُن سے صحیح رہنمائی کی اُمید کیسے ہو سکتی ہے؟ اس فرض کو صرف پیروانِ قرآن ہی سرانجام دے سکتے ہیں۔

زمن ہنگامۂ دہ ایں جہاں را
دگرگوں کن زمین و آسماں را
ز خاکِ ما دگر آدم برانگیز
بکُش ایں بندۂ سود و زیاں را

ماڈرن سٹیٹ:

بعض ماڈرن مسلمان کہتے ہیں۔ کہ اسلام ایک ماڈرن سٹیٹ بنانے کی صلاحیت نہیں رکھتا۔ سوال یہ ہے۔ کہ ماڈرن سٹیٹ ہے کیا؟ اگر اس سے مراد ایک ایسی ریاست ہے۔ جس میں جوا۔ سود۔ شراب اور رشوت حلال ہو۔ قدم قدم پر میخانے، اور رقص خانے کھلے ہوں۔ تو واقعی اسلام ایسی ریاست نہیں بنا سکتا۔ اگر اس سے مراد ایک ایسی ریاست ہے۔ جس میں عدل۔ احسان۔ صداقت۔ دیانت اور محبت کی فرماں روائی ہو۔ جہاں مغرور حکام اور حریص سرمایہ دار نہ ہوں۔ جہاں کی درس گاہوں میں اعلیٰ علوم و فنون کی تعلیم دی جا رہی ہو، اور ملک میں ہزاروں کارخانے اشیائے ضرورت

اور آلاتِ قوّت و ہیبت تیار کر رہے ہوں۔ تو ایسی ریاست کی تشکیل صرف اسلام
کر سکتا ہے۔ یہ درست ہے کہ یورپ کے پاس علوم و فنون بھی ہیں اور ہر قسم کے کارخانے بھی۔
لیکن وہ انصاف و شرافت سے قطعاً عاری۔ خود غرض۔ عیاش۔ سود خور اور تمام رنگدار
اقوام کا دشمن ہے۔ کیا ماڈرن سٹیٹ میں اسی قسم کے لوگ ہوتے ہیں ؟

فرنگی را دلے زیرِ نگیں نیست !
متاعِ او ہمہ دنیاست۔ دیں نیست
خداوندے کہ در طوفِ حریمش
صد ابلیس است و یک رُوح الامیں نیست (اقبال)

اسلامی قانون :

اسلامی ریاست کا قانون وہی ہوگا۔ جس کی تفصیل قرآن و حدیث میں دی ہوئی ہے
اگر آپ کے سامنے کوئی ایسا واقعہ آجائے۔ جس کے متعلق کوئی فیصلہ قرآن و حدیث
میں موجود نہ ہو۔ تو ائمۂ اربعہ (امام ابو حنیفہ۔ شافعی۔ مالک، احمد بن حنبل
رحمہم اللہ) کے فیصلوں پہ عمل کیجیے۔ یا قرآن و سنت کی روشنی میں نیا قانون بنا لیجیے۔
لیکن یہ یاد رہے کہ آپ کوئی ایسا قانون نہیں بنا سکتے۔ جو قرآن و حدیث سے متصادم
ہوتا ہو۔ اگر قرآن نے وراثت میں لڑکے کو دو حصے اور لڑکی کو ایک حصہ دیا ہے۔
تو اس میں کوئی ردّ و بدل نہیں ہو سکتا۔ البتہ آپ قرآنی تعزیرات میں کوئی تبدیلی کر سکتے ہیں۔
بعض لوگ کہتے ہیں۔ کہ زانی کو سو دُرّے مارنا، اور چور کا ہاتھ کاٹنا ظلم ہے۔ نہ جانے
ان لوگوں کو چوروں۔ ڈاکوؤں، اور دوسروں کا غم و ناموس لوٹنے والوں سے
اتنی ہمدردی کیوں ہے۔ یہ لوگ سماج کے باغی اور اعلیٰ قدروں کے دشمن ہیں۔ ان کے لیے
وہی سزائیں موزوں ہیں۔ جو ان کے رب نے تجویز کی ہیں۔

یہاں یہ گزارش بے جا نہ ہوگی۔ کہ فقہی قانون کی تکمیل ایسے علما و ماہرین قانون کا کام ہے۔ جو شاہی اثر سے آزاد ہوں۔ ایک مرتبہ منصور عباسی نے اپنی نگرانی میں فقہ کی تدوین کرانی چاہی۔ تو علما نے اس بنا پر مخالفت کی کہ کہیں قانون خلیفہ کی خواہشات کے سانچے میں نہ ڈھل جائے۔

خلیفہ کیسا ہو ؟ :

۱ : وہ بصیرت۔ شخصیت۔ علم، اور دانش کے لحاظ سے اُمت کا بہترین فرد ہو۔

۲ : پارسا و متقی ہو۔

لا طاعۃ لِمَنْ لَمْ یطع اللہ۔ (جو خلیفہ اللہ کا مطیع نہ ہو۔ اُس کی اطاعت مت کیجیے)

(بحوالہ "اسلام کا اقتصادی نظام" صفحہ ۸۴)

۳ : عوام کا خادم، خوش خلق، متواضع اور اس حد تک اختلاط پسند ہو۔ کہ ہر شخص اُس سے مل سکے۔

الخلق عیال اللہ فاحبھم الی اللہ انفعھم لعیالہ۔ (عوام اللہ کا عیال ہیں۔ اور وہی لوگ خدا کے محبوب شمار ہوں گے۔ جو اُس کے عیال کو زیادہ سے زیادہ فائدہ پہنچائیں گے)

(حدیث۔ بحوالہ "اسلام کا اقتصادی نظام" صفحہ ۱۰۳)

۴ : عادل، بہادر، ایثار پیشہ۔ فقیر طبع اور اعلیٰ انتظامی قابلیتوں کا

مالک ہو۔

۵ : علم کا سرپرست اور علما و حکما کا قدر دان ہو۔

۶ : وہ تنقید پسند ہو، اور ساری اُمت کے سامنے بانگ دہل کہتا ہو :
اِن زغتُ فقوّمونی (اگر میں ٹیڑھا ہو جاؤں، تو مجھے سیدھا کرو) یہ وہ جملہ ہے۔ جسے فاروقِ اعظمؓ بار بار دُہرایا کرتے تھے۔

خلافت وملوکیّت :

خلافت سے مُراد زمین پر اللہ کی نیابت ہے۔ نائب آقا کی مشیّت کا ترجمان ہوتا ہے۔ اور وُہی کچھ کرتا ہے۔ جو آقا کو پسند ہو۔ اللہ کی پسند و ناپسند کی پُوری تفصیل قرآن میں دی ہُوئی ہے۔ نائب کا فرض صرف اتنا ہی ہے۔ کہ وہ پسندیدہ امور (معرُوف) کو نافذ کرے اور ناپسندیدہ (مُنکر) سے روکے۔ چُونکہ قرآن ساری کائنات کے لیے سرچشمۂ ہدایت۔ نُور۔ فُرقان اور تذکرہ ہے۔

قَدْ جَاءَكُمْ	(تم پر اللہ کا نُور
مِنَ اللّٰهِ نُورٌ	نازل ہُوا ہے۔ یعنی ایک
وَكِتَابٌ مُبِينٌ۔	ایسی واضح اور روشن
يَهْدِي بِهِ اللّٰهُ	کتاب۔ جن کی پَیروی
مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَهُ	امن و سلام کی راہیں
سُبُلَ السَّلَامِ وَ	دکھاتی ہے۔ اندھیروں
يُخْرِجُهُمْ مِنَ الظُّلُمَاتِ	سے نکال کر ضیائے نُور
إِلَى النُّورِ بِإِذْنِهِ	کی طرف لے جاتی ہے۔
وَيَهْدِيهِمْ إِلَى	اور سیدھے راستے پر

صِرَاطِ مُسْتَقِیم۔ ڈالتی ہے)

(مائدہ ۵ - ۱۶)

اِس لیے جس حکومت کی بُنیاد قُرآنِ حکیم پہ ڈالی جائے گی۔ وُہ کائنات کے لیے لازماً رحمت ثابت ہوگی۔ رہی مُلوکیت۔ تو یہ نام ہے ہوسِ اِقتدار کا۔ اس کا مقصد لوگوں کو غلام بنانا۔ ذلیل کرنا۔ لُوٹنا اور اپنی جیبیں بھرنا ہے۔ خلیفہ عوام کا خادِم ہوتا ہے اور سُلطان حاکم۔ خلیفہ سے ہر شخص بازپُرس کر سکتا ہے۔ اور سُلطان کسی کے سامنے جواب دہ نہیں ہوتا۔ خلیفہ کا معیارِ زندگی عوام جیسا ہوتا ہے لیکن سُلطان عوام کا روپیہ اپنی ذاتی شان وشکوہ پہ فرچ کرتا ہے۔ وُہ انتہا درجے کا دیانت دار ہوتا ہے۔ اور یہ بے حد بے اِیمان۔ وُہ خدا اور رسُول کا عملاً مُطیع ہوتا ہے۔ اور یہ مذہب کا لفظ عوام کو فریب دینے کے لیے استعمال کرتا ہے۔ وُہ خوش اخلاق۔ متواضع اور سادگی پسند ہوتا ہے۔ اور یہ بد اخلاق۔ مغرور۔ سرکش۔ عیاش اور گرویدۂ جاہ و اِقتدار۔

عصرِ رواں میں حکُومت، خواہ وُہ بظاہر جمہُوریت ہو، یا صدارت و بادشاہت۔ رُوح و مقصد کے لحاظ سے مُلوکیت ہے۔ اگر کہیں جمہُوریت ہے بھی۔ تو وُہ سرمایہ داروں کے ہاتھ میں ایک کھلونا ہے۔ ہر مُلک کی فوج اور پولیس سرمایہ داروں کے مفاد کی حفاظت کر رہی ہے۔ عوام مَریں یا جئیں، اُن کی بلا سے۔ اِس صُورتِ حال کا علاج ایک ہی ہے۔ کہ اِسلامی ممالک تصوّرِ خلافت کی تبلیغ کریں۔ اور خلفائے راشدین کی اِیمان افروز کہانیاں دُنیا کے ہر فرد تک پہنچائیں۔ خلفاء کی یہ نادر قسم صرف اِسلامی تاریخ میں ملتی ہے۔ اِن کے کارناموں کو دُنیا کے ہر گوشے تک پہنچانا گویا "عام حرّیت" کے لیے زمین ہموار کرنا ہے۔

ؔ :- احادیث میں یہ بشارت موجود ہے (باقی اگلے صفحہ پر)

حکیمِ مشرق نے خلافت و ملوکیت پہ بہت کچھ لکھا ہے۔ یہاں نمونہ از خروارے حاضر ہے :-

خلافت بر مقامِ ما گواہی است
حرام است آنچہ بر ما پادشاہی است
ملوکیت ہمہ مکر است و نیرنگ
خلافت حفظِ ناموسِ الٰہی است

⁘

ہنوز اندر جہاں آدم غلام است
نظامش خام و کارش ناتمام است
غلامِ فقرِ آں گیتی پناہم
کہ در دینش ملوکیت حرام است

⁘

در افتد با ملوکیت کلیمے
فقیرے بے کلاہے بے گلیمے
گہے باشد کہ بازیہائے تقدیر
بگیرد کارِ صد صد از نیمے

بقیہ حاشیہ، صفحہ ۱۸۷ :
کہ اسلام ایک مرتبہ اور ابھر کر ساری دُنیا کو اپنی لپیٹ میں لے لے گا۔
علامہ اقبال نے اِس دور کو "عامِ حرّیت" کہا ہے۔
ع : عامِ حرّیت کا جو دیکھا تھا خواب اِسلام نے

مفہوم خلافت :

خلافت کا مفہوم یہ نہیں، کہ زمام اقتدار چند مقدس صوفیاء و علماء کے حوالے کر دی جائے۔ بلکہ یہ ہے، کہ سارے معاشرے کو قرآن کے قالب میں ڈھال جائے، اور اس کی صورت ہے :-

۱ : عادلانہ تقسیم رزق ۔
۲ : نظام عبادت کا قیام ۔
۳ : عدل و احسان کا اہتمام ۔
۴ : علم اور علماء کی سرپرستی ۔
۵ : حکومت کو مترادف خدمت سمجھنا ۔
۶ : سرمایہ داری کو ممنوع قرار دینا ۔
۷ : خدا ترسی و تقویٰ کو مزاج عوام بنانا ۔
۸ : رشوت ۔ بے انصافی ۔ حرص ۔ عیاشی اور بدکاری کا خاتمہ ۔

باب

اِسلام نے دُنیا کو کیا دِیا؟

اِسلام کا ظہوُر عصرِ نو کا پیغام اور عہدِ کہن کا خاتمہ تھا۔ جس طرح موسم بہار میں ہر چیز کو حیاتِ نو مِل جاتی ہے۔ اسی طرح مسلمانوں کا عروج کائنات کے لیے موسم بہار ثابت ہُوا :

۱ : اس نے عظیم اِنسانی اَقدار کو پھر زندہ کیا۔

۲ : دُنیا کو اخلاقی ۔ رُوحانی اور آسمانی نقطۂ نگاہ دیا۔

۳ : ایران ۔ مشرقِ وُسطیٰ ۔ ایشیائے صغیر ۔ افریقہ اور یورپ کے کچھ حصّوں کو اُن مُلوک کے ظالمانہ تسلّط سے آزاد کرایا ۔ جو اپنے کُتّوں کو دُودھ پلاتے اور اِنسانوں کو بھُوکا مارتے تھے۔

۴ : سلطنت کو خدمت گری کا مترادف بنایا۔ اور دُنیا کو ایسے گورنر اور کمشنر دیے۔ جو کھدر پہنتے ۔ خاک پہ سوتے اور ستّو کھاتے تھے۔

۵ : عدل و اِحسان کی حکومت قائم کی۔

۶ : سُود ۔ قمار بازی اور شراب کو حرام قرار دیا۔

۷ : ذخیرہ اندوزی ۔ اور جمعِ دولت سے روک کر معاشرے کی ناہمواری کو ختم کیا۔

۸ : حکومت کو بے روزگاروں ۔ ضعیفوں ۔ معذُوروں ۔ یتیموں اور بے بس اِنسانوں کی روزی کا کفیل بنایا۔

۹ : اِنسان کو دُوسروں کے لیے کمانے کا درس دیا۔

۱۰ : رنگ ۔نسب ۔ دولت اور اِمارت کے اِمتیازات مٹا کر علم و تقوے کو ~~مدارِ عظمت ٹھہرایا~~

۱۱ : نظامِ عبادت کے قیام سے دُنیا کو لذّتِ رکُوع و سجُود سے آشنا کیا۔ اور اِنسانی شخصیت پہ خدائی رنگ چڑھایا۔

۱۲ : اِنسان کو ایک روشن ضابطۂ حیات دے کر رازِ بقا و مسّرت سے آشنا کیا۔

۱۳ : دشمن سے بھی انصاف کرنے کا سبق دیا۔

وَلَا یَجْرِمَنَّکُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓی اَلَّا تَعْدِلُوْا ۔ اِعْدِلُوْا هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰی۔

(محض عداوت کی بناء پر کسی قوم سے نا اِنصافی مت کرو انصاف کرو۔ کہ یہ چیز تقوے سے قریبی رشتہ رکھتی ہے۔

(مائدہ ۵ - ۸)

۱۴ : ظالم ۔ بدمست ۔ عیّاش اور رعایا کے مال پہ مزے اڑانے والے اکاسرہ اور قیاصرہ کو ختم کر کے عوام کی بادشاہت قائم کی ۔

۱۵ : اِنسانیت کو لات و ہُبل کی غلامی سے چھڑایا۔

۱۶ : رُوح و مادہ اور دین و دُنیا کو ایک ہی حقیقت کے دو رُخ قرار دیا۔

۱۷ : عشق کو ہم سفرِ علم بنایا۔

۱۸ : زندگی کی منزل اور راہِ منزل کا پتہ دیا۔

۱۹ : رہنے سہنے کے آداب سکھائے۔ ہر چھوٹے بڑے کا مقام مقرر کیا۔ سیاست ۔ تدبیرِ منزل اور انفرادی فلاح کے گُر بتائے۔

۲۰ : دُنیا کو مُقتدّسین (داتاؒ - اجمیریؒ - بایزیدؒ وغیرہ) کی ایک ایسی جماعت دی۔ جن کی نظیر کہیں اور نہیں ملتی۔

اسبابِ زوال :

یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے۔ کہ جب ہمارے پاس اللہ کا آخری پیغام اصلی صورت میں موجُود تھا۔ رسُولِ اکرم صلعم کا اُسوۂ مقدّس بھی سامنے تھا۔ عروج و زوال کے اسرار سے بھی آشنا تھے۔ تو پھر ہماری عظمت خاک میں کیوں مل گئی ؟ اور شاہراہِ حیات پر ہم سب سے پیچھے کیوں رہ گئے ؟ اس کے کئی جواب ہیں :

اوّل : ہمارا علم زمانے کا ساتھ نہ دے سکا۔ آج سے چار سو سال پہلے، جب یورپ بطنِ زمین سے سامانِ قُوّت (فولاد۔ تیل۔ کوئلہ وغیرہ) نکال رہا تھا تو ہم فقہی مسائل پہ زور دے رہے تھے۔ اُن لوگوں نے ریلیں۔ اور طیّارے بنا لیے۔ اور ہم بیل گاڑی پر ہی قانع رہے۔ نتیجہ یہ، کہ : انیسویں صدی میں وُہ اپنے گھروں سے نکل کر مغرب میں کینیڈا۔ مشرق میں چین اور جنوب میں آسٹریلیا تک جا پُہنچے۔
مسلمان ہر جگہ پٹ گیا۔ اور اُس کی تقدیر کا وہ فیصلہ سامنے آگیا۔ جو پچھلے دو سو سال سے یورپ کی درس گاہوں اور صنعت گاہوں میں لکھا جا رہا تھا۔

دوم : تمام آسمانی کتابیں نیز تاریخِ عالم اِس حقیقت پہ شاہد ہے۔ کہ بقا صرف اقوامِ صالحہ کے لیے ہے۔ بدکار، عیّاش اور کاہل اقوام ہمیشہ مٹتی رہیں۔ ذرا اپنی تاریخ پہ نگاہ ڈالیے۔ آج تک آپ کے ڈیڑھ سو سلسلے، مثلاً عبّاسی۔ سلجوقی۔ سامانی۔ صفوی۔ مغل وغیرہ برسرِ اقتدار رہ چکے ہیں۔ ہر سلسلے کے پہلے چند فرماں روا تو قدرے محتاط تھے۔ لیکن بعد کے سلاطین عیّاشی میں

ڈوب کر رعایا کی بہبود سے غافل ہو گئے۔ حکام من مانی کرنے لگے۔ ان کے سینے رحم سے۔ عدالتیں انصاف سے اور معاشرہ خدا کے خوف سے خالی ہو گیا۔ ان حالات کا نتیجہ وہی ہوا۔ جو ہمیشہ ہوتا رہا ہے۔ یعنی :-

شعر : ثریا سے زمیں پر آسماں نے ہم کو دے مارا

سوم : ہمارے اکثر سلاطین نے رعونت کی وجہ سے علماء کو قریب نہ آنے دیا۔ نتیجہ یہ، کہ ان کی سیاست دین سے آزاد ہو کر بہیمیت اور درندگی بن گئی۔ عوام ان سے الگ ہو گئے۔ اور وہ تنہا حملہ آوروں کا مقابلہ نہ کر سکے۔

چہارم : بادشاہوں نے غیر اسلامی قدروں کو فروغ دیا۔ مطربوں، سرمایہ داروں اور خوشامدیوں کو نوازا۔ انھیں جاگیریں۔ مناصب اور اعزاز دیئے۔ اربابِ علم و دانش سے توہین آمیز سلوک کیا۔ نتیجہ یہ، کہ تمام علماء و فلاسفہ شاہی درباروں سے کنارہ کش ہو گئے۔ بادشاہوں کو صحیح مشورہ نہ مل سکا۔ اُن کے خوشامدیوں۔ اور چمچوں نے ان کی حماقتوں کو دانش اور گناہ کو نیکی کا رنگ دیا۔ اور وہ تباہ ہو گئے۔

مذہب سے بغاوت :

ہماری تباہی کا اصلی سبب مذہب سے بغاوت تھا۔ دیارِ اسلامی پر تسلطِ فرنگ کے بعد ہم میں ایسے ادیب اور مفکر پیدا ہو گئے۔ جو ذہناً و عملاً اسلام کے باغی تھے۔ اور تبلیغِ افکار میں بہت بے باک۔ ان لوگوں نے پہلے ترکی میں کام شروع کیا۔ کمال اتاترک اور اس کی قوم کو اپنے سانچے میں ڈھالنے کے بعد اُن کا فلسفہ عرب ممالک پہ حملہ آور ہوا۔ عراق۔ شام اور لبنان میں اس کی کوئی مزاحمت نہ ہوئی۔ البتہ مصر میں سیّد قطب اور چند دیگر علماء نے اِس کا ڈٹ کر مقابلہ کیا۔ یہ لوگ پھانسی پہ چڑھ گئے۔ لیکن میدان سے

نہ بھاگے۔ سید قطب قرنِ زوال کا سب سے بڑا اسلامی مفکر تھا۔ گو آج وُہ باقی نہیں رہا۔ لیکن اُس کی لافانی روح ہر جگہ مصروفِ عمل ہے۔ اُس کی تصانیف کے ترجمے مختلف زبانوں میں ہو رہے ہیں اور اِلحاد کے خلاف ہر جگہ مضبوط محاذ بن رہے ہیں۔

تاریخِ بغاوت :

عصرِ رواں میں مذہب کے خلاف بغاوت کی پہلی لہر یورپ سے اٹھی۔ یورپ، قرونِ وسطیٰ کی پاپائی حکومت کے مظالم سے کراہ رہا تھا۔ اِحیاء کے بعد اُس نے مذہب کو جھٹک دیا۔

مکیاولی اور دیگر باغی :

اِس بغاوت کا سرخیل اٹلی کا مشہور سیاسی مفکر مکیاولی (۱۴۶۹ء – ۱۵۲۷ء) تھا۔ یہ اپنی کتاب "دِی پرنس" میں لکھتا ہے :-

"ایک بادشاہ میں تمام عمدہ صفات ہونی چاہئیں۔ لیکن وہ اِس بات کا خیال رکھے۔ کہ اگر کسی وقت نیکی سے کام نہ چل سکے۔ تو بدی سے کام لے .... عوام کو جب چاہے، فریب دے لے۔ کہ یہ فریب کھانے کے لیے (خصوصاً بہ سلسلۂ مذہب) ہمیشہ آمادہ رہتے ہیں۔ وہ ہمیشہ مذہب۔ رحم اور انصاف کی تبلیغ کرے۔ لیکن اِن پر عمل ضروری نہ سمجھے۔" (ملخص)

(اسلام اینڈ ماڈرن اِزم۔ ص ۶)

فرانسِس بیکن (۱۵۶۱ء – ۱۶۲۰ء) کی رائے یہ تھی۔ کہ :

لہ : اسلام اینڈ ماڈرن اِزم۔ ص ۶ و بعد۔

"مذہب بے کار ہو چکا ہے۔ سائنس کا آفتاب طلوع ہو رہا ہے۔ اور یہ دنیا کو مسرّت و راحت کے جلووں سے بھر دے گا"

ڈی کارٹ (۱۵۹۶ء — ۱۶۵۰ء) بیکن کا پیرو تھا۔ یہ کائنات کو ایک خود کار تخلیق سمجھتا تھا، اور کہا کرتا تھا، کہ :

"مجھے عناصر دے دو، اور مَیں کائنات بنا دوں گا"

اسحاق نیوٹن (۱۶۴۳ء — ۱۷۲۷ء) کا خیال یہ تھا کہ :

"کائنات میں کوئی دانا و بینا خدا موجود نہیں۔ بلکہ اِس پر بے شعور قوانین کی حکومت ہے۔"

والٹیئر (۱۶۹۴ء — ۱۷۷۸ء) خدا کا تو قائل تھا۔ لیکن اُسے ایک ایسا گھڑی ساز سمجھتا تھا۔ جو گھڑی بنانے کے بعد گھڑی سے بے تعلق ہو جائے۔

ہیوم (۱۷۱۱ء — ۱۷۷۶ء) کہا کرتا تھا، کہ :

"والٹیئر کا گھڑی ساز خدا ایک نا اہل[1] مکینک تھا۔ جو مر چکا ہے آخرت کا عقیدہ باطل ہے۔ جب وہ فرضی[2] خدا آج تک غریب مزدوروں اور کسانوں کو اُن کی محنت کا اجر نہیں دِلا سکا۔ اور تخلیقِ آدم سے لے کر آج تک انصاف نہیں کر سکا۔ تو اُس سے آئندہ ہم کیا اُمید رکھ سکتے ہیں۔"

---

۱ : ایک مُلحد ہمیشہ جھوٹا۔ گستاخ اور بدتمیز ہُوا کرتا ہے۔

۲ : اگر چین۔ روس اور دیگر اشتراکی ممالک میں آج مزدور اپنی محنت کا پھل پا رہا ہے۔ تو دیگر ممالک میں بھی یہ نظام نافذ کیا جا سکتا ہے۔ بشرطیکہ سرمایہ داری کو ختم کیا جا سکے۔ مجرم سرمایہ دار ہے۔ نہ کہ خدا۔

رُوسو (۱۷۱۲ء – ۱۷۷۸ء) لذّت پرست تھا۔ جنسی بندشوں کا مخالف۔ وہ حیا، عِفت، پاکیزگی اور تقویٰ کو ماضی کی حماقتیں کہا کرتا تھا۔

ڈارون (۱۸۰۹ء – ۱۸۸۲ء) اِنسان کو خالص حیوان سمجھتا تھا۔ وُہ بلند رُوحانی صفات کا منکر تھا۔ اور انسان کا موازنہ کتّوں اور بندروں سے کیا کرتا تھا۔

شُوپن ھار (۱۷۸۸ء – ۱۸۶۰ء) کے ہاں زندگی ایک بے مقصد اضطراب اور ایک بے منزل سفر ہے۔ جس کا انجام موت ہے۔

کارل مارکس (۱۸۱۸ء – ۱۸۸۳ء) کے ہاں اِنسان کی زِندگی معاشی قدروں کے گرد گھُومتی ہے۔

فرائڈ (۱۸۵۹ء – ۱۹۳۹ء) جذبۂ جنس کو تمام اِنسانی اَعمال کا محوَر سمجھتا تھا۔ اَخلاقی اقدار کو اِضافی قرار دیتا تھا۔ اور کہتا تھا کہ :

"کائنات پر ڈنڈے کی حکُومت ہے۔ ظالم، متکبّر اور ڈنڈے مار ہر جگہ بادشاہ ہیں۔ اور حلیم و متواضع ہر مقام پر محکوم ہیں"

یہ تھے۔ اِلحاد کے بڑے بڑے مُبلّغ۔ جن پر سارا یورپ اِیمان لاچکا ہے۔ اور اب اُن کا فلسفہ اِسلامی ممالک میں بھی پھیل رہا ہے۔

اِلحاد کے نتائج :

اِس اِلحاد کے نتائج یہ نِکلے :-

ا : آسمانی تہذیب (وحی۔ مذہب) ظلمت اور پسماندگی کی علامت قرار پائی۔ اور عیّاشی و اوباشی مہذّب کہلانے لگے۔

ب : نظریۂ مکافاتِ عمل اور آخرت سے انکار کی بنا پر ظلم، آئینِ حیات بن گیا۔ یقین نہ آئے تو روڈیشیا۔ جنوبی افریقہ اور امریکہ کے حبشیوں۔ بھارت اور

کشمیر کے مسلمانوں، عربوں اور دِت نام کے باشندوں پہ نظر ڈالیے۔

ج : خواتین نے اُن بندشوں کے خلاف اِعلانِ جنگ کر دیا۔ جو مذہب۔ سماج۔ اور طویل انسانی تجربے نے اُن پر عائد کی تھیں۔ نتیجہ یہ۔ کہ یورپ ایک طوائف خانہ بن گیا۔ اور وہاں عصمت و پاکیزگی کا کوئی تصوّر باقی نہ رہا۔

د : مرد لاکھ بے حیا اور بدچلن بن جائیں۔ لیکن وُہ اِتنے بے غیرت نہیں ہو سکتے۔ کہ اپنی بیویوں کو دُوسروں کی آغوش میں دیکھ سکیں۔ جب یورپ کی خاتون متاعِ عام بن گئی۔ تو گھر اُجڑنے لگے۔ اور لاکھوں بچے آوارہ ہو گئے۔

ہ : لواطت عام ہو گئی۔ اور ۱۹۶۶ء میں اِنگلستان کی پارلیمنٹ نے ایک ایکٹ کی رُو سے اس کی اجازت دے دی۔

و : والدین کا احترام ختم ہو گیا۔ اور جہاں کہیں اولاد کا بس چلا۔ بُوڑھے والدین کو دھکیل کر پیرخانوں میں چھوڑ آئے۔

ز : چونکہ شراب۔ رقص۔ سینما۔ اور عیّاشی تہذیبِ نو کے لوازم ہیں۔ اور اِن پہ بہت خرچ اُٹھتا ہے۔ اِس لیے یورپ میں چوری اور ڈکیتی کی واردات میں بے اندازہ اِضافہ ہُوا۔ بینکوں کو لُوٹنے کی وباء عام ہو گئی۔ اور موٹر چوری کا یہ عالم۔ کہ امریکہ کے صرف ایک شہر (نیویارک) میں ہر ماہ اندازاً تیس ہزار موٹریں چوری ہونے لگیں۔

ز : یورپ میں زندگی بھٹکنے لگی، اور اِس آوارگی میں اِس حد تک اِضافہ ہُوا۔ کہ خودکشی کا سِلسلہ شروع ہو گیا۔ آج یہ وباء سارے یورپ اور امریکہ کی تمام ریاستوں میں پھیل چکی ہے۔ اور اب مشرق کا رُخ کر رہی ہے۔ جاپان اس کا پہلا شکار ہے۔ یہ وباء وہیں حملہ کرتی ہے۔ جہاں اِلحاد ہو۔ اور

انسان لامقصد زندگی سے تنگ آچکا ہو۔ پاکستان میں بھی اِلحاد کا رُجحان بڑھ رہا ہے۔ اگر حکومت نے اِسلام کی تابدار اَقدار کو فروغ دینے کے لیے تمام وسائل سے کام نہ لیا۔ تو اِس صدی کے خاتمے تک یہاں بھی وہی سلسلہ شروع ہو جائے گا اور لوگ اپنے ہی خنجر سے اپنا گلا کاٹنے لگیں گے۔

آثارِ بغاوت اِسلام میں :

ہمارے ہاں ہر زمانے میں کچھ ایسے فرقے پیدا ہوتے رہے۔ جن کے عقائد میں انحراف تھا۔ مثلاً : مُعتزلہ۔ باطنیہ۔ خوارج وغیرہ۔ اور کچھ کج عقیدہ افراد بھی۔ مثلاً : ابنِ راوندی (۹۱۵ء) جو رسالت کا مُنکر تھا۔ اَبُو بکر رازی (۹۳۲ء) جو قدامتِ مادہ کا قائل تھا۔ مُعَرّی (۹۷۳ء — ۱۰۵۷ء) جس نے قرآن کا جواب "الفصُول والغایات" کے عُنوان سے لکھا تھا۔ وقِس عَلیٰ ھٰذا۔ لیکن اِسلام کے خلاف بغاوت نے کبھی تحریک کی صُورت اختیار نہیں کی تھی۔ یہ تحریک بیسویں صدی کی تخلیق ہے۔ جسے عیّاش یورپ اور اُس کے مُستشرقین نے جنم دیا ہے۔ ترکی، شام، عراق اور لبنان بڑی حد تک اِس کی لپیٹ میں آ چُکے ہیں۔ ان کی ساری آبادی عبادات کو ترک کر چُکی ہے۔ اِلّا ماشاء اللہ اور ان کے کچھ اہلِ قلم مذہب کے خلاف مسلسل لکھ رہے ہیں۔ پاکستان میں بھی حالات بگڑ رہے ہیں۔ ہمارے حُکّام، سرمایہ دار، زمیندار، طلباء، اساتذہ اور اہلِ کار اِسلام کو عملاً خیرباد کہہ چُکے ہیں، اور ان کی خاصی تعداد مذہب کو دقیانوسی، اور دور از کار سمجھنے لگی ہے۔ خصُوصاً وُہ پود جو یونیورسٹیوں کے مُلحدانہ ماحول سے نکل کر سیدھی دفتروں اور درس گاہوں میں آ رہی ہے۔ ہمارے نظامِ تعلیم میں الحاد کہاں سے آیا؟ ہمارے نصاب سازوں میں بڑے بڑے مُلحد کون تھے؟ اُن کے مقاصد کیا تھے؟ یہ ایک طویل بحث ہے۔ جس کی تفصیل کا یہ موقعہ نہیں۔ یہاں صرف

اتنا ہی کہنا کافی ہوگا۔ کہ ان "محسنینِ ملک" کی کوششوں کا پھل آج ہمارے سامنے ہے۔ ہماری نسل نو کسی ڈسپلن کی قائل ہی نہیں رہی۔ یہ نہ حکومت کی پرواہ کرتی ہے، اور نہ اساتذہ و والدین کی۔ جس نسل کو آپ نے خدا و رسول کے سامنے جھکنا نہ سکھایا ہو۔ وہ کسی اور کے سامنے کیوں جھکے گی؟ انسان کو طاعت سے بھی مسرت ملتی ہے۔ اور سرکشی سے بھی۔ مؤخر الذکر عارضی و مضرت رساں سہی۔ لیکن مستی شراب کی طرح بڑی تند و تیز ہوتی ہے، اور منہ کو لگ جائے۔ تو مشکل سے چھٹتی ہے۔

باغی اہلِ قلم :

مسلمانوں میں قرنِ رواں کا پہلا باغی ایک ترک تھا۔ نام :۔ ضیا گوکلپ ۔ (۱۸۷۶ء - ۱۹۲۴ء)۔ اس نے صرف اڑتالیس برس کی عمر پائی۔ اور اس چھوٹی سی عمر میں ترکوں اور خصوصاً کمال اتاترک کو بہت متاثر کیا۔ یہ استنبول یونیورسٹی میں پروفیسر تھا۔ یہ اپنی کتاب :

"ترک قومیت اور تہذیبِ مغرب" (طبع نیویارک ۱۹۵۹ء) میں لکھتا ہے :۔

"ہم یورپ کی اس شاندار تہذیب کو اپنانے سے کیوں ہچکچائیں جسے اختیار کرنے کے بعد جاپان ایک یورپی طاقت تسلیم کر لیا گیا ہے اور ہم بدستور ایشیائی کہلاتے ہیں۔" (ملخص صہ ۲۶۶)

آگے چل کر لکھتا ہے :۔

"ترکوں کو چاہیے، کہ وہ اپنی اُس تہذیب پر اترانا سیکھیں۔ جو اسلام سے پہلے ان کے ہاں موجود تھی۔ نیز یورپی تہذیب اختیار کریں۔ اس تہذیب کو اختیار کیے بغیر ہم یورپ کی صنعت۔ طاقت اور سائنس کو کبھی حاصل نہیں کر سکتے۔" (ملخص ۔ صہ ۲۷۶)

آگے ارشاد ہوتا ہے :۔

"ہم ایک طاقت ور تہذیب کو اُسی صُورت میں جنم دے سکتے ہیں۔ کہ ہم قومیت کو مذہب پر ترجیح دیں۔"

(ملخص۔ صہ ۲۰۲)

ضیا عربی حروف کا بھی دشمن تھا۔ اسی کی ترغیب پر اتاتُرک نے مُلک میں لاطینی رسم الخط نافذ کیا تھا۔

تُرکوں کو اِسلامی تہذیب چھوڑے اور مغربی تہذیب اختیار کیے آج پینتالیس برس ہو چکے ہیں۔ سوال یہ ہے، کہ اِس عرصے میں اُنھوں نے صنعت، سائنس اور فلسفے میں کتنی ترقی کی؟ طیاروں اور ٹینکوں کے کتنے کارخانے قائم کیے؟ کون سے اِنکشافات کیے؟ کتنے تحقیقی و تصنیفی اداروں کی بنا ڈالی؟ خلا میں کتنے راکٹ چھوڑے؟ اور فِطرت کے کون سے راز دریافت کیے؟ اگر اِن تمام سوالات کا جواب نفی میں ہے۔ تو پھر اُن پاکستانیوں کو جو ہمیں اسلام سے بدظن کرکے تہذیبِ مغرب کی طرف بُلا رہے ہیں۔ تُرکوں کے اِس انجام سے درسِ عبرت لینا چاہیے۔

اِسماعیل مظہر :

جب کمال اتاتُرک نے سیاست کو مذہب سے علیحدہ کر دیا۔ تو ترکی میں کئی اہلِ قلم اِسلام کے خلاف لکھنے لگے۔ ان میں سے ایک اسماعیل احمد اَدْہَم تھا۔ جو اپنے افکار کی تبلیغ کے لیے تُرکی سے مِصر آگیا تھا۔ اس نے اِلحاد پر ایک کتاب لکھی۔ عنوان تھا :۔ لِماذا انا مُلحِدٌ " (میں کیوں مُلحِد ہُوا؟) یہ اسکندریہ سے شائع ہُوئی تھی۔ اِس سے کئی مِصری متاثر ہُوئے۔ اُن میں سرِفہرست "العصور" کا مُدیر اسماعیل مظہر تھا۔ اِس کا یہ رسالہ مُلحِدانہ اَفکار کی اشاعت کے لیے وقف تھا۔

مصر میں اِلحاد کا پہلا سُراغ محمُود عزمی کی تحریرات میں ملتا ہے۔ جو ۱۹۲۴ء سے کچھ بعد تک اَلاَہرام میں شائع ہوتی رہیں۔ اِن کا ماحصل یہ کہ مذہب ترقی کی راہ میں سب سے بڑی رُکاوٹ ہے۔ اُنہی دنوں قابیل آدم (تُرک ادیب) نے ایک کتاب "مُصطفٰے کمال" کے نام سے لکھی۔ جس میں اِسلام پر سخت تنقید کی۔ اسماعیل منظہر نے یہ کتاب "العصُور" میں بالاقساط شائع کی۔ اور اسے ایک عہد آفریں کتاب قرار دیا۔ اسماعیل منظہر کے اپنے افکار یہ تھے :-

ا : مذہب سے فکر منجمد ہو جاتی ہے۔

ب : مذہب سائنسی حقائق کا دُشمن ہے۔

ج : انبیاء کی تعلیمات دانش سے یکسر خالی ہیں۔

د : مذہب نے ہر زمانے میں علم کو دبائے رکھا۔ لیکن قرنِ رواں میں علم کو پہلی مرتبہ مذہب پہ فتح حاصل ہُوئی ہے۔

اِن افکار سے ڈاکٹر طٰہٰ حُسین بھی متاثر ہُوئے تھے۔ محمد ستید کیلانی نے ڈاکٹر صاحب کے غیر اسلامی افکار پر ایک مستقل مقالہ[1] لکھا ہے۔ ۱۹۶۱ء میں اسماعیل منظہر اپنے عقائد سے تائب ہو گیا۔ اور اب اسلام کی تبلیغ میں مصروف ہے۔

(الملل و النحل (شہرستانی) کی ذیل
از محمد ستید کیلانی - صہ ۹۱)

چند دیگر باغی :

باغیوں کی فہرست بہت طویل ہے۔ اختصاراً چند نام یہ ہیں :-

---

[1] : ملاحظہ ہو :- ذیلِ الملل والنحل (شہرستانی)
از محمد ستید کیلانی - صہ ۸۴)

۱ : علی عبد الرزاق مصری، محمد عبدہ کا شاگرد، جس نے "الاسلام واصول الحکم" میں اسلام پہ تنقید کی۔ یہ کتاب ۱۹۲۵ء میں شائع ہوئی تھی۔

۲ : خالد محمد خالد مصری، علما کا دشمن، اسلام کا مخالف، اور سیکولرزم (لادینیت) کا قائل تھا۔ جب ۱۹۵۰ء میں اس کی کتاب "من ھنا نبدأ" شائع ہوئی۔ تو عوام مشتعل ہو گئے۔ اور جلوس نکلنے لگے۔ اِس پر یہ کتاب ضبط ہو گئی۔ لیکن بعد میں جلد آزاد کر دی گئی۔

۳ : حاجی اگس سلیم جو کسی وقت انڈونیشیا کا وزیر خارجہ بھی رہا۔ اسلام کا مخالف تھا۔

۴ : سید لطفی پہلا مصری ہے، جس نے تہذیب فرعون کا نعرہ لگایا۔ یہ سعد زاغلول پاشا (مشہور مصری راہ نما) کا دوست تھا۔

۵ : احمد خاکی مصری نے ۱۹۴۷ء میں ایک مقالہ لکھا تھا۔ جس کا خلاصہ یہ۔ کہ قرآن کی کلاسیکی عربی بے کار ہو چکی ہے۔ اگر یہ عربی بچوں کو پڑھائی گئی۔ تو ہم اسے برداشت نہیں کریں گے۔

۶ : جمال حمدی مصری نے بیروت کے ایک رسالے "الحسناء" میں ایک سلسلۂ مقالات شائع کیا۔ جن کا ماحصل یہ کہ: دینی روایات رجعت پسندانہ ہیں اور تمام اخلاقی اقدار بوسیدہ اور فرسودہ۔ انھیں ترک کر کے یورپ کے پیچھے چلو۔

(بحوالۂ نوائے وقت ۱۳۔ اگست ۱۹۶۸ء)

۷ : حال ہی میں لبنان کے مسلمانوں نے ابو جہل اکاڈمی کی بنا ڈالی ہے۔ جس کا مقصد اسلام پہ تنقید اور تہذیبِ جاہلیت کی ترویج ہے۔

(نوائے وقت ۱۴۔ اگست ۱۹۶۸ء)

یہ کہانی بہت طویل ہے۔ سرِدست اِسی پہ اکتفا کرتا ہوں۔

O

باب ۵

علمائے دین کی قدر و قیمت

آج کل یہ دستور بن چکا ہے۔ کہ جہاں بھی دو چار "ماڈرن" مسلمان جمع ہو جائیں۔ مولوی کو ہدفِ تنقید بنا لیتے ہیں۔ اس پہ الزام یہ کہ :

ا : اس کے افکار فرسودہ و بوسیدہ ہیں۔

ب : یہ علومِ جدیدہ کا دشمن ہے۔

ج : اور ترقی کی راہ میں سنگِ گراں ہے۔

یہ درست ہے کہ گزشتہ تین صدیوں میں ہمارے علماء نے قوم کو علومِ کونیہ (کیمیا، فزکس، جیالوجی، ریاضی، عناصر وغیرہ) کی طرف متوجہ نہیں کیا۔ اقوامِ عالم کی رفتار، کردار اور انکشافات سے خود بھی بے خبر رہے۔ اور ہمیں بھی بے خبر رکھا۔ لیکن اگر ہم حقیقت کو قریب سے دیکھیں۔ تو اصلی قصور وار دہلی۔ ایران۔ عرب اور ترکی کے وُہ سلاطین نکلیں گے۔ جن کا رابطہ زندگی کی حقیقتوں اور صداقتوں سے کٹ چکا تھا۔ جو بادہ و زن کی لذتوں میں اس حد تک ڈوبے ہوئے تھے، کہ انھیں نہ تو اپنے انجام کا اندازہ تھا۔ اور نہ اُن طوفانوں کا علم۔ جو یورپ کی درس گاہوں میں تعمیر ہو رہے تھے۔ علماء ہر زمانے میں بے مایہ و بے وسیلہ رہے ہیں۔ انھیں کیا خبر، کہ اُس وقت فرانس، جرمنی اور انگلستان کی دانش گاہوں میں کیا پڑھایا جا رہا تھا۔ طبیعات میں کیا اضافے ہو رہے تھے۔ اور کائنات کے کون سے راز بے حجاب ہو چکے تھے۔ ان معلومات کو فراہم کرنا، علومِ جدیدہ

کی تدریس کے لیے درس گاہیں کھولنا اور قوم کو برق و آہن کی قوّت سے مسلح کرنا سلاطین کا فرض تھا۔ لیکن جادا سے تراکش تک یہ بے کار حکمران اپنے فرائض سے غافل ہو گئے۔ اور ہم غبارِ راہ گزر بن کر اُڑ گئے۔ ملوبے کی بلا بندر کے سر ڈالنا قرینِ انصاف نہیں۔ اِس لیے غریب مُلّا کو موجودہ پسماندگی کا ذمّہ دار ٹھہرانا اُتنا ہی غلط ہے۔ جتنا یہ کہنا، کہ اِن سلاطین کو عیاشی کی تعلیم بھی مُلّا ہی نے دی تھی۔

کارلائل نے کہا تھا، کہ :

"مسلمانوں کے پاس ایک ایسی چیز موجود ہے۔ جو کسی اور قوم کو میتسر نہیں، اور وُہ ہے، حضور صلعم کی ذاتِ گرامی۔ جن کے بے پناہ عزم، ولولہ انگیز قیادت، حیات آفریں پیغام اور جہاں بر انداز عمل نے ایک وحشی و جاہل قوم کو دُنیا کا سردار بنا دیا تھا۔"

ایچ، جی وُیلز کہتا ہے، کہ :

"مسلمانوں کی نہایت قیمتی متاع قرآنِ حکیم ہے۔ جب تک یہ کتاب موجود ہے۔ یہ قوم کسی وقت بھی اُبھر کر عالم کو تہ و بالا کر سکتی ہے۔"

میری حقیر رائے یہ ہے۔ کہ مُلّا بھی ایک ایسی ہی متاعِ نایاب ہے۔ جو کسی اور قوم کے پاس موجود نہیں۔

کیا دُنیا میں کوئی ایسی قوم ہے ؟ :

ل : جس کے لاکھوں مبلّغ، بے مُزد قوم کا مزاج، رُوحانی، امن پسند، اور قانون دوست بنا رہے ہوں ؟ اسے بھُوک میں قناعت، مُصیبت میں صبر، اور نعمت میں شُکر کا درس دے رہے ہوں ؟ کتنی عجیب بات ہے، کہ پاکستان کے کروڑوں بھُوکے نہ بینکوں اور بازاروں کو لُوٹتے ہیں اور نہ زندگی سے تنگ آکر خودکشی کرتے ہیں۔ یہ فیض ہے مُلّا کی تعلیم کا جو عوام کو صبر و قناعت کا درس

وسطے کر قانون کی مدد کر دکھلاتا ہے۔

ب : اس نے دنیائے اسلام کی ساٹھ لاکھ مساجد کو آباد کر رکھا ہے۔ سردی ہو یا گرمی، یہ ہر روز علی الصبح مسجد میں پہنچتا، اذان دیتا، امامت کرتا اور بعد ازاں ہمارے محلے کے بچوں کو قرآن پڑھاتا ہے۔

ج : یہ شادی و غم کی تقریبات میں شامل ہو کر انھیں تقدیس عطا کرتا ہے۔ یہ نہ ہوتا تو نکاح کون پڑھاتا اور تجہیز و تکفین کی شرعی رسوم کون ادا کرتا؟

د : انسانی زندگی میں ایک چیز بہت اہم ہے۔ یعنی اللہ سے رابطہ۔ اسی سے نگاہ میں حسن، قلب میں سکون اور حیات میں جمال پیدا ہوتا ہے۔ یہ کہیں محبت کی شکل اختیار کرتا ہے اور کہیں عظمت و مسرت کی۔ یورپ اس رابطہ سے محروم ہو کر بری طرح چٹ رہا ہے۔ اس کے شرابی، ٹیڈی اور ہپی اس کے لیے لعنت بنے ہوئے ہیں۔ وہاں غیرت و عصمت کا کوئی تصور باقی نہیں رہا، اور اضطراب کا یہ عالم کہ ہر سال لاکھوں نوجوان خودکشی کر جاتے ہیں۔ یہ غالباً [illegible] کی آخری سہ ماہی کا واقعہ ہے کہ امریکہ کے صرف ایک شہر لاس اینجلز میں پچھتر ہزار افراد نے خودکشی کی تھی اور اس سال پاکستان میں شاید ہی کوئی ایسی واردات ہوئی ہو۔ اگر مغرب کی عریاں اور حیوانی تہذیب کی یلغار کے باوجود کروڑوں پاکستانیوں کا ذہنی رابطہ اللہ سے قائم ہے، وہ اس کی ہر قضا کے سامنے جھکتے، اور اسے منشائے الٰہی کا تقاضا سمجھتے ہیں، تو اسے ملا کی تبلیغ کا نتیجہ سمجھیے۔

ہ : لذت طلبی میں انسان و حیوان برابر کے شریک ہیں۔ فرق یہ کہ طیور و حیوانات کی لذت ایک ہی قسم کی ہوتی ہے۔ مثلاً: خواب و خور کی لذت، وصالِ جنسی کی لذت و قس علیٰ ہذا۔ اور انسانی لذات لطیف، پاکیزہ اور بلند ہوتی ہیں۔ مثلاً: علم کی لذت۔ خدمت و محبت کی لذت۔ احسان و مروت کی لذت۔

اللہ کی راہوں میں اِنفاق کی لذّت ۔ ذکر و فکر کی لذّت ۔ دُعائے سحر گاہی اور گریۂ نیم شبی کی لذّت ۔ عرفان مشاہدہ اور یقین کی لذّت ۔ فضائے قدس کی طرف صعُود کی لذّت اور ذاتِ الٰہی میں ڈُوب جانے کی لذّت ۔ اِن تمام لذّات کی طرف ہمیں کون بُلاتا ہے ؟ جواب ہے : مُلاّ ۔

چُو خود را در کنارِ خود کشیدم
بہ نُورِ تو مقامِ خویش دیدم
دریں دَیر از نوائے صُبحگاہی
جہانِ سوز و مستی آفریدم

(اِقبال)

ہ : عصرِ رواں اس حد تک مادہ پرست بن چکا ہے ۔ کہ اِس کے ہاں سوزِ رُومی ، آتشِ تبریزی ، مستیٔ حافظ اور عرفانِ جامی کا تصوّر تک باقی نہیں رہا ۔ یُوں معلُوم ہوتا ہے ۔ کہ ساری دُنیا رُوحانیت کے خلاف ایک خوفناک سازش میں شریک ہے ۔ آج رُومی نہ ایران و افغانستان کی درس گاہوں میں نظر آتا ہے ۔ نہ ترکی و پاکستان میں ۔ اگر ہے بھی ، تو محض برائے نام ۔ اِس یک طرفہ تعلیمی پالیسی کا نتیجہ یہ ہے ، کہ ہماری درس گاہوں سے ایسے طلبا ء نکلنے لگے ، جن کا نقطۂ نگاہ مادی تھا ۔ یہ زندگی کے باطن سے ناآشنا ، منزلِ حیات سے بے خبر ، اور مقامِ آدم سے ناواقف تھے ۔ جس طرح جسم رُوح کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا ۔ اسی طرح کوئی مادی عظمت رُوحانیت کے بغیر قائم نہیں رہ سکتی ۔ اگر یقین نہ آئے ، تو یورپ اور امریکہ پہ نگاہ ڈالیے ۔ وہ کون سی مادی طاقت ہے جو اِن کے پاس موجُود نہیں ۔ بے پناہ علم کے علاوہ یہ ساری دُنیا کی دولت پر بھی قابض ہیں ۔ اِن کے وسائل لامحدود ۔ ذخائر بے حساب اور مکروفن لاجواب ۔

لیکن بایں ہمہ یہ سمٹتے، اور گھٹتے چلے جا رہے ہیں۔ کل برطانیہ کی سلطنت پر سورج غروب نہیں ہوتا تھا۔ اور آج طلوع ہی نہیں ہوتا۔ وہاں سال میں دس ماہ اتنی گہری کہر رہتی ہے کہ سورج نظر نہیں آتا۔ یہی حال فرانس۔ اٹلی۔ بلجیم۔ جرمنی۔ ہالینڈ اور پرتگال کا ہے۔ کہ یہ سب نوآبادیوں سے نکل کر اپنے گھروں میں جا پہنچے ہیں۔ رہا امریکہ، تو وہ آج سے چھ برس پہلے دو ڈھائی سال تک کوریا میں پٹا۔ اُس کے لاکھوں نوجوان لُولے لنگڑے بن کر گھروں کو لوٹے۔ اور اب چار برس سے ویٹ نام کی دلدلوں میں مار کھا رہا ہے۔ ویٹ نام کے سربکف اور دلیر نوجوان ہر روز راکٹوں، دستی بموں اور سٹین گنوں سے اس کے بزدل اور دبکے ہوئے سپاہیوں پر بیسیوں حملے کرتے ہیں، اور اب تک دو لاکھ سے زیادہ امریکی یا تو ہلاک ہو چکے ہیں، اور یا دست و پا سے محروم۔ ساکھ کا یہ عالم، کہ آج ساری دنیا اس کی دشمن ہو چکی ہے اور اندرونِ ملک یہ کیفیت، کہ اس کے آوارہ طلبہ، بدچلن طالبات۔ لاکھوں ڈاکوؤں۔ موٹر چوروں اور ہپیوں نے اُس کا ناک میں دم کر رکھا ہے۔ حال ہی میں یہ خبر آئی ہے، کہ:

"۱۹۶۸ء کے ماہ مئی میں واشنگٹن کے جرائم کاروں نے تین ہزار بلوے اور ایک سو ستر قتل کیے۔ چھ ہزار ڈاکے ڈالے، اور تیس ہزار کاریں چرائیں۔ یہاں یہ ذکر بے جا نہ ہوگا۔ کہ وہاں (امریکہ) ۱۹۶۲ء میں بیس لاکھ حرامی بچے پیدا ہوئے تھے، اور اٹھارہ لاکھ عورتوں کو طلاق ہوئی تھی۔" (ملک۔ اشاعت ۲۴۔ ستمبر ۱۹۶۲ء)

بے پدر بچوں کی تعداد ہر سال تقریباً یہی ہوتی ہے۔ اگر تاریخ عالم، اور ایک سو آسمانی صحائف کا یہ فیصلہ صحیح ہے کہ عیاش، ظالم اور بدکار اقوام کسی

ؐ: اخبار جنگ، اشاعت ۲۰ر جولائی ۱۹۶۸ء۔

صورت زندہ نہیں رہ سکتیں۔ تو پھر امریکہ کا انجام بد بہت دور نہیں۔

دانایانِ گیتی کا یہ متفقہ فیصلہ ہے کہ عظمتِ اقوام کی تعمیر رُوحانیت پہ اُٹھائی جاتی ہے۔ اگر یہ بُنیاد ہل جائے۔ تو عمارت قائم نہیں رہ سکتی۔ اُمتِ مُسلمہ کتنی خوش قسمت ہے۔ کہ اُس کے لاکھوں مُلّا (علمائے کرام) اطرافِ عالم میں گھوم پھر کر خُدا و رسُول کا پیغام سُنا رہے ہیں، اور رُوحانیت کے ذخائر میں اضافہ کر رہے ہیں۔

یہاں یہ سوال ہو سکتا ہے، کہ واعظوں کی اِس تعداد کے باوجُود مُسلمان تباہ کیُوں ہو گئے۔ تو جواب یہ ہے، کہ حُکمرانوں کی حماقت، حُکّام کی بے تدبیری، اور اُمراء کی عیّاشی سے یہ لوگ عیش میں پڑ گئے، اور دُشمن کی چالوں سے، جو اپنی رصدگاہوں۔ تجربہ گاہوں اور دانش گاہوں میں بیٹھ کر ہماری تباہی کے لیے خوفناک اسلحہ ایجاد کر رہا تھا، غافل ہو گئے۔ گو آج ہمارا وُہ دُشمن بدکاری کے جہنم میں جل رہا ہے۔ لیکن ہم نہ تو اُس کے انجام سے عبرت حاصل کرنے کے لیے تیار ہیں، اور نہ اُس کے اسبابِ زوال پر غور کرنے کے لیے آمادہ۔ پھر ستم یہ، کہ ہم فسق و فجُور کی انہی راہوں پہ چل رہے ہیں۔ جو دُشمن نے ہمارے لیے ہموار کی تھیں۔

وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْقُرٰى اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَرَكٰتٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ وَلٰكِنْ كَذَّبُوْا فَاَخَذْنٰهُمْ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ۔
(اعراف - ۹۶)

(اگر یہ بستیوں کے لوگ ایمان لے آتے اور ہم سے ڈرتے۔ تو ہم اُن پر زمین و آسمان سے برکات نازل کرتے۔ لیکن انھوں نے ہمیں جھُوٹا سمجھا اور ہم نے انھیں ان کے اعمالِ بد کی پوری سزا دی)

نہ : ہمارے باہمّت اسلاف نے کروڑوں کتابیں لکھی تھیں۔ جن سے بغداد۔ دمشق، قاہرہ، مراکش، سسلی۔ قرطبہ اور غرناطہ کی لائبریریاں بھر گئی تھیں۔ اِن کتابوں میں اسلاف کی عظیم حکمت و دانش۔ بقا و فنا کی تفصیل، صحائفِ آسمانی کی تفسیر۔ غزالیؒ و رومیؒ کا حیات افروز پیغام۔ کندی و فارابی کا فلسفہ، اور شعرانی و باقلانی کا علم الکلام تھا۔ اِس جلیل و جمیل میراث کا حامل کون ہے؟ وُہ کون ہے، جو حال و مستقبل کا رشتہ ماضی سے جوڑ رہا ہے؟ اور شاہراہِ حیات پر وُہ چراغ رکھ رہا ہے، جو ہمارے لافانی اسلاف نے روشن کیے تھے؟
جواب ہے: مُلّا۔

مُلّا کو معلوم ہے، کہ آج علمِ دین کی کہیں کوئی قدر نہیں رہی۔ اُسے نہ ملازمت مل سکتی ہے، نہ دربار و معاشرہ میں کوئی مقام۔ تاہم وُہ اِس علم کو محض اِس لیے حاصل کر رہا ہے، تاکہ اللہ کا پیغام اللہ کی مخلوق تک پہنچا سکے۔ اِس کا یہ ایثار بہت قابلِ قدر تھا۔ لیکن قوم نے اِسے کوئی مقام نہ دیا۔ اور اِسے مُلّا، مُلَنٹا۔ اور مُلّانہ جیسے قابلِ نفرت القاب سے نوازا۔

ترکی اور مُلّا :

کمال اتاترک نے ۱۹۲۴ء میں تمام عربی دارالعلوم بند کر دیے تھے، اور مُلّا کا وجود تک مٹا دیا تھا۔ اُس کا خیال یہ تھا، کہ ترکی کی پسماندگی کی سب سے بڑی وجہ مُلّا ہے۔ لیکن سوال یہ ہے، کہ کیا مُلّا کے ختم ہو جانے کے بعد وہاں کوئی ترقی ہوئی ہے؟ آپ کو ترکی میں بڑے بڑے ہوٹل اور سینما تو بہت نظر آئیں گے۔ لیکن فولاد و اسلحہ کے کارخانے کہیں نہیں ملیں گے۔ لاطینی رسم الخط نافذ کرنے کے بعد

وہاں کی یونیورسٹیاں بھی بانجھ ہو چکی ہیں۔ اب وہاں نہ کوئی فلسفی پیدا ہوتا ہے، نہ محقق۔ نہ طبیعی نہ مورخ۔ نہ جانے مُلّا کو مار کر ترکی نے کس پہلو میں ترقی کی ہے؟

مُلّا کی تنقید :

کچھ لوگ مُلّا کی تنقید سے گھبراتے ہیں۔ اُنھیں معلوم ہونا چاہیے، کہ تنقید ایک نہایت مؤثر اصلاحی حربہ ہے۔ یہ نہ ہو تو ہر حاکم و اہلکار من مانی کرنے لگے۔ اور لوگ مُبتلائے مصیبت ہو جائیں۔ ہر مُلازم، کانسٹیبل سے بادشاہ تک، خدا و مخلوق کے سامنے جواب دِہ ہے۔ یہ سب سرکاری خزانے سے تنخواہ پاتے ہیں۔ خزانے کو عوام بھرتے ہیں۔ بدیگر الفاظ یہ عوام کے مُلازم ہیں۔ کیا آقا (عوام) کو اپنے ملازموں سے بازپُرس کا کوئی حق نہیں؟ پریس۔ مُلّا۔ مبلغ۔ لیڈر۔ ادیب۔ شاعر اور مصنف سب عوام کے نمائندے ہیں۔ ممکن ہے، کہ اِن میں سے کسی کی تنقید بے جا اور مبنی بر خود غرضی ہو۔ لیکن مُلّا کا نقطۂ نظر عموماً دین ولانہ ہوتا ہے اور اِس کا مقصد محض اصلاح ہوتا ہے۔ و بس۔

اقسامِ علم :

علم کی بڑی بڑی قسمیں دو ہیں :

اوّل : علمِ دین۔

دوم : علمِ دُنیا۔

ریاضی۔ طِب۔ کیمیا۔ جغرافیہ وغیرہ کا تعلق دُنیا سے ہے۔ اور قرآن۔ حدیث اور فقہ کا دین سے۔ جس طرح انجنیئر۔ ڈاکٹر۔ سائنس دان اور ماہرینِ ریاضی کے بغیر ہمارا کام نہیں چل سکتا۔ اسی طرح مُلّا کے بغیر ہم اُمورِ دین کو سرانجام نہیں

دے سکتے۔ اِس زمین پر انسان کا قیام عارضی ہے، اور اُس کی حقیقی منزل آگے ہے۔ وُہ منزل کیسی ہے، کہاں ہے؟ اور وہاں کے لیے کِس قسم کا زادِ سفر درکار ہے؟ اِن سوالات کا جواب مُلّا ہی دے سکتا ہے۔

کیا عُلما ترقی کے خلاف ہیں؟:

علماء پر یہ الزام، کہ وہ ترقی کے دشمن ہیں۔ از بس بے حقیقت ہے۔ یہ لوگ صرف فرنگی تہذیب افکار اور ادب کے دشمن ہیں۔ یہ درست کہ اس سلسلے میں بعض علماء نے غلو سے کام لیا۔ اور انگریزی زبان کو بھی بُرا بھلا کہا۔ لیکن یہ آج سے پچاس سال پہلے کی باتیں ہیں۔ اِس وقت صورتِ حال یہ ہے کہ سرسید، اقبال، مشرقی، فرید وجدی، طنطاوی مصری، ڈاکٹر نامر اللہ ونیشوی اور سینکڑوں دیگر علماء کی تحریرات نے دنیائے اسلام میں ایک نئی رُوح پھونک دی ہے اور مسلمانوں کے سوچنے کا رنگ بدل دیا ہے۔ آج مسلمانانِ عالم اُبھرنے کے لیے مضطرب ہیں اور علومِ جدیدہ کو حاصل کرنے کے لیے کارواں در کارواں مغرب کی طرف رواں ہیں۔ ہمارا عالم جانتا ہے، کہ علم لنڈن میں ہو یا برلن میں مُسلِم کی گم شدہ ناقہ ہے، جسے تلاش کرنا اور گھر میں واپس لانا اِس کا فرض ہے۔ آج آپ کو ایک بھی ایسا عالم نہیں ملے گا۔ جو علوم جدیدہ کا دشمن ہو۔ علومِ جدیدہ کا مقصد تسخیرِ آب و برق ہے، تاکہ انسان کو آقائی کائنات کا مقامِ رفیع نصیب ہو سکے، اور یہ وُہ حقیقت ہے، جسے قرآن نے ساڑھے سات سو آیات میں دُہرایا ہے اور بار بار تفکّر، تدبّر، تفقّہ اور تحقیق و تلاش کی دعوت دی ہے۔ کیا مُلّا ان آیات سے بے خبر ہے؟ تو پھر وُہ ترقی کا دشمن کیسے ہُوا؟

وُسعتِ نظر کی ضرورت:

میں یہ تسلیم کرتا ہوں، کہ بعض اوقات ایک عالم ایک معاملہ کے تمام پہلوؤں کو سامنے

نہیں رکھتا، اور جلد بازی میں غلط بات کہہ جاتا ہے۔ اس کی تازہ مثال مولانا محمد یوسف بنوری کا ایک فیصلہ ہے۔ جو جامعۂ اسلامیہ، اکوڑہ خٹک کے جریدے "جامعہ" کی اشاعت ستمبر۔ اکتوبر میں (صہ ۲۳، صہ ۲۴) شائع ہُوا ہے۔ بات یُوں ہُوئی، کہ ناظمِ اوقات جناب محمد مسعود صاحب سی۔ ایس۔ پی نے مولانا قاری محمد طیب۔ مہتمم دارالعلوم دیوبند کے اعزاز میں عصرانہ دیا، اور چند دیگر علماء کو بھی مدعو کیا۔ ان میں مولانا محمد یوسف بنوری بھی تھے۔ وہاں حکومت کی اِس تجویز پر کہ دینی تعلیم کے لیے مساجد کو بھی استعمال کیا جائے، تبادلۂ خیالات ہُوا۔ گو حکومت کی یہ تجویز کئی نقطہائے نگاہ سے مفید تھی:

اوّل : اِس لیے کہ لاکھوں بچے مساجد سے اسلامی ذہن لے کر باہر آتے، اور آپ جانتے ہیں، کہ بچپن کے نقوش پختہ اور دیرپا ہوتے ہیں۔

دوم : اِس لیے، کہ لاتعداد ائمۂ مساجد کے گُزر اوقات کی سبیل پیدا ہو جاتی۔

سوم : اس لیے، کہ ہماری لاکھوں مساجد، جو سو سال سے برباد پڑی ہیں، دوبارہ آباد ہو جاتیں۔

لیکن مولانا محمد یوسف صاحب نے کچھ اور سمجھا۔ فرماتے ہیں :-

" وہ (مسعود صاحب) انتہائی کوشش میں ہیں، کہ کسی نہ کسی طرح مساجد پر قبضہ کر کے ان کو سکوُل کے بچوں کی آماجگاہ بنا دیں، .... آپ یہ چاہیں، کہ مسجدوں میں بچوں کو کُتوں، بلیوں کے قصے پڑھائیں تو مُسلمانوں سے اِس کی توقع نہ رکھیں۔"

(صہ ۲۴)

ظاہر ہے کہ مولانا کا یہ فتوے یک طرفہ اور غیر متوازن ہے۔

تہذیبِ مغرب کے مفاسد :

دورِ حاضر کا سب سے بڑا مسئلہ تہذیبِ مغرب ہے۔ علماء کا یہ فرض ہے، کہ وہ اس کے تمام پہلوؤں کو سامنے رکھ کر ہمیں بتائیں، کہ کون سے قابلِ اخذ ہیں، اور کون سے مردود۔

میرا اپنا تجزیہ یہ ہے، کہ اس کے کچھ پہلو تاریک ہیں اور کچھ روشن۔ تاریک پہلو یہ ہیں :-

اوّل : یہ یونانی و رومی تہذیب کا امتزاج ہے۔ اس لیے یونان سے لا یقینی، غیر محسوس حقائق کے متعلق تشکیک اور خرد کی غلامی لی۔ اور رومیوں سے لذّت پرستی۔ سنگدلی اور مادی نقطۂ نگاہ۔ رومی انسانوں کو درندوں سے لڑاتے، اور تہواروں پر بدمست ہو کر ناچتے، ہنکارتے اور انتہائی بے حیائی سے کام لیتے۔ آج کا یورپ اُن سے کسی طرح کم نہیں۔ اس وقت کنواری لڑکیاں تو معصوم ہوں گی لیکن آج یہ عالم ہے کہ ان میں ہر ایک ...... ایک دو بچے ساتھ لیے پھرتی ہے۔ اور اُن لڑکیوں کی تعداد بھی کم نہیں، جو نکاح کے بغیر بیویاں بن کر رہتی ہیں، اور جب جی چاہتا ہے، کسی اور کے ساتھ چلی جاتی ہیں۔ یورپ کا ڈرامہ، ناول ادب نہایت عریاں، فلمیں حیوانیت خیز اور میگزین بیہودہ آموز۔

اہلِ مغرب کی سنگدلی :

سنگدلی کی یہ کیفیت، کہ انھوں نے افریقہ، ایشیا اور مشرقِ وسطیٰ کو ڈیڑھ سو برس سے ہدفِ مظالم بنا رکھا ہے۔ مظالم کی نوعیت یہ کہ ان کے راہنماؤں کو قید کیا، عوام کو مارا، طلبہ کو حیوانی و جنسی فلسفہ دے کر گمراہ کیا۔ اخلاقی و روحانی

اقدار کا جنازہ نکالا۔ ہر ملک کی قدرتی دولت (تیل۔ تانبہ۔ ٹین۔ ربڑ۔ سونا۔ کوئلہ۔ فولاد وغیرہ) سمیٹ کر گھر لے گئے۔ اور کسی ملک کو اپنے وسائل سے فائدہ نہ اٹھانے دیا۔

امریکہ تہذیبِ نو کا سب سے بڑا علم بردار ہے۔ لیکن ساتھ ہی سب سے زیادہ ظالم۔ سفلہ۔ لذت پرست، اور سنگدل۔ دُنیا کا کوئی مُلک اِس کے شر سے محفوظ نہیں۔ عرب میں اسرائیل، برِّصغیر میں مسئلۂ کشمیر۔ افریقہ میں روڈیشیا اور بیافرا، سب اِسی کی تخلیق ہیں۔ یہ پانچ برس سے ویٹ نام میں وُہ زہرہ گداز مظالم توڑ رہا ہے، کہ دُنیا چنگیز و ہلاکو کو بھول چکی ہے۔ اس کے چھ لاکھ سپاہی ہر ویٹ نامی عورت کی عصمت کئی کئی بار لُوٹ چکے ہیں۔ یہ روزانہ ویٹ نام کے شہروں پر کئی لاکھ من نیپام اور آگن بم گراتا ہے۔ یہ وہاں کے ۵۶ فیصد باغوں، اور کھیتوں، اور اسی فیصد گھروں کو جلا کر راکھ کر چکا ہے۔ اِس نے ۱۹۶۲ء کے وسط تک پونے دو لاکھ ویت نامی ہلاک کیے۔ ستر ہزار کے اعضا کاٹ ڈالے۔ تین ہزار کے کلیجے کھینچ لیے۔ چار ہزار کو زندہ جلا دیا۔ اور عوام کے لیے سولہ ہزار نئے جیل (کیمپ) بنائے۔ یکم جنوری ۱۹۶۳ء کو کین ٹانگ کے صُوبے میں کئی دیہاتیوں کے جگر نکال کر درختوں کے ساتھ لٹکا دیے۔ ایک گاؤں میں تمام حاملہ عورتوں کے پیٹ پھاڑ کر بچے باہر پھینک دیے۔ انٹرنیشنل کنٹرول کمیشن کی رپورٹ کے مُطابق اکتوبر ۱۹۶۲ء تک چھ لاکھ پچاسی ہزار ویٹ نامی لُولے، اور لُنجے بن چکے تھے۔ ایک اور رپورٹ کے مُطابق امریکی فوج نے ایک گوریلے کو ختم کرنے کے لیے اوسطاً دو ہزار سات سو گولیاں چلائیں۔ ۱۹۶۵ء میں زہریلی گیس سے ستر لاکھ ایکڑ چاول کی فصل جلا ڈالی۔ اور ۱۹۶۱ء سے ۱۹۶۶ء تک اڑھائی لاکھ شیر خوار بچے ہلاک کر دیئے۔

(اردو ڈائجسٹ ۔ شمارہ اپریل ۱۹۶۸ء صہ ۳۹-۵۶)
(ایضاً ۔ ۔ مارچ ۱۹۶۷ء صہ ۶۰-۸۹)
(۔ ۔ ستمبر ۱۹۶۶ء صہ ۵۱-۶۸)

تازہ اعداد و شمار یہ ہیں، کہ :

بیس لاکھ سے زیادہ ویٹ نامی ہلاک اور پچیس لاکھ کے قریب بیکار و زخمی ہو چکے ہیں۔ جنوبی ویٹ نام کی آبادی اندازاً ڈیڑھ کروڑ ہے۔ اور رقبہ صرف چھپن ہزار میل۔ اس چھوٹے سے غریب اور پسماندہ ملک کا قصور صرف اتنا ہے کہ اس کی اکثریت نظامِ اشتراکیت چاہتی ہے۔ اور امریکہ کے خونخوار زکشش کو یہ بات گوارا نہیں۔

دوم : تہذیبِ مغرب کا ایک اور تاریک پہلو عائلی زندگی اور قرابت داری کا خاتمہ ہے۔ ایک رپورٹ مظہر ہے، کہ صرف امریکہ میں ہر سال پچیس لاکھ کے قریب طلاقیں ہوتی ہیں۔ یورپ کا ہر آدمی اتنا خود غرض اور بے مہر ہو چکا ہے، کہ اگر اس کا باپ بھی بطورِ مہمان آ جائے۔ تو اس سے روٹی کا بل لے لیتا ہے۔ بچہ سولہ برس کا ہو جائے، تو اس کا خرچ بند کر دیتا ہے اور کہتا ہے۔ کہ جاؤ اور اپنی روزی خود کما کر لاؤ۔ اگر بچے کا ہاتھ پڑ جائے، تو اولاد والدین کو دھکیل کر پیر خانے میں چھوڑ آتا ہے۔ ہم مشرقی اپنے بزرگوں کا احترام دیوتوں کی طرح کرتے ہیں، لیکن وہ لوگ اس چیز سے قطعاً محروم ہیں۔

سوم : چونکہ مغرب اللہ کے تصوّر سے بے گانہ اور اس کی عبادت سے محروم ہو چکا ہے۔ اس لیے وہ انتہائی ذہنی اضطراب میں مبتلا ہے۔ انسان کا رابطہ اللہ سے کٹ جائے، تو وہ سکونِ قلب کی دولت کھو بیٹھتا ہے۔ اور اس خلاء کو پُر کرنے کے لیے وہ فلموں، راگ رنگ کی محفلوں اور جامِ شراب کا سہارا لیتا ہے۔

جہنم کی آگ چلّو بھر شراب سے کیسے بجھے۔ چنانچہ خودکشی کا شوق وہاں وبا بن کر پھوٹ پڑا ہے۔ ۱۹۶۲ء کے آخری چھ ماہ میں ریاست کیلیفورنیا کے پانچ لاکھ افراد نے خودکشی کی تھی، اور یہی صورتِ حال یورپ کی ہے۔

چہارم: یورپ کی تازہ تخلیق اُس کے ہپی ہیں۔ ان کی تعداد ایک کروڑ تک پہنچ چکی ہے یہ لوگ نہ حجامت بنواتے، نہ کپڑے بدلتے، اور نہ نہاتے ہیں۔ رات دن چرس یا بھنگ کے نشے میں مدہوش شاہراہوں کے کنارے لیٹے رہتے ہیں۔ ہر ہپی کے ساتھ ایک جوان لڑکی بھی ہوتی ہے۔ آج کل یہ دُنیا کے ہر بڑے شہر میں گھومتے نظر آتے ہیں۔ لڑکی عصمت فروشی سے روزی کماتی ہے، اور دونوں کھاتے ہیں۔ یہ تمام اخلاقی اقدار کے مُنکر، سماج کے دُشمن اور انسانیت کے باغی ہیں۔

تفاصیلِ بالا کا ماحصل یہ، کہ تہذیبِ مغرب کا محور لذت۔ مالی منفعت اور سیاسی اقتدار ہے اس کا انصاف صرف اپنی اقوام کے لیے ہے۔ اس کی سلطنت کا مقصد غریبوں کو لوٹنا اور اپنا گھر بھرنا ہے۔ چونکہ اسلام ان تمام چیزوں کا دشمن ہے۔ اس لیے اسے اسلام سے انتہائی بَیر ہے۔ لارڈ کرومر، جو مصر پر ۱۸۸۳ء سے ۱۹۰۷ء تک جابرانہ و قاہرانہ حکومت کرتا رہا۔ اپنی کتاب "ماڈرن ای جپٹ" (۵۶۳) میں لکھتا ہے، کہ:

"اگر کسی وقت مصر آزاد بھی ہو گیا، تو ہم وہاں اسلامی طرزِ حکومت کو برداشت نہیں کریں گے۔"

یہ تھا۔ اس تہذیب کا تاریک پہلو۔ آیئے! اب اس کے روشن پہلو پر بھی ایک نگاہ ڈال لیں۔

تہذیبِ مغرب کا روشن پہلو:

اس تہذیب کی خوبیاں یہ ہیں:-

اوّل : اس کے بے پناہ علوم و فنون، اور جذبۂ تحقیق و طلب۔ آج مغرب کائنات کے بے شمار راز دریافت کرنے کے بعد چاند اور مریخ کے چکر کاٹ رہا ہے۔ اور ممکن ہے، کہ وہ دیر و زود آسمانوں کو بھی اپنی قلمرو میں شامل کرلے۔

دوم : تجارت اور معاملات میں اہلِ مغرب کی دیانت داری ضرب المثل ہے۔ اُن کا سیاسی کردار مکروہ سہی، لیکن تجارتی معاملات میں وہ کسی کو دھوکہ نہیں دیتے۔ اُن کی تمام مصنوعات معیاری ہوتی ہیں اور قیمت ایک۔ وہ ہر خریدار پر اعتماد کرتے ہیں۔ آپ اُن کی فرمائش پر مال اُس کے گھر بھیج دیتے ہیں۔ پیشگی قیمت کا تقاضہ نہیں کرتے، اور نہ اس کے پیش کردہ چیک کو بہ نگاہِ اشتباہ دیکھتے ہیں۔

سوم : اُن کی ایک اور خوبی اُن کی صفائی ہے۔ آپ یورپ میں کہیں جائیں۔ سڑکوں پہ کاغذ اور گلیوں میں کوڑا کرکٹ کے ڈھیر کہیں نظر نہیں آئیں گے۔ میرے ایک دوست نے مجھے بتایا۔ کہ وہ انگلینڈ کی ایک سڑک پر کار میں جارہا تھا۔ جونہی اُس نے سگریٹ کی خالی ڈبی باہر پھینکی۔ تو ایک آدمی نے اشارے سے اُسے روکا، اور پھر وہ ڈبی کار میں پھینک کر کہنے لگا :

"انگلستان کو اس کی ضرورت نہیں ہے۔"

پس چہ باید کرد ؟ :

تفاصیل بالا سے واضح ہے، کہ تہذیبِ مغرب کے دو پہلو ہیں۔ روشن اور تاریک۔ ہمیں اِس کے روشن پہلو کو اپنانا ہی ہوگا۔ ورنہ زمانہ ہمیں پیس کر آگے نکل جائے گا۔ آج اِس دور میں ٹیکنالوجی، ریاضی اور علومِ طبیعی کے بغیر جینا دشوار ہے۔ یہ علوم مغرب کے پاس ہیں۔ اِس لیے، ہمیں مغرب کی شاگردی کرنا ہی ہوگی، اور اِس اختلاط سے ایک ایسی تہذیب جنم لے گی جو مغرب کے علوم اور اسلام کی روحانیت سے آراستہ ہو۔

مغرب کے پاس سائنس ہے، اور مشرق کے پاس ایمان۔ گزشتہ دو سو برس سے اِن کے دوائرِ کار الگ الگ ہیں۔ سائنس ایمان سے محروم ہے، اور ایمان سائنس سے۔

نتیجہ یہ، کہ معمُولی سے اشتعال پر سائنس جہاں اور جس مُلک پر چاہتی ہے۔ آگ اور موت برسانے لگتی ہے۔ دُنیا کی نجات اور آسُودگی اِسی میں ہے کہ سائنس اور ایمان مُتحد ہوکر امُورِ عالم کو سرانجام دیں۔ یعنی، زمامِ خرد عشق کے ہاتھ میں دے دی جائے۔

عقل و دِل و نگاہ کا مرشدِ اوّلین ہے عشق
عشق نہ ہو، تو عقل و دیں بُتکدۂ تصوّرات

(اِقبال)

⁂

خیز و نقشِ عالمِ دیگر بنہ
عشق را با زیرکی آمیز دِہ

(اِقبال)

ہمارے علماء کا فرض ہے، کہ وُہ اِس دور کو قریب تر لانے کے لیے آگے بڑھیں، تہذیبِ نو کے علمبرداروں سے ہاتھ ملائیں، اور ایک ایسا جہانِ تازہ پیدا کریں۔ جہاں اقدارِ عالیہ کی حکومت ہو۔ اور اِنسان اُن بلندیوں کی طرف بڑھ رہا ہو۔ جہاں ایک مرتبہ ملائکہ نے اُس کے سامنے سجدہ کیا تھا۔

وُہ سحر جس سے لرزتا ہے شبستانِ وجُود
ہوتی ہے بندۂ مومن کی اذاں سے پیدا

(اِقبال)

مسئلۂ لباس :

رہا مسئلۂ لباس ۔ تو ظاہر ہے ۔ کہ اللہ نے کوئی خاص لباس مسلمانوں کے لیے تجویز نہیں فرمایا ۔ اور نہ ایسا ممکن تھا ۔ کیوں کہ انسان قطبِ شمالی سے لے کر قطبِ جنوبی تک ہر جگہ آباد ہے ۔ اور جغرافیائی حالات کی وجہ سے ہر جگہ اس کا لباس مختلف ہے ۔ شرع صرف ایسے لباس سے روکتی ہے ۔ جو مقاماتِ ستر کو نہ ڈھانپ سکے ، یا فرائضِ مذہبی سے روکے ، یا آزمائشی و نمائشی ہو ۔ اسے پتلون ، پاجامے ، شلوار اور دھوتی پہ قطعاً کوئی اعتراض نہیں ۔
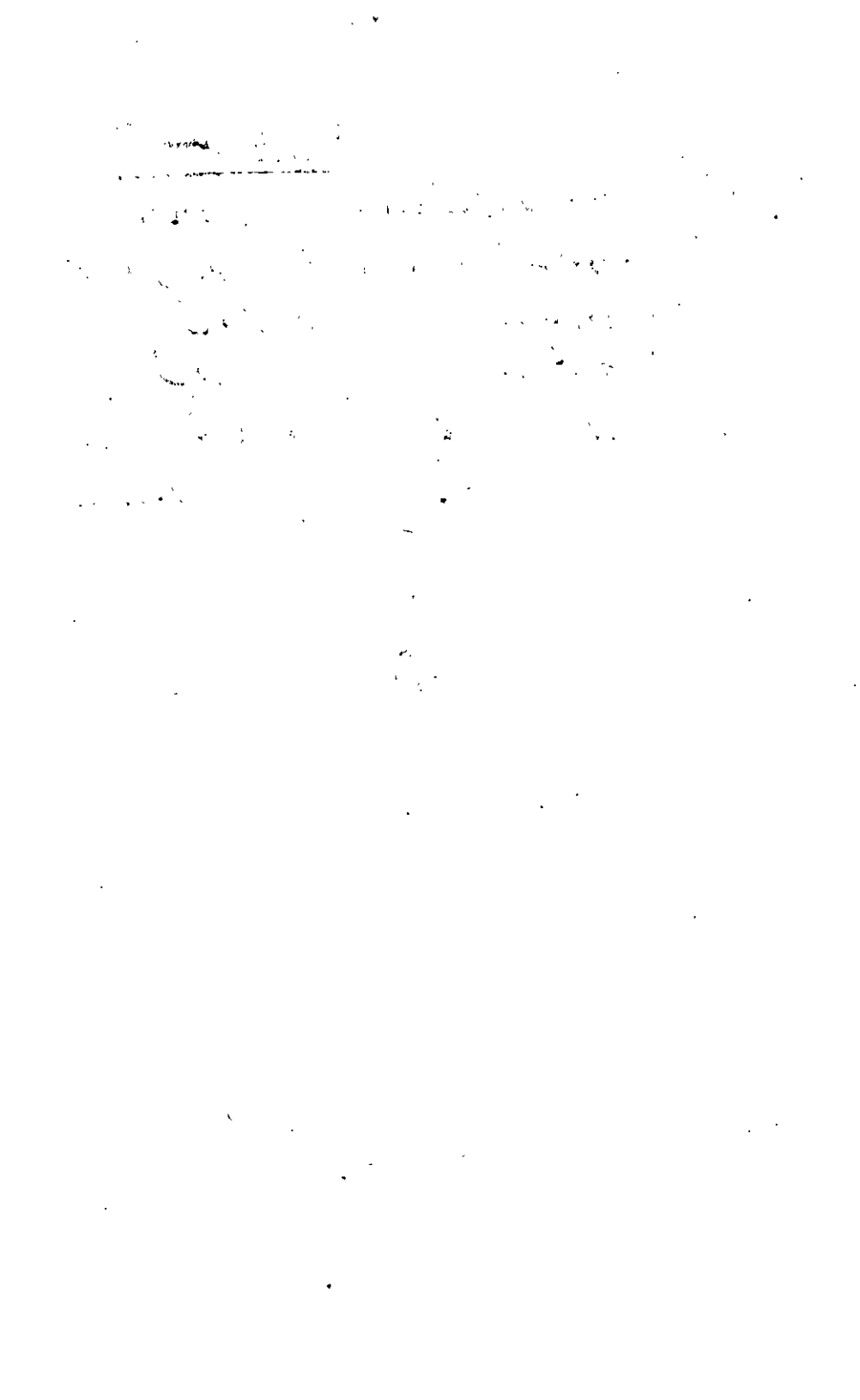
باب ۹

مشرق و مغرب

انگلستان کے مشہور شاعر کپلنگ کا قول ہے :-

"مشرق مشرق ہے - اور مغرب مغرب۔ یہ دونوں کبھی متحد نہیں ہو سکتے۔"

مشرق و مغرب کے اتحاد میں پہلے ہی کئی چیزیں حائل تھیں۔ مثلاً :

ا : دونوں کا مذہب الگ الگ تھا۔

ب : مغرب میں سفید نسل آباد تھی۔ اور مشرق میں سانولی۔ کالی یا زرد۔

ج : مشرق قائل رُوحانیت تھا، اور مغرب لذّت پرست۔

د : مشرق کی ایک قوم (یعنی مسلمان) ایک ہزار برس تک مغرب کو اسپین، سسلی، مشرقی یورپ اور فلسطین میں تاڑ چکی تھی۔

ہ : جب سترھویں صدی میں بعض اقوامِ مغرب نے ایشیا و افریقہ میں سلطنتیں قائم کر لیں، تو انھوں نے محکوموں کو اس قدر لُوٹا، اور اُن پر وُہ مظالم توڑے کہ حاکم و محکوم میں نفرت کے سمندر حائل ہو گئے۔

اختلاف کی اِس آگ کو کپلنگ نے مزید ہوا دی ہے۔ اور اب صُورتِ حال یہ ہے، کہ دُنیا دو متحارب بلاکوں میں تقسیم ہو چکی ہے۔ اِن کے اربابِ اقتدار ایک دُوسرے کو فنا کرنے کے منصُوبے بنا رہے ہیں، اور اہلِ قلم اُن کی مدد کر رہے ہیں۔

اِسلام اور مُستشرقین :

جب سے یورپ بیدار ہُوا ہے۔ اُس کے مُستشرق اِسلام پہ مسلسل برس رہے ہیں۔ وہ رسُولِ اکرم صلعم کو مُفتری، قُرآن کو خُرافات اور اِسلام کو ایک ڈھونگ قرار دے رہے ہیں۔ ان لوگوں نے ہماری تاریخ کو اِس حد تک مسخ کیا ہے، کہ آج ہمارا نوجوان اپنے ماضی و حال ہر دو سے متنفر ہو گیا ہے۔ یہ وُہی لوگ ہیں۔ جو لُوتھر (۱۵۴۶ء) کے بعد عیسائیت کے خلاف لکھتے رہے، اور اب انہی دلائل کو اِسلام کے خلاف استعمال کر رہے ہیں۔

جب اُنیسویں صدی میں بعض اقوامِ یورپ، ایشیا و افریقہ پہ مُسلّط ہو گئیں، تو اِن کی مشنریوں، سیاست دانوں اور مُستشرقوں نے محکُوموں کے لیے ایک ایسا نظامِ تعلیم وضع کیا۔ جس کا مقصد نوجوانوں کو مذہب سے متنفّر کرنا اور اپنی بدمست تہذیب کا گرویدہ بنانا تھا۔

آکسفورڈ کے مُیکبرائیڈ اور کیمبرج کے سیمُوئیل لی نے نشرِ عیسائیت کے لیے زبُور و انجیل کا عربی میں ترجمہ کیا، اور بیسیوں مستشرق اِسلام کے خلاف لکھنے لگے۔ اِن میں سرِفہرست پروفیسر نِکلسن۔ مارگولیتھ۔ گِب۔ آربیرّی براؤن۔ ڈبلیو منٹگمری واٹ ("اِسلام اینڈ دی اِنٹیگریشن آف سوسائٹی" کا مصنّف)، رَوزَنتھال ("توارات کی کہانیوں کا اثر اِسلامی تاریخ پر" کا مصنّف) پی۔ ایم ہَولٹ ("مورّخینِ مشرقِ وسطیٰ" کا مصنّف) فان گُروِن بام ("اسلام" کا مصنّف)، بی۔ لُوئیس ("دی عَرَبس اِن ہسٹری" کا مصنّف) جے۔ این۔ ڈی۔ اینڈرسن ("دی ورلڈ ریلیجز" کا مصنّف) اے۔ ایس۔ ٹرِٹن ("اسلام" کا مصنّف) جی۔ کِرک ("اے شارٹ ہسٹری آف دی مِڈل اِیسٹ" کا مصنّف) وغیرہ ہیں۔

کچھ مستشرق اِسلام کے مداح بھی تھے، مثلاً : لیبان "تمدنِ عرب" (اُردو ترجمہ از علی بلگرامی) کا مصنّف۔ ڈاکٹر ڈریپر "معرکۂ مذہب وسائنس" (اُردو ترجمہ از مولانا ظفر علی خاں) کا مصنّف۔ بریفالٹ "تشکیلِ انسانیت" (اُردو ترجمہ از مولانا عبدالمجید سالک) کا مصنّف۔ اور ہِٹی "دی عَرَبْس" کا مصنّف۔ کچھ ایسے بھی تھے اور ہیں۔ جو خالص محقق۔ مرتّب یا شارح ہیں۔ اِن کا کام عربی کتابوں کی تصحیح۔ تدوین اور تعارف ہے۔ اِن کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ چند نام یہ ہیں :۔

نام	کتاب	مصنّف، شارح، مترجم، مدوّن[1] یا مصحّح
۱ : لین پُول	محمڈن ڈینا سٹیز	مصنّف۔ ۱۹۰۵ء
۲ : فان ڈبلیو برانی	فتوح الغیب (عبدالقادر گیلانی)	تدوین۔ طبع ۱۹۳۳ء
۳ : فان۔ آر۔ وُراک	دیوانِ ابُوفِراس ہَمدانی	تدوین۔ طبع ۱۸۹۵ء
۴ : ایف۔ رُکرٹ	حماسہ۔ ابو تمّام	؍؍ ؍؍ ۱۸۴۶ء
۵ : ایچ۔ بارلین	دیوانِ ابوالعلا مَعَرّی	تدوین و ترجمہ۔ طبع ۱۹۰۹ء
۶ : فان کریمیر	افکارِ معرّی پہ تنقید	تصنیف۔ طبع ۱۸۸۸ء
۷ : فان گلڈر اور شرکاء	کتاب الاغانی (اصفہانی)	تدوین۔ طبع ۱۹۰۰ء
۸ : ایچ۔ او۔ فلیشر	تاریخِ ابوالفداء	تدوین۔ طبع ۱۸۳۱ء
۹ : ایم۔ ٹی ہاؤسما	دیوانِ اَخطَل	تدوین و ترجمہ۔ طبع ۱۸۷۸ء
۱۰ : ڈبلیو اے گلاوسٹن	اَلفُ لَیلۃ	تدوین۔ طبع ۱۸۸۴ء
۱۱ : ایس ہَینلے	؍؍	؍؍ ؍؍ ۱۸۶۸ء

[1] : مدوّن سے مراد ایڈیٹر ہے۔

نام	کتاب	مصنف ۔ شارح ۔ مترجم مدوّن یا مصحح
۱۲ : جے۔سی۔مارڈرس	اَلفُ اللَیلۃ	تدوین۔ طبع ۱۸۹۹ء
۱۳ : ڈبلیو۔ایف۔کربی	"	" و ترجمہ
۱۴ : ایچ ۔ایل۔فلیشر	"	" ۔ طبع ۱۸۲۵ء
۱۵ : ای ۔ ڈبلیو ۔ لین	"	ترجمہ و تحشی ۔ طبع ۱۸۸۹ء
۱۶ : ایل ۔ لینگلیس	"	تدوین۔طبع پیرس ۱۸۱۴ء
۱۷ : اِی ۔ لِٹ مَن	"	" ۔ طبع ۱۹۲۳ء
۱۸ : آرنلڈ	دی پریچنگ آف اِسلام	تصنیف
۱۹ : آرنلڈ	میراثِ اِسلام	تصنیف
۲۰ : جی۔جی۔فرے تاغ	ابنِ عرب شاہ کی فاکِہۃُ الخُلفا	تدوین۔ طبع ۱۸۳۲ء
۲۱ : لمان اَہلوَرڈ	بلا ذُری	تعارُف۔ طبع ۱۸۸۳ء
۲۲ : جے۔ڈ۔گوجے	فتوحُ البلدان (بلاذُری)	تدوین۔طبع ۱۸۶۶ء

مزید تفصیل کے لیے دیکھیے :-

۱ : انسائیکلوپیڈیا آف اسلام ۔

۲ : مختلف کتب خانوں کی فہارس ۔

۳ : ای۔جے۔برِل (لائیڈن) کی فہارسِ مطبوعات ۔ وغیرہ

اِن (غیر جانب دار) کی تعداد دس ہزار سے بھی زیادہ ہے۔ اِن کی صد سالہ مساعی کا نتیجہ یہ ہے :-

اوّل : کہ یورپ اسلامی علوم و فنون اور اس کی روشن تہذیب سے آشنا ہو رہا ہے۔

دوّم : کہ اِسلام کے خلاف تعصّب گھٹ رہا ہے، اور اِس بات کے آثار پیدا ہو رہے ہیں۔ کہ شاید کسی وقت یورپ مائل بہ اِسلام ہو جائے۔

سوم : کہ مشرق و مغرب ایک دُوسرے کے قریب آ رہے ہیں۔ اور اِسی میں دُنیا کی نجات ہے۔

انگلستان کا مشہور فلسفی برٹرانڈ رسَل لکھتا ہے :-

" بابِل - مِصر - ہند اور چین کی تہذیبیں بہت پُرانی ہیں - یہ ممالک سائنس - ریاضی - فلسفہ - مذہب - شاعری - موسیقی - سنگ تراشی اور مصوّری کے گہوارے رہے ہیں۔ اِن کے زوال کے بعد مغرب میں یُونان اُبھرا، اور پھر روما - اِن کے علُوم و فنُون سے ایک دُنیا آگاہ ہے ساتویں صدی میں اِسلام نمُودار ہُوا، اور سو سال سے بھی کم مُدت میں مُلتان سے جنوبی فرانس تک پھیل گیا۔ ایشیا کی تین تہذیبیں بہت نمایاں ہیں۔ یعنی : اِسلام - بھارت اور چین - اِن کے پاس علُوم و فنُون کے علاوہ اُخلاق و رُوحانیّت کا عظیم سرمایہ بھی ہے۔ جو عصرِ رواں کو معنویّت دے سکتا، اور کاروانِ اِنسانیّت کو راہِ منزل دکھا سکتا ہے۔ سائنس ایک خوفناک طاقت ہے۔ جو دُنیا کو دھمکا رہی ہے اس کا انسداد اُس گداز و محبت سے ہو سکتا ہے۔ جس کا سرچشمہ مشرق ہے۔"

(مُلخص - اِنٹر - انگلش II صہ۲۴۶ آکسفورڈ پریس ۱۹۶۶ء)

مشرق و مغرب دونوں ایک دُوسرے کے محتاج ہیں۔ مشرق علمِ جدید سے خالی ہے۔ اور مغرب عشق سے۔ یہ کمی اِسی صُورت میں پوُری ہو سکتی ہے، کہ دونوں ایک دوسرے کے قریب آئیں۔ اس فرض کو اہلِ قلم سرانجام دے سکتے ہیں۔ اور وُہ یوُں کہ تعصّب سے بالا ہوکر نسلِ اِنسانی کی وحدت پر لکھیں۔ نفرت پھیلانا چھوڑ دیں۔ مغرب کے علوُم مشرق کو دیں، اور مشرق کا نیاز و گداز مغرب کو۔ اس سے ساری دُنیا جلال و جمال کی عظمتوں سے آشنا ہو جائے گی۔ اور کاروانِ اِنسانیت منزل کو جا لے گا۔

باب ۱۰

اِسلام کے مُتعلِّق غیر مُسلِم عُلماء اور نومُسلموں کے تاثُرات

اِسلام کے مدّاح صرف ہمیں نہیں۔ بلکہ غیر مُسلِم بھی ہیں۔ اِن کی تعداد اِتنی زیادہ ہے کہ اِنھیں سمیٹنے کے لیے ایک الگ کتاب چاہیئے۔ مَیں یہاں صرف چند اسماء پہ اکتفا کروں گا، اور زیادہ توجہّ اُن نومُسلموں پہ دُوں گا۔ جو اِسلام کے کسی پہلُو سے متاثر ہونے کے بعد مُسلمان ہوگئے تھے۔ اور اِسلام پہ طویل بیان دیے تھے۔ اِس داستان کا آغاز لارڈ فارُوق سے کرتا ہوں۔

۱- لارڈ فارُوق :

پُورا نام رائٹ آنریبل سر راؤ لینڈ جارج ایلکنسن ہیڈلے تھا۔ ۱۸۵۵ء میں پیدا ہُوا۔ کیمبرج میں تعلیم پائی۔ ۱۹۱۳ء میں اِسلام لایا۔ اِسلامی نام فارُوق رحمتُ اللہ رکھا گیا، اور ۱۹۲۸ء کے قریب فوت ہُوا۔ اِس کی تصانیف میں سے "اے وَیسٹرن اَویکننگ ٹو اِسلام" بہُت مشہور ہے۔

اِسلام لانے کے متعلق لکھتا ہے :-

" مَیں کسی کے کہنے پر مُسلمان نہیں ہُوا۔ بلکہ یہ تبدیلی میرے طویل

مطالعہ و فکر کا نتیجہ تھی ۔ مَیں نے زندگی کے متعلق کچھ اصول و نظریات قائم کیے تھے ۔ جو اِسلامی تعلیمات کے عین مطابق نکلے ۔ اِسلام اور عیسائیت دونوں مِلتے جُلتے مذہب ہیں ۔ یہ ایک ہی درخت کی شاخیں معلوم ہوتی ہیں ۔ اِن کے بُنیادی اصول ایک ہیں ۔ اگر فرق ہے ، تو صرف فرُوع میں ۔ مَیں ایسے ہزار ہا افراد کو جانتا ہُوں ، جو ذہناً مسلمان ہیں ۔ لیکن تنقید کے خوف سے اِعلان نہیں کر سکتے ۔ ”

(مُلخص ۔ اِسلام اوَر چانس ۔ صہ ۱۴)

۲ ۔ محمد اَسد آسٹروی :

اسد آسٹریا کا رہنے والا تھا ۔ اصلی نام لیُو پولڈ وِش ۔ ۱۹۰۰ء میں پیدا ہُوا ۔ ۱۹۲۶ء کے قریب اِسلام لایا ۔ اور ” اِسلام چوراہے پر “ لکھی ۔ ظہورِ پاکستان کے بعد لاہور میں آ گیا ۔ یہاں محکمۂ ” اِسلام کی تعمیرِ نو “ میں ڈائریکٹر مقرر ہُوا ۔ ساتھ ہی ایک مجلّہ ” عرفات “ نکالا ۔ دستورِ اِسلامی پر بھی ایک کتاب لکھی ۔ نیز صحیح بخاری کا انگریزی میں ترجمہ کیا ۔

ایک مرتبہ اس سے کسی نے اِسلام لانے کی وجہ پُوچھی ، تو کہنے لگا :

” میرے پاس اِس سوال کا کوئی اطمینان بخش جواب نہیں ہے مجھے اسلام کی کسی خاص تعلیم نے اپنی طرف نہیں کھینچا ۔ بلکہ میں اس کی عام اخلاقی و رُوحانی تعلیمات ، نیز عملی پروگرام سے متاثر ہُوا ہُوں ۔ اسلام ایک مکمل ضابطۂ حیات ہے ۔ جس کا ہر جُزو دُوسرے سے ہم آہنگ ہے ۔ اس میں نہ کوئی بات زائد ہے ۔ نہ کم ۔ یہ ہر طرح سے مکمل ، آراستہ اور متوازن ہے ۔ گو آج کا مُسلمان عملاً مُسلمان نہیں رہا ۔

تاہم اِس حقیقت سے اِنکار نہیں ہو سکتا، کہ اِسلام ایک زبردست طاقت ہے
جو نوعِ اِنساں کو فلاح و مسّرت سے ہم کنار کر سکتی ہے۔"
(ملخّص - اِسلام اَور چانس ص۱۸)

۳ - ہملٹن :

سر چارلس ایڈورڈ آرچی بالڈ ہملٹن انگلستان کا بیرن تھا۔ فوج میں بھی رہا۔ ۱۹۲۶ء
میں اِسلام لایا۔ اسلامی نام عبداللہ رکھا گیا۔ یہ لکھتا ہے :-

"میرے لیے عیسائیت ایک چیستان تھی، اور اِسلام کی آواز گویا
میرے ضمیر کی آواز تھی۔ عیسائیت اِنسان کو فطرتاً گناہ گار سمجھتی ہے اور
اِسلام اسے معصُوم قرار دیتا ہے۔ ظاہر ہے، کہ اِسلام کا یہ فیصلہ زیادہ
معقول ہے۔" (ملخّص - ایضاً ص۱۹)

۴ - الیگزینڈر رسّل :

محمد الیگزینڈر رسّل وَیب ریاستِ کولمبیا (امریکہ) کے ایک شہر ہڈسن کا رہنے
والا تھا۔ ۱۸۴۶ء میں پیدا ہُوا۔ بڑے ہو کر سیاست اور جرنلزم میں نام پایا۔ ۱۸۸۷ء
میں اِسلام لایا، اور ۱۹۱۶ء میں فوت ہوا۔ اِسلام لانے کے بعد اُس نے ایک
بیان میں کہا :-

"مَیں اس لیے مُسلمان ہُوا ہُوں۔ کہ صرف اِسلام ہی اِنسان کی
رُوحانی ضروریات کو پُورا کر سکتا ہے۔ مَیں بیس سال کی عمر ہی میں کلیسا
کے بے جان نظام سے متنفّر ہو گیا تھا۔ اس کے بعد مِل - لاک - کانٹ -
ہیگل - فشٹے - ہکسلے اور اسی قسم کے دیگر عُلماء و حُکماء سے مِلا - ان

لوگوں نے مجھے نباتی و حیوانی زندگی نیز ایٹم وغیرہ کے متعلق تو بہت
کچھ بتایا۔ لیکن یہ نہ سمجھا سکے، کہ رُوح کیا ہے؟ اور بعد از مرگ وہ
کہاں چلی جاتی ہے۔ اِن سوالات کا جواب اِسلام نے فراہم کیا۔ میرا
قبولِ اِسلام کسی فوری جذبے کے تحت نہیں، بلکہ مسلسل۔ دیانتدارانہ۔
اور غیر جانبدارانہ تحقیق کا نتیجہ تھا۔

اسلام کا ماحصل اللہ کی مشیت کے سامنے جُھک جانا ہے۔ اور
عبادت اس کا سنگِ بُنیاد ہے۔ یہ عالمگیر محبت، اخُوّت، مروّت، نیز
پاکیزگیٔ قول وعمل کی تعلیم دیتا ہے۔ میرے خیال میں یہ دُنیا کا بہترین اور
عظیم ترین مذہب ہے۔" (مُلخّص۔ ایضاً ص۱۲)

۵۔ لیمرٹین :

لیمرٹین ایک فرانسیسی مُستشرق تھا۔ اس کی تاریخ ولادت و وفات معلوم
نہیں ہو سکی۔ اِس نے اپنی کسی کتاب میں پیغمبرِ اسلام پر بھی کچھ لکھا تھا۔ جس کا ترجمہ
اخبارِ جنگ میں شائع ہُوا ہے۔ چند جُملے یہ ہیں :۔

"پیروانِ اسلام نے صِرف ایک صدی میں ایران۔ عراق۔
شام۔ فلسطین۔ مِصر۔ مراکش۔ سپین اور سندھ فتح کر لیا تھا۔ اگر
نصبُ العین کی بلندی اور نتائج کی درخشندگی، کمالِ قیادت کا مَعیار
بن سکتی ہے۔ تو پھر محمدؐ کے مقابلے میں کسی اور رہنما کو قطعاً پیش نہیں
کیا جا سکتا۔ آپ ایک عظیم مفکرؐ۔ بُلند پایہ خطیب اور بے نظیر مُقنّن تھے۔
آپ نے شہروں اور قلعوں کے ساتھ ساتھ کروڑوں دلوں کو بھی فتح کیا۔
اور تقریباً بیس ممالک میں آسمانی بادشاہت قائم کی۔ لاؤ اُن تمام

معیاروں اور پیمانوں کو، جن سے اِنسانی عظمت کو ناپا جا سکتا ہے اور پھر اس سوال کا جواب دو، کہ کیا محمدؐ سے بڑا کوئی اِنسان ہو سکتا ہے؟"

(ملخص - روز نامہ جنگ" اشاعت
۲۴- ستمبر ۱۹۶۸ء)

۶ - لارڈ ہِڈلے :

لارڈ ہِڈلے انگلستان کا ایک نواب تھا۔ جو اِسلام قبول کرنے سے پہلے برسوں لاہور کی ایک بستی اِچھرہ میں رہا۔ اس کا کام خیر کی تبلیغ تھا۔ یہ گلی گلی گھوم کر لوگوں کو دیانت۔ صداقت۔ محبت اور خدمت کا درس دیا کرتا تھا۔ آخر یہیں یہ اپنے ایک مسلمان دوست امیر الدین کی ترغیب پر مسلمان ہو گیا۔ اس کا اِسلامی نام جلال الدین رکھا گیا۔ ایک بیان میں کہتا ہے :-

" عیسائیت کا یہ عقیدہ، کہ اِنسان فطرتاً گناہ گار پیدا ہُوا ہے۔ خُدا کے متعلق یہ تصوّر قائم کرتا ہے، کہ وُہ بے رحم اور سنگ دِل ہے۔ مُجھے اس عقیدہ سے نفرت ہو گئی۔ اور مَیں نے اِسلام کا مُطالعہ شروع کر دیا۔ یہ مُجھے بُہت پسند آیا۔ کیوُں کہ یہ ایک سادہ اور فطری مذہب ہے خلوُص۔ محبت۔ تحمّل اور ہمہ گیر اخوّت کا داعی۔"

(ملخص۔ اِسلام اَوَر چانس - صہ ۲۲)

۷ - محمد امان (جرمنی) :

محمد: ان کا جرمن نام معلوُم نہیں ہو سکا۔ یہ ایک نیم سیاسی مشنری تھا۔ جو عیسائیت کو چھوڑ کر اِسلام لے آیا۔

اِسلام کے متعلق اس کے تاثُرات یہ تھے :-

" اِسلام کے بنیادی اصول اِس قدر معقُول، فطری اور جاذبِ توجُّہ ہیں، کہ کوئی طالبِ صداقت اِن سے مُتاثّر ہُوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ مثلاً توحید کو لیجیے، اس سے تین فوائد حاصل ہوتے ہیں :

اوّل : اِنسان ماسوا کی غلامی سے نِکل جاتا ہے۔

دوم : توہمات سے بچ جاتا ہے۔

سوم : نوعِ اِنسان کو مساوات و اخُوّت کی ایک محکم اَساس مِل جاتی ہے۔

اِسی طرح آخرت کا عقیدہ اور یہ تصوُّر کہ اللہ ہر جگہ موجُود ہے۔ اور سب کچھ دیکھ رہا ہے۔ اِنسان کو گناہ سے بچاتا ہے۔ اِسلام کی صلوٰۃ باقاعدگی سکھاتی ہے، اور صوم ضبطِ نفس کا درس دیتا ہے۔ کون نہیں جانتا، کہ باقاعدگی اور ضبط، عظیم و صالح افراد کی صفات ہیں۔

مَیں نے کیمونزم، نازی اِزم اور جمہُوریّت کا بھی مُطالعہ کیا ہے اور اِس نتیجہ پہ پہنچا ہُوں، کہ ایک باوقار اور شریفانہ زندگی کے اصُول صرف اِسلام میں مِلتے ہیں۔" (ملخّص۔ ایضاً ص۲۴)

۸۔ ڈاکٹر لی آن :

ڈاکٹر لی آن ایم۔ اے، پی۔ ایچ۔ ڈی، ایل۔ ایل۔ ڈی انگلستان کا ایک سائنس دان تھا۔ اس نے ۱۸۸۶ء میں اِسلام قبول کیا اور اسلامی نام ہارون مُصطفےٰ رکھا۔ اُس نے ایک موقعہ پہ کہا :-

"اسلام کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے۔ کہ اس کی بنیاد عقل پہ رکھی گئی ہے۔ عقل انسانی دماغ کی ایک اہم قوت ہے۔ جسے کلیسا قطعاً خاطر میں نہیں لاتا۔ لیکن اسلام کا حکم یہ ہے، کہ کسی بات کو قبول کرنے سے پہلے اُسے عقل کے معیار پہ پرکھو۔ اسلام اور صداقت مترادف الفاظ ہیں، اور کوئی شخص عقل کی مدد کے بغیر صداقت تک نہیں پہنچ سکتا۔" (ملخص۔ ایضاً۔ صہ ۲۵)

۹۔ ڈاکٹر بنیا منسٹ :

پیرس کا یہ ڈاکٹر (طبیب) ۱۹۵۳ء میں اسلام لایا۔ اس کا اسلامی نام علی سلمان رکھا گیا۔ اس نے قبولِ اسلام کے محرّکات پہ روشنی ڈالتے ہوئے کہا:۔

"میں پیرس کی ایک کیتھولک فیملی سے تعلق رکھتا ہوں۔ تعلیم مکمل کرنے کے بعد میں خدا اور عیسائیت ہر دو سے منکر ہو گیا تھا۔ کیونکہ عیسائیت اور خصوصاً کیتھولسزم کے اصول عقل کی رسائی سے باہر تھے عیسیٰ کو خدا اور خدا کو باپ۔ بیٹا اور روح القدس کا مجموعہ تسلیم کرنا میرے بس کی بات نہ تھی۔ چنانچہ میں نے قرآن کا مطالعہ شروع کر دیا۔ اس میں بعض ایسے سائنسی حقائق پائے۔ جنھیں ماڈرن سائنس نے آج دریافت کیا ہے۔ اور مجھے یقین ہو گیا، کہ خدا ایک ہے، اور محمدؐ اُس کا سچا رسولؐ ہے۔" (ملخص۔ ایضاً۔ صہ ۲۸)

۱۰۔ ڈاکٹر رالف بیرن :

ڈاکٹر رالف آسٹریا کا رہنے والا تھا۔ یہ بچپن ہی میں اسلام کی طرف مائل ہو

گیا تھا۔ آغازِ شباب میں جب یہ ٹرکی کی سیاحت کو گیا۔ تو وہاں یہ مساجد میں مسلمانوں کے ساتھ مل کر نماز ادا کرتا رہا۔ اس نے ۱۹۲۷ء میں اسلام قبول کیا، اور اپنا نام عمر رکھا۔ ۱۹۴۹ء میں یہ مدراس یونیورسٹی میں پروفیسر بھی رہا۔ یہ کئی کتابوں کا مصنف تھا جن میں سے ایک کا اردو ترجمہ "علم الاقوام" کے عنوان سے انجمن ترقی اردو دہلی نے شائع کیا ہے۔

یہ اسلام کے متعلق کہتا ہے :۔

" اسلام اُسی صداقت کا نام ہے۔ جو سب سے پہلے آدم پہ آشکار ہوئی تھی، اور آخر میں محمدؐ پر...... اسلام کو قبول کرنا گویا عیسائیت ہی پہ دوبارہ ایمان لانا ہے۔ مذاہب میں وحدت خدائی ہے اور اختلاف انسانی۔ اسلام انسانی اخوّت کا داعی ہے۔ اور رنگ، نسل، زبان اور جغرافیائی اختلافات کو قطعاً خاطر میں نہیں لاتا۔"

(ملخص۔ ایضاً۔ صہ ۲۹)

۱۱۔ ڈاکٹر جرز مینَس :

ڈاکٹر جرز مینَس، بوداپیسٹ (ہنگری) یونیورسٹی میں پروفیسر تھا۔ دوسری جنگ سے ذرا پہلے ہندوستان میں بھی آیا۔ اور کچھ عرصہ ٹیگور کی درس گاہ شانتی نکیتن میں رہا۔ پھر دہلی کی جامعہ ملّیہ میں چلا گیا، اور وہیں مشرّف بہ اسلام ہو۔ اس کا اسلامی نام عبدالکریم تھا۔ اس نے ہنگری زبان میں قرآن کا ترجمہ بھی کیا ہے۔ یہ ۱۹۶۰ء میں زندہ تھا۔

اس نے اپنے ایک خواب کا بھی ذکر کیا ہے، کہ :

" ایک رات رسولِ اسلام میرے خواب میں آئے اور فرمایا کہ

بے جھجک قدم اُٹھاؤ۔ صراطِ مستقیم تمھارے سامنے ہے۔ پھر یہ فصیح و بلیغ آیت تلاوت فرمائی :-

اَلَمْ نَجْعَلِ الْاَرْضَ	(کیا ہم نے زمین کو بستر،
مِهٰداً وَ الْجِبَالَ	اور پہاڑوں کو زمین کی میخیں
اَوْتَاداً وَخَلَقْنٰكُمْ	نہیں بنایا ؟ کیا ہم نے تمھیں
اَزْوَاجاً وَجَعَلْنَا	مرد و زن کی صُورت میں پیدا
نَوْمَكُمْ سُبَاتاً وَجَعَلْنَا	نہیں کیا ؟ کیا ہم نے نیند کو
الَّيْلَ لِبَاساً وَجَعَلْنَا	سکوں آور، رات کو پردہ پوش،
النَّهَارَ مَعَاشاً۔	اور دن کو کسبِ معاش کے لیے
(النّبا۔ ۶-۱۱)	موزوں نہیں بنایا ؟)

اِس خواب کے بعد مجھ پر اسلام کی صداقت آشکارا ہوگئی۔ مَیں جمعہ کے دن دہلی کی جامع مسجد میں پہنچا، اور وہاں اعلانِ اسلام کر دیا۔ اِس پر ہر طرف سے نعرہ ہائے تکبیر بلند ہوئے۔ کئی ہزار انسانوں نے اُٹھ کر مجھ سے مُعانقہ کیا۔ نیز میرے ہاتھ چُومے۔ مَیں اُخوّت و محبت کے اِس منظر سے بے حد مُتاثر ہُوا۔ اور میری رُوح سے مسرّت کی اتنی بڑی لہر اُٹھی۔ جس کی لرزشیں زندگی بھر باقی رہیں گی۔

(مُلخّص ۔ ایضاً۔ صہ ۳۰)

۱۲۔ ڈاکٹر مارقس :

ڈاکٹر مارقس ایک جرمن صحافی تھا۔ اِسلام لانے کے بعد حامِد مارقس کہلانے لگا۔ یہ لکھتا ہے، کہ :

اوّلاً میں اُس اخلاقی و رُوحانی انقلاب سے مُتاثر ہُوا۔ جو اسلام نے پیدا کیا تھا۔ ثانیاً اس حقیقت سے کہ اسلامی تعلیمات سائنس کی جدید تحقیقات سے مُتصادم نہیں۔ ثالثاً: اس بات سے، کہ اِسلام ایک فرد کو آزادی سے محروم نہیں کرتا۔ بلکہ آزادی کی جائز حُدود مُعیّن کرتا ہے ۔ ۔ ۔ رابعاً یہ وسعتِ ظرف و نظر کی تعلیم دیتا ہے۔ اور صداقت کو، جس ماخذ سے بھی ملے، لے لیتا ہے۔ (ملخص۔ ایضاً۔ صہ ۳۵)

۱۳۔ وِلیم بُرشَل بَشیر :

کیمبرج سے بی۔اے اور لنڈن یونیورسٹی سے ایل۔ڈی کی ڈگری لینے کے بعد یہ فوج میں بھرتا ہوگیا۔ پہلی عالمگیر جنگ میں جرمنوں کے خلاف لڑا۔ زخمی ہوگیا اور جرمنوں نے اسے سُوئٹزر لَینڈ کے ایک ہسپتال میں بھیج دیا۔ جب یہ چلنے پھرنے کے قابل ہوگیا تو ایک دِن اِس نے بازار سے قرآن پاک کا ایک فرانسیسی ترجمہ خریدا۔ اور اِس کا مُطالعہ کرنے کے بعد اِعلان کیا :

"مجھے قرآن کے مُطالعہ سے بے اندازہ رُوحانی مَسرّت ہوئی ہے میَں یُوں محسوس کر رہا ہوُں۔ گویا لافانی صداقت کا آفتاب مجھ پر تجلّیاں برسا رہا ہے۔ مجھے یقین ہوگیا ہے کہ بہترین لباس اِسلام ہے بہترین کُلاہ ثنائے ایزدی اور بہترین رِشتہ خدا سے محبّت ہے۔"

(ملخص۔ ایضاً۔ صہ ۳۷)

۱۴۔ کرنل ڈانلڈ راک ویل :

امریکہ کا یہ شاعر، نقّاد اور مُصنّف لکھتا ہے :۔

"میں اسلام کی سادگی، مساجد کی مقدس فضاؤں پانچ وقت کی عبادت سے بہت متاثر ہوا ہوں۔ اسلام میں کچھ اور خوبیاں بھی ہیں۔ مثلاً :-

ا : یہ پہلے انبیا و صحائف کا مداح ہے۔
ب : اس نے خواتین کو حق جائیداد دیا۔
ج : انسان کو افراط و تفریط سے بچایا۔
د : شراب۔ قمار، اور سود سے روکا۔
ہ : صحیح جمہوریت کا سبق دیا۔
و : غریب کو امیر کا ہم مرتبہ بنایا۔ رنگ اور نسل کے امتیازات ختم کیے۔
ز : تمام مابین واسطے ہٹا کر انسان کا تعلق براہِ راست خدا سے قائم کیا۔"

(ملخص۔ ایضاً۔ صہ ۳۸)

۱۵۔ آر۔ ایل۔ ملیما :

ہالینڈ کا یہ صاحبِ قلم ۱۹۵۱ء میں لاہور آیا اور مسلمان ہو گیا۔ قبولِ اسلام کی وجوہ پر بحث کرتے ہوئے لکھتا ہے :

"مجھے اسلام کی یہ چیزیں پسند آئیں :-

اوّل : خدا اور اس کی صفات کا حسین تصوّر۔

دوم : یہ عقیدہ کہ انسان کسی واسطے کے بغیر اللہ سے تعلق قائم کر سکتا ہے۔

سوم : کہ زید کے گناہوں کی سزا عمر کو نہیں ملے گی ۔
چہارم : یہ انسانوں میں مساوات کا قائل ہے اور رنگ و نسل کے امتیازات کا دشمن ۔
پنجم : یہ رُوح و مادہ کو ایک ہی حقیقت کے دو رُخ سمجھتا ہے ۔" (ملخص ۔ ایضاً ۔ ص ۱۴)

۱۶ ۔ والٹر ہوزِگ ۔ سیف الدّین :

یہ اپنی کہانی یوں بیان کرتا ہے، کہ :

" مَیں ۱۹۲۳ء کو برلن میں پیدا ہؤا تھا ۔ وہاں سے میرے والدین ارجنٹائنا چلے گئے ۔ چونکہ میرا مقصد مشنری بننا تھا ۔ اِس لیے مَیں مذہبی تعلیم حاصل کرنے لگا ۔ ایک روز اتفاقاً قرآن کا ایک ہسپانوی ترجمہ مجھے مِل گیا ۔ مَیں نے اُسے نفرت سے کھولا ۔ لیکن جب اُسے ختم کیا ۔ تو اِسلام سے محبت میرا ایمان بن چکی تھی ۔ مَیں اللہ کا شکر ادا کرتا ہوں، کہ اُس نے مجھے باطل سے صداقت، غلط سے صحیح، ظُلمت سے نُور، اور عیسائیت سے اِسلام کی طرف راہ نمائی کی ۔ مجھے قرآن میں تمام سوالات کا جواب اور شکوک کا حل مِل گیا ہے ۔ میری تاریکیاں نُور میں، اور میرا اضطراب سکُون میں بدل گیا ہے ۔ اللہ نے مجھے اپنے نور کی طرف اس زور سے کھینچا ہے، کہ مَیں نے سپر ڈال دی ہے ۔ مجھ پر تمام حقائق روشن ہو گئے ہیں ۔ اب مَیں خدا، کائنات اور اپنے آپ کو سمجھنے لگا ہوں، اور میری دُنیا یکسر بدل گئی ہے ۔"

(ملخص ۔ ایضاً ۔ ص ۴۳)

۱۷- مریم جمیلہ :

یہ امریکہ کی ایک یہودی لڑکی تھی ۔ ۱۹۳۴ء میں پیدا ہوئی ۔ بڑی ہو کر اسلام لے آئی ۔ اور مولانا مودودی سے خط و کتابت شروع کر دی ۔ جب اعلانِ اسلام کے بعد امریکہ میں اس کا جینا دوبھر ہو گیا ۔ تو مولانا کے کہنے پر لاہور آ گئی ، اور آپ کے گھر میں بیٹی بن کر رہنے لگی ۔ کچھ عرصے کے بعد لاہور کے ایک آسودہ حال تاجر سے اس کا نکاح ہو گیا ، اور آج کل (۱۹۶۹ء) لاہور ہی میں آباد ہے ۔

مریم جمیلہ ایک بلند پایہ اسلامی مفکرہ ہے ۔ اس کا اندازِ بیان متین و مفکرانہ ہے اس کی دو تصانیف بڑی شہرت حاصل کر چکی ہیں ۔ یعنی : " اسلام اینڈ ماڈرن ازم " اور " اسلام اینڈ ویسٹ " قبولِ اسلام کے اسباب پہ روشنی ڈالتے ہوئے کہتی ہے :-

> " میں نے اس لیے اسلام قبول نہیں کیا ، کہ مجھے آبائی مذہب سے نفرت تھی ، بلکہ اس لیے کہ مجھے کمال سے محبت تھی ۔ یہودیت ایک محدود اور تنگ معاشرہ ہے ، اور اسلام ایک ہمہ گیر آفاقی مذہب ۔ میں نے لامحدود کو محدود پہ ترجیح دی ۔" (ملخص ۔ ایضاً ۔ صہ ۴۶)

۱۸- مس سٹینمن :

اسلام لانے کے بعد انگلستان کی اس لڑکی نے اپنا نام مسعودہ رکھا ۔ یہ ایک بیان میں کہتی ہے :

> " انسانی کائنات کا ایک جزو ہے ۔ یہ زندگی کو اسی صورت میں بامقصد بنا سکتا ہے ، کہ یہ کل نیز دیگر تمام اجزا سے صحیح و مناسب

روابط قائم کرے۔ اسی سے وُہ کمال، اور مسرّت حاصل کر سکتا ہے۔
کُل کا دُوسرا نام خُدا ہے، اور اِسلام کا پہلا سبق اِس کُل کی
معرفت ہے۔

اِسلام دُنیا کا وُہ واحد مذہب ہے۔ جو مذاہب سابقہ کی
بیان کردہ صداقتوں کی تصدیق کرتا ہے۔ جو جسمانی و رُوحانی، نیز
داخلی و خارجی قوُتے میں ہم آہنگی پیدا کرتا ہے۔ جو عقل و جذبہ ہر دو
سے کام لیتا ہے۔ کسی فلسفی نے کیا خوُب کہا ہے، کہ مذہب دُختر
اُمید و بیم ہے۔ جس کا کام جہل کو حقیقتِ علم سمجھانا ہے۔"
(ملخص۔ ایضاً۔ ص۷۴)

۱۹۔ میوُرس۔ بی۔ جالی :

انگلستان کی یہ عیسائی لڑکی تین خداؤں سے متنفّر ہو کر پہلے لادین بنی۔ پھر
مذاہب عالم کا مطالعہ شروع کر دیا، اور ۱۹۵۲ء میں مُسلمان ہو گئی۔ اس نے
ایک بیان میں کہا، کہ :

" مَیں اسلام کی چند باتوں سے بہت مُتاثر ہوئی ہُوں :۔

اوّل : ایک خدا کا تصوُّر۔

دوم : تعدُّدِ ازواج۔ پچھلی دو جنگوں میں کروڑوں مرد ہلاک
ہو گئے تھے۔ اور کروڑوں لڑکیاں بے نکاح رہ گئی تھیں۔
چونکہ عیسائیت میں ایک سے زیادہ بیویوں کی اجازت نہیں۔
اِس لیے سارا یورپ جنسی بے راہی کی گرفت میں آگیا۔ اِسلام
دُنیا کا وُہ واحد مذہب ہے، جو ایسے حالات میں

کثرتِ ازدواج کی اجازت دیتا ہے۔

سوم : قرآن نے ایک ایسا نظامِ حیات پیش کیا ہے، جس سے بہتر تصوّر ہی نہیں کیا جا سکتا۔ اگر آپ کو کسی اور نظام میں کوئی خوبی نظر آتی ہے۔ تو یقین کیجیے۔ کہ اِس کا ماخذ اِسلام ہی ہے۔" (ملخص - ایضاً - ص ۵۰)

۲۰۔ اِیوَن لِی زَینَب :

انگلستان کی یہ لڑکی لکھتی ہے :-

" مَیں کیسے اور کب اِسلام لائی۔ مجھے یاد نہیں رہا۔ میرا اِحساس یہ ہے، کہ مَیں شروع سے مسلمان تھی۔ اِسلام ایک ایسا فطری مذہب ہے کہ اگر کسی بچے کو اپنے حال پہ چھوڑ دیا جائے، تو وُہ مسلمان ہی بنے گا۔ مَیں اپنے وسیع مطالعہ کے بعد اِس نتیجہ پہ پہنچی ہُوں، کہ عصرِ رواں کے پیچیدہ مسائل کا حل صرف اِسلام کے پاس ہے، اور یہی وہ نظام ہے جو اِنسانیت کو سکون و مسرّت دے سکتا ہے۔ اِسلام کی بُنیادی صداقتیں دو ہیں :

اوّل : توحید۔

دوم : اُخوّتِ انسانی۔

اور یہی امنِ عالم کی بُنیادیں ہیں۔ حج بھی ایک نہایت ایمان افروز فرض ہے۔ لاکھوں اِنسان ہر سال دُنیا کے ہر گوشے سے بیت اللہ میں جمع ہوتے، اور اُن گلیوں میں چلتے پھرتے ہیں، جہاں سے ایک یتیم نے اِنسانیت کو امن و سلام کی طرف بلایا تھا۔

وہاں پہنچ کر گزشتہ چودہ صدیوں کے حجابات اُٹھ جاتے ہیں اور انسان عہدِ رسولؐ میں جا پہنچتا ہے۔"

(ملخص - ایضاً - ص۵۳)

۲۱۔ مس فاطمہ کاظُوئی :

جاپان کی یہ لڑکی کہتی ہے :

" ہم جاپانی، امریکی اندازِ حیات اختیار کر رہے تھے، اور ہمارے مذہبی تصوّرات دُھندلا چکے تھے۔ میرا یہ احساس، کہ ہم کوئی نہایت قیمتی متاع کھو چکے ہیں۔ ہر روز تیز تر ہو رہا تھا۔ اِس دوران میں ایک مسلمان سے مراسم پیدا ہو گئے۔ میں اُس کی مطمئن زندگی، اور طریقِ عبادت کو بڑی حسرت سے دیکھتی تھی۔ آخر میں نے اُس سے مذہبی بحث شروع کر دی۔ اُس کے جوابات اِس قدر اطمینان بخش تھے کہ میں اِسلام لے آئی۔ اِسلام ایک نہایت سادہ۔ خالص، سچا، اور سکون بخش مذہب ہے۔ یہ فرد اور جماعت سب کو دولتِ امن سے ہم کنار کرتا ہے۔ الحمدُ لِلّٰہ، کہ اب میں بھی اِس دولت میں شریک ہو گئی۔"

(ملخص - ایضاً - ص۵۷)

۲۲۔ مسز ماسکرؔ امینہ :

جرمنی کی یہ خاتون اپنی داستان یُوں سُناتی ہے، کہ :

" ۱۹۲۸ء میں ایک دن میرا ایک بیٹا باہر سے گھر آیا، تو اُس کا پہلا جُملہ یہ تھا :

" امی ! میرے لیے عیسائیت ناقابلِ برداشت ہو چکی ہے
میں اِسلام لانا چاہتا ہوں۔ تم بھی میرا ساتھ دو۔ یہ پہلا بم تھا جو میرے
عقائد کے حصار پہ گرا۔ اُس کے بعد میں نے مسجد برلن کے اِمام سے
رابطہ پیدا کیا۔ اور مجھے جلد یقین ہو گیا۔ کہ اِنسانیت کا سچا مذہب اِسلام
ہی ہے۔ چنانچہ میں نے یہ مذہب قبول کر لیا۔ اور مجھے تثلیث۔ کفارہ۔
اقرارِ گناہ کے طلسم اور پوپ کی بالا دستی سے نجات مِل گئی۔"
(ملخص - ایضاً - صہ ۵۸)

۲۳ - ایف - آر - فیز دی - خدیجہ :

انگلستان کی یہ خاتون اِسلام قبول کرنے کے بعد لکھتی ہے :-
" میرے احباب و اقارب مجھے بار بار کہتے ہیں، کہ محمد (نعوذ باللہ)
جھوٹا تھا۔ لیکن میں یہ پوچھتی ہوں، کہ جس شخص نے شرک کو مٹایا،
عدل و اِنصاف قائم کیا۔ غرباء کی پرورش کا درس دیا۔۔۔۔
معاشرے میں عورت کو موزوں مقام عطا کیا۔ علوم کو ترقی دی۔
انبیائے سابقہ کی تصدیق کی۔ وسعتِ نظر اور مساواتِ اِنسانی
کا سبق دیا۔ غلاموں کو آزاد کرایا۔ چوری۔ قتل اور زنا کے
خلاف جہاد کیا۔ وہ جھوٹا کیسے ہو سکتا ہے ؟ میرا یہ عقیدہ
ہے، کہ اگر یورپ اِسلام لے آئے، تو اِس سے نیکی کے
فروغ میں بہت مدد ملے گی۔"

(ملخص - ایضاً - صہ ۵۹)

٭ ٭ ٭

۲۴ - ہَرِین - فاطمہ :

مغربی جرمنی کی یہ لڑکی اِسلام لانے کے بعد اپنے شوہر کے ہمراہ پاکستان میں آگئی تھی، اور آج کل یہیں ہے، کہاں ؛ یہ معلوم نہیں ہو سکا - یہ ایک بیان میں کہتی ہے :-

" مجھے میرے والدین - بھائی - اقارب اور احباب بہت یاد آتے ہیں، اور یہ نقصان کسی طرح پُورا نہیں ہو سکتا - لیکن پھر بھی خوش ہوں، کیونکہ اسلام قبول کرنے کے بعد مجھے سکونِ قلب کی دولت مِل گئی ہے۔ جو یورپ میں کہیں موجود نہیں۔"

(ملخص - ایضاً - صہ ۶۴)

۲۵ - بَرِجِتّٹ ہِنی - عائشہ :

انگلستان کی یہ لڑکی ابتداء سے مذاہب کا تقابلی مُطالعہ کیا کرتی تھی - جب اُس نے قرآن کا مُطالعہ شروع کیا - اور سورۂ عمران تک پہنچی، تو مسلمان ہو گئی۔ اِس نے ایک بیان میں کہا - کہ :-

" اِسلام کو جیومیٹری کی ایک ایسی شکل سمجھیے - جس کے تمام اضلاع ایک دُوسرے کی تکمیل کرتے ہیں - یہ ایک ایسا معاشرہ تعمیر کرنا چاہتا ہے - جس کی بُنیاد اخلاقی قدروں پہ ڈالی گئی ہو - اِسلام، جسم اور رُوح ہر دو کی ضروریات کا خیال رکھتا ہے - آج یورپ صرف مادی لذتوں کے پیچھے بھاگ رہا ہے - اگر اِس نے رُوح کی طرف دھیان نہ دیا - تو یہ ایک ایسے اضطراب کا شکار ہو جائے گا -

جس کا کوئی علاج کہیں موجود نہ ہو۔"

(ملخص - ایضاً - صہ ۶۵)

۲۶ - جان وَیبنسٹر - محمدؐ :

انگلینڈ کا یہ نو مسلم ۱۹۱۳ء میں پیدا ہوا، اور ۱۹۳۳ء میں اسلام لایا۔ یہ لکھتا ہے، کہ :

"عیسائیت زندگی کا ساتھ نہیں دے سکتی۔ یہ دُنیا کو شیطان کی بازی گاہ، اور انسان کو فطرتاً گناہ گار سمجھتی ہے۔ اگر ہم مسیحی تعلیمات پہ پوری طرح عمل کریں۔ تو صرف راہب بن سکتے ہیں، اور نہ کریں، تو خطاکار رہ جاتے ہیں۔ اسلام وُہ واحد مذہب ہے۔ جو اس قسم کی پیچیدگیوں سے مُبرّا ہے۔" (ملخص - ایضاً - صہ ۷۰)

۲۷ - زِبجز سکی - اسماعیل :

پولینڈ کا یہ سماجی کارکن ۱۹۰۱ء میں پیدا ہوا۔ اس کا والد رسماً عیسائی تھا۔ اور عملاً مُلحد۔ دُوسری جنگ کی تباہ کاریاں دیکھ کر اسے خیال آیا، کہ زندگی کا مقصد پیٹ بھرنا نہیں، کچھ اور ہے۔ جب انسان اس مقصدِ اعلیٰ کو ترک کر دیتا ہے۔ تو خُدا اُسے راہِ راست پہ لانے کے لیے سزائیں دیتا ہے۔ یہ خیال آتے ہی یہ سچے مذہب کی تلاش میں نکل پڑا۔ اور اسلام پر ایک پمفلٹ پڑھنے کے بعد ۱۹۴۹ء میں مسلمان ہو گیا۔ اس کے تاثرات یہ ہیں :-

"اسلام ہی زندگی کے اصل مقصد کا پتہ دیتا ہے۔ یہ وُہ شاہراہ ہے جو آسمانی بادشاہت تک پہنچاتی ہے۔ میں اسلام کے بعض احکام خصوصاً

زکوٰۃ - میراث - امتناعِ سُود - حج اور محدُود تعدُّدِ ازدواج سے بہت مُتاثر ہُوا ہُوں۔ اسلام سرمایہ داری اور کمیونزم کے مابین ایک راہِ اعتدال ہے۔ رنگ و نسل کے امتیازات سے ماورا۔"

(ملخص - ایضاً - صہ ۷۲)۔

۲۸- بَینٹرس بلے - عبد اللہ :

برطانوی فوج کا یہ میجر پہلی جنگ سے کچھ پہلے برما میں مُتعین تھا۔ اس کا تعلق ملٹری پولیس سے تھا۔ یہ لکھتا ہے، کہ :

"مجھے ہر روز ایک کشتی کے ذریعے اِدھر اُدھر جانا پڑتا۔ ملّاح کا نام شیخ علی تھا۔ چٹا گاؤں کا رہنے والا۔ نہایت صاف سُتھرا رہتا تھا۔ اور دن میں کئی بار قبلہ رُو ہو کر نماز ادا کرتا تھا۔ مَیں اُس کی پارسایانہ زندگی کو دیکھ کر اسلام کے متعلق سوچنے لگا۔ اور رفتہ رفتہ اِس نتیجے پہ پُہنچا، کہ جس مذہب نے ایک ناخواندہ ملّاح کو اس قدر مُتّقی۔ دیانتدار سچّا اور مہذّب بنا دیا ہے، وُہ جھُوٹا نہیں ہو سکتا۔ یہ یقین پچّیس برس تک ایک راز بن کر میرے سینے میں نہاں رہا۔ لیکن جب یہ ظہُور کے لیے بے تاب ہو گیا۔ تو مَیں ۱۹۳۵ء میں یرُوشلم کی ایک مسجد میں چلا گیا۔ اور اسلام کا اعلان کر دیا۔ مَیں ہر روز ہر نماز کے بعد، اُس ملّاح کو دُعائیں دیتا ہُوں، جس کے پاکیزہ عمل نے مجھے اِسلام کی طرف متوجّہ کیا تھا۔ برما میں مجھے بُدھ راہبوں سے بھی ملنے کا اتفاق ہُوا تھا۔ لیکن مَیں اُن سے اِس لیے مُتاثر نہ ہُوا۔ کہ اُن میں زندگی سے فرار کا پہلُو بُہت نمایاں تھا۔ اور فعّالیت مفقُود۔"

(ملخص - ایضاً - صہ ۷۷)

۲۹ - نپولین :

فرانس کے مشہور شہنشاہ نپولین بونا پارٹ نے ایک مرتبہ کہا تھا :

" موسیٰ نے وجودِ خدا کا اعلان بنی اسرائیل کے سامنے کیا تھا۔ مسیح نے رُومی دُنیا کے سامنے اور محمدؐ نے دُنیا کے قدیم ترین برِ اعظم یعنی ایشیا کے سامنے۔ محمدؐ نے اُس دُنیا کو ابراہیمؑ۔ اسماعیلؑ۔ موسیٰؑ اور عیسیٰؑ کے خُدا کی پرستش کی طرف بُلایا۔ جسے آریاؤں اور چند دیگر مذہبی اقوام نے بُت پرست بنا دیا تھا۔ وہ وقت دُور نہیں۔ جب میں دُنیا کے تمام تعلیم یافتہ۔ دانا اور مہذّب انسانوں کو قرآن کی صداقت پر دوبارہ جمع کروں گا۔ قرآن وہ واحد کتاب ہے۔ جس کی تعلیمات میں صداقت ہے، اور جو دُنیا کو مسرّت سے ہم کنار کر سکتی ہے۔"
(ملخص۔ ایضاً۔ صہ ۷۵)

۳۰ - جان۔ ایف۔ سی۔ لی :

ملایا کا یہ عیسائی کیمبرج کا فارغ التحصیل ہے۔ ۱۹۶۴ء میں اسلام لانے کے بعد اس نے ایک اخباری بیان میں کہا :

" میں اس لیے اسلام لایا ہُوں، کہ اسلام کی تعلیمات حکمت و دانش پہ مبنی ہیں۔ یہ مساوات کا قائل اور بدد یانتی ... و بے انصافی کا دشمن ہے۔ یہ ایک گال پہ تھپّڑ کھانے کے بعد، دُوسری گال پیش نہیں کرتا۔ بلکہ دانت کے بدلے دانت اور آنکھ کے بدلے آنکھ مانگتا ہے۔" (ملخص۔ ایضاً۔ صہ ۷۶)

۳۱۔ رُوفی ۔ حسین :

اِنگلستان کا یہ مبلغ لکھتا ہے :

" کہ عیسائیت کے بعض اصول، مثلاً مسیح کی خدائی ۔ کفارہ وغیرہ میرے لیے ناقابلِ فہم تھے ۔ اس لیے مَیں نے مختلف مذاہب کا مُطالعہ شروع کر دیا ۔ پہلے یہُودیت کا جائزہ لیا، اور پھر ہندو دھرم کا۔ مَیں نے جب بھارت میں ایسے دس کروڑ اچھُوت دیکھے ۔ جو اِس اُمید پر جی رہے تھے، کہ شاید اگلے جنم میں وُہ برہمن یا کھتری بن جائیں ۔ تو مَیں اِس فاشی مذہب سے متنفّر ہو گیا ۔ اس کے بعد مَیں نے بُدھ مت کا مطالعہ کیا ۔ وہاں صنیاس ۔ یوگ اور بھگتی کے سوا کچھ بھی نہ پایا ۔ اس تعلیم پر چند منتخب افراد تو عمل کر سکتے ہیں ۔ لیکن عوام کے لیے یہ بے کار ہے ۔ اِس کے بعد مَیں اِسلام کی طرف متوجّہ ہُوا، اور ۱۹۴۵ء میں مُسلمان ہو گیا ۔ مَیں اِس تبدیلی پر بہُت نازاں ہُوں ۔ کیوں کہ اسلام ہی نے یورپ کو جہالت کے اندھیروں سے نکالا تھا ۔ میرے بعض اَحباب کا تاثر یہ ہے، کہ مَیں نے اُلٹی زقند لگائی ہے ۔ یہ اُن کی بھُول ہے ۔ اِسلام ایک عظیم و تابدار تہذیب ہے ۔ جسے دُنیا کے تمام دانش مند بنظرِ احترام دیکھتے ہیں ۔

اِسلام کے معاشی نظام میں امیر و غریب کا تفاوت اتنا کم ہے کہ کسی مُسلم ریاست میں کمیونزم آ ہی نہیں سکتا ۔" (ملخص ۔ ایضاً ۔ صہ ۲۸)

۳۲۔ تھامس اِرْوِنگ :

کینیڈا کا یہ سماجی کارکن لکھتا ہے، کہ :

"میں محمدؐ پر اِس لیے ایمان لایا ہُوں، کہ اُس تاریک دور میں محمدؐ جیسے مُصلح کی شدید ضرورت تھی۔ میں نے برسوں سوچا، اور زندگی کے کچھ اصول وضع کیے، جنھیں تعلیماتِ اسلام کے عین مُطابق پایا۔
(ملخص۔ ایضاً۔ صد۸۲)

۴۳۔ اَدَوَرِنگ۔ فوزالدین احمد:

ہالینڈ کا یہ نومُسلم کہتا ہے کہ:

"مَیں سکُول میں عربی بھی پڑھتا تھا۔ جس کی وجہ سے بار بار آیات و احادیث سے واسطہ پڑتا، اور مَیں مائل بہ اِسلام ہوتا گیا۔ ایک مرتبہ ہاتِف اِصفہانی کی ترجیع بند سامنے آگئی۔ یہ نظم ایک ایسی مُضطرب رُوح کی آواز تھی، جو تلاشِ صداقت میں ہر سُو آوارہ ہو۔ چُوں کہ میری اپنی کیفیت بھی یہی تھی۔ اِس لیے مَیں شاعر کا ہم نوا بن گیا، اور اِسلام لے آیا۔" (ملخص۔ ایضاً۔ صد۸۴)

۴۴۔ مِیتا۔ عُمَرؔ:

جاپان کا یہ فاضل لکھتا ہے:۔

"اللہ کا لاکھ لاکھ شُکر ہے، کہ اُس نے مجھے دولتِ اِسلام سے نوازا۔ جاپان والے ذہناً تو مہاتما بُدھ کے مُعتقد ہیں۔ لیکن عملاً باغی، اور اس کی وجہ یہ۔ کہ بُدھ کا بُلند اور پیچیدہ فلسفہ عوام کی سمجھ سے باہر ہے۔ اگر مُسلمان مشنری میرے ہم وطنوں کو اِسلام کے اصُولوں سے رُوشناس کرائیں۔ تو انھیں بڑی کامیابی حاصل ہو۔ کیوں کہ اِسلام ایک

سیدھا سادہ مذہب ہے۔ پیچیدگیوں سے مُعرّا۔ حیات کے ہر پہلو پہ حاوی، جسے نہ تو سمجھنا مُشکل ہے اور نہ اُس پہ عمل کرنا۔ جاپان کے لوگ مادیّت میں پڑ کر مضطرب ہو گئے ہیں، اور وُہ اُس سکُون کی تلاش میں ہیں۔ جو محبّت۔ صداقت۔ خلوص۔ دیانت اور دیگر محاسن میں ملتا ہے اور اِسلام انہی محاسن کا نام ہے۔" (ملخص۔ ایضاً۔ صہ ۸۶)

۳۵- ماری - علی محمد :

یہ جاپانی اپنی کہانی یُوں بیان کرتا ہے، کہ :-

"سنہ ۱۹۳۰ء میں مجھے منچوریا جانے کا اتفاق ہُوا۔ وہاں پیکنگ کے قریب ایسے مسلمان دیکھے، جو بڑے خُداترس اور پارسا تھے۔ میں اُن کی زندگی سے بہت مُتاثر ہُوا۔ اور رفتہ رفتہ مُسلمان ہو گیا۔

دُوسری جنگ کے بعد جاپان میں عیسائیت پھیل رہی ہے۔ گو یورپ خود عیسائیت کو چھوڑ چُکا ہے۔ لیکن اپنی نوآبادیات میں اسے بدستُور استعماری مقاصد کے لیے استعمال کر رہا ہے۔ عیسائیت ہمارے مسائل کو حل نہیں کر سکتی۔ ہمارے اِضطراب کو صرف اِسلام دُور کر سکتا ہے۔

میرا یہ ایمان ہے، کہ اللہ کا یہ عظیم پیغام بہت جلد ساری دُنیا پہ چھا جائے گا۔ اور یہ زمین، جو اِس وقت اِضطراب کا ایک جہنّم ہے۔ فردوسِ سکُون بن جائے گی۔"

(ملخص۔ ایضاً۔ صہ ۸۸)

* * *

۳۶ - ایچ - ایف - فیلوز :

برطانوی بحریہ کا یہ افسر، جو دونوں لڑائیوں میں جرمنوں کے خلاف لڑتا رہا۔ ایک بیان میں کہتا ہے :-

"دورانِ ملازمت مجھے بحریہ کی ایک کتابِ ہدایات مطالعہ کرنے کا اتفاق ہُوا - اِس میں تمام مباحات و ممنوعات کی تفصیل درج تھی - نیز جزا و سزا کا ذکر - برطانیہ کی بحری طاقت اِس لیے عظیم ہے کہ اس کے ملاح - سپاہی اور افسر اُس کتابِ ہدایات کے پابند ہیں - قرآن ویسی ہی ایک کتابِ ہدایات ہے - زندگی کے تقاضوں سے ہم آہنگ - اس کا مقصد نوعِ انسان کو جلیل و جمیل بنانا ہے - یہ آسمانی مذاہب کا آخری مکمل ایڈیشن ہے۔" (ملخص - ایضاً - ص ۸۹)

۳۷ - تکوچی - محمد سلیمان :

جاپان کا یہ نومسلم کہتا ہے :-

"میں اس لیے مسلمان ہُوا ہُوں، کہ :

ا : اِسلام عالمگیر اخوّت کا داعی ہے۔

ب : بُدھ اِزم اور عیسائیت میں ایک راہب کو عبادت کے لیے بستیوں سے دُور جنگلوں اور پہاڑوں میں جانا پڑتا ہے۔ لیکن اسلامی مساجد بازاروں اور گلیوں میں ہوتی ہیں۔ مطلب یہ تھا کہ اِسلام کا تعلّق اُس زندگی سے ہے، جو بازاروں اور گلیوں میں نظر آتی ہے، نہ اُس سے - جو ایک راہب غاروں

میں بسر کرتا ہے۔

ج : چونکہ اسلام کا تعلّق انسان کی عملی زندگی سے ہے۔ اس لیے اُس نے انسانی تہذیب کو چمکانے میں نمایاں کردار ادا کیا ہے۔

د : اسلام زندگی کے ہنگاموں اور ہمہموں میں چمکتا ہے لیکن باقی مذاہب شور و غوغا سے دُور بھاگتے ہیں۔

ہ : یہ رُوح و مادہ دونوں پہ برابر برابر نظر رکھتا ہے۔ عصرِ رواں کی مادی تہذیب نے اقوامِ عالم کی رُوحانیت کا جنازہ نکال دیا ہے۔ اور رُوح کی صفاتِ جمیلہ مثلاً : محبت۔ رحم۔ مروّت ایثار۔ انصاف وغیرہ کو ختم کر دیا ہے۔ اِس خلا کو صرف اسلام پُر کرسکتا ہے۔ یہی وجہ ہے، کہ مجھے اسلام کا مستقبل بہت روشن نظر آتا ہے۔ (ملخص۔ ایضاً۔ صہ ۹۳)

۳۸ - ایس۔ اے۔ بورڈ :

امریکہ کا یہ باشندہ ۱۹۲۰ء میں اسلام لایا تھا۔ اس کا اسلامی نام صلاح الدین رکھا گیا۔ یہ ایک بیان میں کہتا ہے :-

"میں اسلام کی تین چیزوں سے بہت متاثر ہوا ہوں :

اوّل : توحید۔ یعنی یہ عقیدہ کہ کائنات کا خالق و مالک ایک ہے۔ اگر کسی سکول میں دو ہیڈ ماسٹر یا کسی کارخانے میں دو آقا ہوں۔ تو وہاں کوئی نظم وضبط نہیں رہتا۔ دو آقاؤں کو راضی رکھنا کھیل نہیں۔ اسلام صرف ایک آقا کا قائل ہے۔ یہی خیر و شر، نور و ظلمت، بہار و خزاں،

اور مسرّت و غم کا خالق ہے۔

دوم : اسلام زید کو عمر کے گناہوں کا ذمہ دار نہیں ٹھہراتا۔

سوم : اسلام جس ملک میں بھی پہنچا۔ وہاں کے باشندوں کو ظلمت۔ غلاظت۔ جہالت اور بد اخلاقی کی پستیوں سے نکال کر علم۔ نور اور تہذیب کی بلندیوں سے رُوشناس کیا۔ جب عرب سپین میں پہنچے۔ تو وہاں جہالت و غلاظت کے سوا کچھ بھی نہ تھا۔ وُہ نہانے اور دھونے تک سے ناآشنا تھے۔ اُن کے میلے کپڑے بدن سے یُوں جھڑ جاتے تھے۔ جیسے خزاں میں درختوں کے سُوکھے پتّے۔ لیکن عربوں کے اثر سے وُہ لوگ علم و تہذیب کے اُس مقام پہ پہنچے۔ کہ دُنیا بھر کے طلبہ اُن کی درس گاہوں میں جانے لگے۔" (ملخّص۔ ایضاً۔ صد ۹۵)

۳۹۔ بی۔ ڈیوِش :

یہ ۱۹۳۱ء میں پیدا ہُوا۔ تعلیم ختم کرنے کے بعد عیسائیت کے متعلق متردد سا ہو گیا۔ اور سوچنے لگا۔ کہ نوجوان اِس مذہب سے کیوں بھاگ نکلے ہیں؟ یہ صرف کلیساؤں تک کیوں محدود رہ گیا ہے؟ اور اپنے پیرووں کے عمل پر کیوں اثرانداز نہیں ہوتا؟ چنانچہ یہ عیسائیت کو چھوڑ کر پہلے کمیونسٹ اور پھر فاشسٹ بنا۔ لیکن اس کا اضطراب باقی رہا۔ ایک دن اس نے "اسلامک ریویو" کا ایک پرچہ کسی بک سٹال سے خریدا اور اُس کا مطالعہ کرنے کے بعد مسلمان ہو گیا۔ یہ لکھتا ہے، کہ :

"میں اسلام سے بہت مطمئن ہُوں۔ کیونکہ یہ میری تمام مادی و رُوحانی آرزوں کی تکمیل کرتا ہے۔" (ملخّص۔ ایضاً۔ صد ۹۷)

۴۰ - تھامس کلیٹن - محمد :

امریکہ کا یہ نومسلم لکھتا ہے کہ :

" ایک مرتبہ میں اپنے ایک دوست کے ہمراہ کسی اسلامی ملک میں گیا۔ وہاں ایک دن ہم کسی گاؤں میں گھوم رہے تھے۔ کہ " اللہ اکبر، اللہ اکبر" کی صدا ہمارے کانوں سے ٹکرائی ۔ ہم وہیں رک گئے، دیکھا کہ ہر گھر اور ہر گلی سے لوگ عبادت گاہ کی طرف جا رہے ہیں۔ انھوں نے صفیں باندھیں۔ امیر، غریب، حاکم، محکوم، عالم، تاجر، سیاہ اور سفید کندھے سے کندھا ملا کر کھڑے ہو گئے۔ وہ کئی بار سجدے میں گرے۔ آخر میں ہاتھ اٹھا کر دعا مانگی اور پھر اللہ کے نام کا ورد کرتے ہوئے مسجد سے باہر نکل گئے۔ میں اس منظر سے اس قدر متاثر ہوا کہ اسلام کے متعلق سوچنے لگا، اور چند ماہ بعد مسلمان ہو گیا۔"

(ملخص - ایضاً - صہ ۹۲)

۴۱ - جے - ڈبلیو - لو گراف :

یہ انگلستان سے تعلق رکھتا ہے۔ اسلام کے متعلق کہتا ہے، کہ :

"قرآن وہ واحد کتاب ہے۔ جس کے الہامی ہونے پر بے شمار تاریخی دلائل موجود ہیں۔ اور محمدؐ وہ واحد رسول ہے۔ جس کی زندگی کا کوئی حصہ ہم سے مخفی نہیں۔

اسلام ایک ایسا فطری اور سادہ سا مذہب ہے۔ جو اوہام و خرافات سے پاک ہے۔ قرآن نے اس مذہب کی تفصیل پیش کی۔

اور رسولؐ نے اس پر عمل کر کے دکھایا۔ قول و عمل کا یہ حسین امتزاج کہیں اور نظر نہیں آتا۔

(ملخص۔ ایضاً۔ صہ ۱۰۰)

۴۲۔ ڈی۔ ایچ۔ میکبارکل :

آئرلینڈ کا یہ نومسلم کہتا ہے :

" گو میری ولادت ایک عیسائی گھرانے میں ہوئی تھی۔ لیکن میں جوانی ہی میں عیسائیت کی پیچیدہ تعلیمات سے برگشتہ ہو گیا تھا۔ جب میں سکول سے نکل کر یونیورسٹی میں پہنچا۔ تو اپنے لیے ایک مذہب اختراع کیا۔ ایک دن ایک چھوٹی سی کتاب " اسلام اینڈ سوشلیزیشن " میرے ہاتھ لگ گئی۔ اُسے پڑھا۔ تو احساس ہوا، کہ مجھے صرف اسلام ہی مطمئن کر سکتا ہے۔ یہ مذہب اُتنا ہی وسیع ہے۔ جتنی انسانیت۔ یہ امیر و غریب۔ سیاہ و سفید۔ اور شرقی و غربی، سب کا مذہب ہے۔ تمام امتیازات سے بالاتر۔ "

(ملخص۔ ایضاً۔ صہ ۱۰۱)

۴۳۔ ڈیوس وارنگٹن فرائی :

آسٹریلیا کا یہ طالبِ صداقت لکھتا ہے :۔

" اسلام میری زندگی میں یوں داخل ہوا۔ جیسے خزاں زدہ چمن میں بہار، اس کی تابدار۔ شفاف اور حیات بخش تعلیمات نے میری روح کو گرما دیا ہے۔ حقیقت یہ ہے، کہ عصرِ رواں کو صرف اسلام ہی

مطمئن کر سکتا ہے۔" (ملخّص - ایضاً - صہ۱۰۲)

۴۴ - بی - کارے - فارُوق :

زنجبار کا یہ پارسی ۱۹۴۰ء میں مسلمان ہُوا تھا۔
قرآن کے متعلق لکھتا ہے :-

" قرآن کا گجراتی ترجمہ پڑھنے کے بعد مجھے یقین ہوگیا۔ کہ صِرف یہی کتاب اِنسانی اُخوّت۔ مساوات۔ محبّت۔ رحم۔ عدل اور اِنسانیّت کبریٰ کا درس دیتی ہے، اور مُسلمان اِس کتاب کی وجہ سے دُنیا میں ہمیشہ باقی رہیں گے۔" (ملخّص - ایضاً - صہ۱۰۳)

۴۵ - تھامس کارلائل :

اِنگلستان کا یہ ادیب و فلسفی حضور صلعم کا مدّاح تھا۔ اپنی مشہور کتاب "ہیروز اینڈ ہیرو وَرشپ" میں لکھتا ہے :

" محمدؐ اور اُس کے پیرووں کو دیکھ کر یُوں محسوس ہوتا ہے۔ گویا صحرا پہ ایک بجلی گری۔ دہلی سے غرناطہ تک ایک آسمانی آگ بھڑک اُٹھی۔ اور چار سُو اُجالے پھیل گئے۔"

(طبع لنڈن ۱۹۱۸ء۔ صہ۳۱۱)

۴۶ - اَرِک سَن - محمُود :

یہ سُوئیڈن سے تعلق رکھتا ہے۔ ۱۹۵۰ء میں اِسلام لایا۔ اور وجہ یہ بتائی، کہ :-

"اسلامی تعلیمات مبنی بہ عقل ہیں۔ قرآن جا بجا دلائل سے کام لیتا ہے۔ اور اپنے پیروؤں کو تفکّر و تدبّر کی دعوت دیتا ہے۔ اِسلام تمام کائنات کا مذہب ہے۔ یہ خدا کو صرف خدائے اِسلام نہیں۔ بلکہ ربُّ العالمین سمجھتا ہے۔" (ملخّص۔ ایضاً۔ صہ ۱۰۸)

۴۷۔ محمد المہدی :

آسٹریلیا کا یہ نومُسلم لِکھتا ہے، کہ :۔

" ہماری راہ میں سب سے بڑی رُکاوٹ مُستشرقین کی کتابیں ہیں۔ جن میں اسلام کو بدترین رنگ میں پیش کیا گیا ہے۔ لیکن مَیں آزادانہ تلاشِ صداقت کا قائل ہُوں۔ پچھلے دنوں جب مَیں افریقہ کی سیاحت کر رہا تھا۔ تو دو چیزوں سے بڑا متاثّر ہُوا :

اوّل : کَنو (شمالی نائیجیریا) کی حسین مسجد سے۔

دوم : مُسلمانوں کی سادگی۔ خلوص۔ محبّت اور وسعتِ ظرف سے۔

اس کے بعد مَیں نے اِسلام کا مُطالعہ شروع کر دیا۔ اور مُسلمان ہو گیا۔ میرا یہ ایمان ہے۔ کہ عیسائیت سے بےزار یورپ، بالآخر اسلام ہی سے مطمئن ہو گا۔

افریقہ میں بار بار مجھے یہ منظر دیکھنے کا اتفاق ہُوا۔ کہ عیسائیت قبُول کرنے والے تثلیث و کفّارہ جیسے ناقابلِ فہم عقائد سے گھبرا کر دوبارہ مُلحِد ہو جاتے ہیں۔ لیکن کسی نومُسلم کو اِسلام ترک کرتے نہیں دیکھا۔ کیُوں کہ اِسلام مذہبِ عقل ہے، اور اس کی گرفت بڑی مضبُوط ہے۔" (ملخّص۔ ایضاً۔ صہ ۱۱۰)

۴۸ - یوَ شٹس - مُوسیٰ :

تانگا نیکا (افریقہ) کا یہ نومسلم ۱۹۲۹ء میں پیدا ہُوا۔ بعد از تعلیم پہلے عیسائی بنا، اور پھر ۱۹۶۴ء میں اسلام لے آیا۔

اِس نے ایک بیان میں کہا۔ کہ :۔

" مَیں عیسائیت کے بُنیادی عقائد یعنی تثلیث۔ کفارہ وغیرہ سے ہمیشہ غیر مطمئن رہا۔ کچُھ عرصہ ہُوا۔ ایک پڑھے لکھے مُسلمان سے میری دوستی ہوگئی۔ اُس نے اِسلام پر اِس رنگ میں روشنی ڈالی۔ کہ مَیں مُسلمان ہوگیا۔ مسلمان تمام گزشتہ انبیاء و صحائف پہ ایمان رکھتے ہیں۔ اور گرجوں کی طرح ان کی مساجد میں مُقدّسین کی مُورتیاں نہیں ہوتیں۔"

(ملخّص - ایضاً - صہ ۱۱۱)

۴۹ - ڈاکٹر سی - ایف - اَینڈریُوز کی رائے :

" تاریخ کے ایک نہایت نازک موڑ پر، جب تمام دُنیا بُتوں کی پرستش کر رہی تھی۔ اِسلام نے لَا اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰه کی ندا بلند کی۔ اگر آج کی دُنیا میں خُدا کا ایک واضح اور غیر مُبہم تصوّر ملتا ہے۔ تو اس کی وجہ مُسلمانوں کی اَن تھک اور طویل جدّ و جُہد ہے۔"

(دی مائینڈ القرآن بلڈز ۔ صہ ۹)

۵۰ - ڈاکٹر جے - ایم - برِجّز کی رائے :

" اِسلام کے بُنیادی اجزاء دو ہیں۔ دُعا (عبادت) اور عمل۔

اِن کی حدُود پیغمبرِ اِسلام نے یوُں مقرر فرمائیں :
تم یوُں عبادت کرو۔ گویا تم اسی کام کے لیے پیدا ہوئے ہو۔
اور یوُں کام کرو۔ گویا عبادت شغلِ بے کاراں ہے۔ اِسلام کا پیغام وُہی ہے
جو پہلے انبیاء نے دیا تھا۔ اِس کا مقصد اِنسان کو منشائے ایزدی سے ہم آہنگ
بنانا ہے۔" (دی مائنڈ ۔۔۔ صہ ۲۰)

۵۱۔ گوئٹے نے کہا :

" اسلام کبھی ناکام نہیں ہو سکتا۔ اس کی تعلیمات اِنسان کو اُن
بلندیوں تک پہنچا سکتی ہیں۔ جو اِنسانی تصوّر سے بھی پرے ہیں۔"
(ایضاً ۔ صہ ۲۶)

۵۲۔ پروفیسر گِب (آکسفورڈ) کی رائے :

" اِسلام بینُ الاقوامی تعاوُن کی بہترین روایات کا حامل ہے۔
دُنیا میں کوئی اور ایسا معاشرہ موجُود نہیں۔ جس نے مختلف اقوام و قبائل
کو متحد کرکے انھیں ہر حیثیت سے برابر سمجھا ہو۔ جاپان۔ افریقہ۔ چین۔
ایشیا اور یورپ میں اسلام کا وجُود اس امر کا واضح ثبوت ہے، کہ اِسلام
ہر رنگ، ہر نسل اور ہر نسب کو ساتھ لے کر چلنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔
اگر یورپ نے اِسلام سے فائدہ نہ اٹھایا۔ اور یہ قُوّت ایشیا و افریقہ کے
پاس چلی گئی تو یورپ پٹ جائے گا۔ اگر یورپ اپنی سوسائٹی میں رُوحانی
اور اخلاقی اقدار کی ترویج چاہتا ہے۔ تو اسے اِسلام کا سہارا لینا ہی
پڑے گا۔" (ایضاً ۔ صہ ۱۰۲)

اسلام کے متعلق غیر مسلم مفکرین کی آرا، کا یہ سلسلہ بہت طویل ہے اگر اللہ نے فرصت و ہمت دی۔ تو اِس موضوع پر ایک الگ کتاب لکھوں گا۔ سرِدست اِسی "نمونہ از خروارے" پر اکتفا کرتا ہوں۔

ضمیمہ (۱)

اِعترافات

مَیں پچھلے پچاس برس سے علمی و مذہبی مسائل پہ لِکھ رہا ہُوں۔ آج جب اپنی تحریرات پہ نگاہِ واپسیں ڈالتا ہوں۔ تو مجھے اپنے بعض نظریات میں کچھ تبدیلی نظر آتی ہے۔

مثلاً :-

ا : مَیں پہلے اللہ کے ذِکر یعنی عبادت کی اہمیّت سے غافل تھا۔ لیکن آج میرا ایمان یہ ہے۔ کہ سعادت، عظمت اور مسّرت عبادت ہی کا نتیجہ ہیں۔

ب : مَیں برسوں علمائے دین کے خلاف لِکھتا رہا۔ وُہ میری بھُول تھی۔ پچھلے چودہ سو برس میں علماء نے اِسلام کو فروغ دینے کے لیے بہُت کام کیا ہے۔ اور وُہ نہایت قابلِ قدر ہیں۔

ج : مَیں پہلے بنک کے منافع کو حلال سمجھتا تھا۔ اور اب اِس نتیجہ پہ پہُنچا ہُوں۔ کہ وُہ سُود کے ضِمن میں آتا ہے،

اور اس لیے حرام۔

د : "دوا اسلام" سے یہ شبہ ہوتا ہے۔ کہ شاید میں منکرِ حدیث ہوں۔ قطعاً نہیں۔ میں صرف اُن احادیث (روایات) کو مشتبہ سمجھتا ہوں۔ جو کوئی حقائق۔ مسلّمہ تاریخ یا نصّ کے خلاف ہوں۔ قرآنِ حکیم کی قطعیت پہ حملہ کرتی ہوں۔ یا حضور صلعم کی سیرت کو داغدار بناتی ہوں۔

علمی لغزشیں

میری بعض کتابوں میں کچھ اغلاط بھی ہیں ۔ مثلاً

کتاب	صفحہ	غلطی اور تصحیح
۱: ایک اسلام	۱۹۸	امریکہ میں سوامی دیانند نے شادی نہیں کی تھی۔ بلکہ کسی اور سوامی نے کی تھی۔ اور اس کا نام غالباً ویویکانند تھا۔
۲۔ دو اسلام	۱۸۲	علقمہ تابعی تھے۔ نہ کہ صحابی۔ اس لیے ان کے نام پر "رح" کی علامت ہونی چاہیے تھی۔ نہ کہ "رض" کی = علقمہ رح
۳۔ بھائی بھائی	۲۵۷	ابنِ عشاق، غلط ۔ ابنِ اسحاق، صحیح ۔
۴۔ حرفِ محرمانہ	۲۱	ص۲۱ کی آخری سطر "نحو کی رُو سے .... سے ص۲۲ کی دوسری سطر "...... کسی زبان میں نہیں مل سکتی:" تک خارج از کتاب ۔
"	۲۴۳	"زنیم" کے متعلق میری تحقیق صحیح نہیں۔ اس کا ایک مفہوم وَلَدُ الْعَیْهَرِ (بدکار عورت کا بیٹا) بھی ہے۔
۵۔ دانشِ رومیؒ و سعدیؒ	۵، ۷، ۸	خلیفہ مُعتصم کو مُستعصِم پڑھیے۔
۶۔ یورپ پر اسلام کے احسان	۲۴۰	ابنِ قُتَیبہ کے سامنے "الاخبار الطوال" کا اندراج

غلطی اور تصحیح	صفحہ	کتاب
غلط ہے ۔ اس کتاب کا مصنف ابُو حنیفہ الدِّینَوَری تھا ۔		
اِس صفحے پر کچھ پنجابی اشعار درج ہیں ۔ جو خواجہ غلام فرید (کوٹ مِٹھن) نے کہے تھے. مَیں نے غلطی سے انھیں بابا فرید (پاک پٹن) کی طرف منسوب کر دیا ہے ۔	۲۱۴	۷ ۔ مسائِل نو
ابو حسان اور الزّیادی ایک ہی شخصیت ہے ۔ لیکن مَیں نے الف اور ز کے تحت الگ الگ لکھ دیے ہیں ۔	۔	۸ ۔ مورّخینِ اسلام

ضمیمہ (۲)

ماخذ

۱ : حجۃ اللہ البالغہ — شاہ ولی اللہ۔ اردو ترجمہ از مولانا عبد الرحیم۔ قومی کتب خانہ لاہور۔ ۱۹۵۳ء

۲ : المرشد الامین — امام غزالی۔ ترجمہ : از سید عبد القدوس ہاشمی ندوی۔ اشاعت : اردو منزل کراچی۔ ۱۹۵۵ء

۳ : ابنِ قیم — علامہ سید مناظر احسن گیلانی۔ طبع : حیدر آباد دکن۔ ۱۹۴۸ء

۴ : فلسفۂ تعلیمِ اسلام — سید حمید۔ طبع : دہلی ۱۹۳۴ء

۵ : جدید علم الکلام — حسین آفندی۔ اردو ترجمہ۔ از مولانا محمد اسحاق علی طبع : کانپور۔ ۱۹۲۹ء

۶ : ابو ذر غفاری — علامہ مناظر احسن گیلانی۔ طبع : حیدر آباد ۱۹۴۵ء۔

۷ : تمدنِ اسلام — خواجہ کمال الدین۔ طبع : لاہور ۱۹۳۰ء۔

٨ : اِسلام صراطِ مُستقیم — (مارگن) ترجمہ : از مولانا غلام رسُول مِہر- طبع : لاہور - ١٩٦٢ء -

٩ : انوارِ اِقبال — بشیر احمد ڈار - اشاعت اقبال اکاڈمی کراچی - ١٩٦٧ء -

١٠ : اِسلام کا اِقتصادی نظام — مولانا محمد حِفظ الرحمان ندوی - طبع : دہلی - ١٩٥٩ء -

١١ : جادہ و منزِل — سیّد قطب مِصری - ترجمہ از خلیل احمد حامدی - اِسلامک پبلی کیشنز - لاہور ١٩٦٨ء

١٢ : اَلمُستشرقون والاسلام — ڈاکٹر حُسَین اَلہَرّاوی - طبعِ مصر - ١٩٣٦ء

١٣ : ذیل - المِلَل والنِّحَل — (شہرستانی) محمد سیّد کیلانی -

١٤ : اِسلام اور جاگیرداری نظام — مولانا رحمت اللہ طارِق -

١٥ : اِسلام کا نظامِ عدل — سیّد قُطب مِصری - ترجمہ از محمد نجات اللہ صِدّیقی - طبعِ لاہور - ١٩٦٣ء

١٦ : اِسلام کا نظریۂ ملکیت — محمد نجات اللہ صدّیقی - طبع لاہور - ١٩٦٨ء -

١٧ : سُنَن — ابو داؤد سلیمان بن الاشعث -

١٨ : سُنَن — ابو عیسےٰ محمّد بن عیسیٰ الترمذی -

١٩ : سُنَن — ابو عبد اللہ بن یزید بن ماجہ -

٢٠ : کنزالعمال — علی المتقی بن حسام الدین ، برہان پوری - اشاعت دائرۃ المعارف - حیدرآباد - ١٣١٢ھ -

۲۱ : سیرۃ عمر بن عبدالعزیز — عبدالرحمان ابن الجوزی ۔ طبع مصر ۔ ۱۳۳۱ھ ۔

۲۲ : سیرۃ عمر بن عبدالعزیز — ابو محمد عبداللہ بن الحکم ۔ مطبع رحمانیہ ، مصر ۱۳۴۶ھ

۲۳ : تاریخ — ابو جعفر محمد بن جریر طبری ۔ طبع لائڈن ۔ ۱۸۹۳ء

۲۴ : البدایۃ والنہایۃ — ابو الفداء اسماعیل بن عمر بن کثیر ۔ طبع قاہرہ ۔ ۱۹۳۹ء

۲۵ : فتوح البلدان — احمد بن یحییٰ بن جابر البلاذری ۔ طبع قاہرہ ۔ ۱۹۳۲ء

۲۶ : قواعد الاحکام فی مصالح الانام — ابو محمد عز الدین بن عبدالسلام ۔ طبع مصر ۔ ۱۹۳۴ء

۲۷ : کتاب الخراج — یحییٰ بن آدم القرشی ۔ مطبعۂ سلفیہ قاہرہ ۔ ۱۳۴۷ھ ۔

۲۸ : کتاب الخراج — قاضی ابو یوسف یعقوب بن ابراہیم ۔ طبع قاہرہ ۔ ۱۳۴۷ھ

۲۹ : اَلتِبرُ المسبوک فی نصائح الملوک — ابو حامد محمد بن محمد الغزالی ۔ مطبعۂ خیریۂ مصر ۔ ۱۳۰۶ھ

۳۰ : الطبقات الکبریٰ — محمد بن سعد ۔ بیروت ۔ ۱۹۵۷ء

۳۱ : المُغنی — موفق الدین ابو محمد عبداللہ بن احمد بن محمد بن قدامہ ۔ مکتبہ المنار ۔ مصر ۱۳۴۵ھ

۳۲ : الحسبۃ فی الاسلام — امام ابن تیمیہ - طبع مصر ۔ ۱۳۱۸ھ
۳۳ : ہدایہ — برہان الدین علی بن ابی بکر المرغینانی۔
۳۴ : المستصفیٰ من علم الاصول — امام غزالی - بولاق مصر ۱۳۲۲ھ
۳۵ : الجامعۃ لاحکام القرآن — ابو عبد اللہ محمد بن احمد الانصاری القرطبی۔ قاہرہ - ۱۹۵۲ء
۳۶ : الاعتصام — ابو اسحاق ابراہیم بن موسیٰ شاطبی۔ المنار مصر - ۱۹۱۴ء
۳۷ : وفیات الاعیان — شمس الدین احمد بن محمد بن ابی بکر بن خلکان۔ قاہرہ - ۱۹۴۸ء
۳۸ : نیل الاوطار — محمد بن علی الشوکانی ۔
۳۹ : التعزیر فی الشریعۃ الاسلامیۃ — ڈاکٹر عبدالعزیز عامر۔ طبع مصر ۱۹۵۷ء
۴۰ : سراج الملوک — ابوبکر محمد بن محمد ابن الولید الفہری الطرطوشی۔ مصر - ۱۳۰۶ھ
۴۱ : کتاب فتوح مصر واخبارہا — ابوالقاسم عبدالرحمان بن عبداللہ بن الحکم۔ لائڈن - ۱۹۲۰ء
۴۲ : اسلامی نظریۂ حیات — پروفیسر خورشید احمد۔ کراچی یونیورسٹی۔ ۱۹۶۸ء
۴۳ : المعجم الصغیر — ابو القاسم سلیمان بن احمد الطبرانی ۔ طبع مطبع انصار ہند۔
۴۴ : آئیڈیالوجی اینڈ پاور — کرسٹوفر تھارن ۔ طبع لنڈن ۔ ۱۹۶۵ء ۔

۴۵ : اِسلام — سر ظفر اللہ خان ۔ طبع لنڈن ۔ ۱۹۶۴ء

۴۶ : عَربک تھاٹ اینڈ اِٹس پلیس اِن ہسٹری ۔ — ڈی ۔ ایل ۔ اُلیئری ۔ طبع لنڈن ۔ ۱۹۶۳ء

۴۷ : سوشل سٹرکچر آف اِسلام ۔ — رِیُوبن لیوِی ۔ لنڈن ۱۹۶۲ء

۴۸ : سٹڈیز آن دِی سوِیلزیشن آف اِسلام ۔ — ہملٹن ۔ اے ۔ آر ۔ گب ۔

۴۹ : اِسلام اِز اَور چانس ۔ — اِبراہیم احمد بوانی ۔ کراچی ۱۹۶۷ء

۵۰ : اِسلام اَیز اے وَرلڈ فورس ۔ — علاّمہ عبد اللہ یوسف علی ۔ لاہور ، ۱۹۲۶ء ۔

۵۱ : دِی مائنڈ اَلقرآن بلڈرز ۔ — ڈاکٹر سیّد عبد اللطیف ۔ حیدرآباد ۔ دکن ۱۹۵۲ء ۔

۵۲ : رَیوَلیشن اینڈ ریزن اِن اِسلام ۔ — پروفیسر اے ۔ جے ۔ آربری ۔ لنڈن ۔ ۱۹۵۶ء

۵۳ : دِی مینی فیسٹو آف اِسلام ۔ — ڈاکٹر محمد رفیع ۔ طبع دین محمدی پریس ۔ کراچی ۔

۵۴ : اِسلام اینڈ ماڈرن اِزم ۔ — مریم جمیلہ ۔

۵۵ : سپرٹ آف اِسلام — سیّد امیر علی ۔ طبع لنڈن ۔ ۱۹۵۳ء

۵۶ : اِسلام اَیٹ دی کراس روڈز ۔ — محمد اسد ۔ لاہور ، ۱۹۴۷ء

۵۷ : ہیروز اینڈ ہیرو وَرشپ ۔ — تھامس کارلائل ۔ طبع لنڈن ۔ ۱۹۱۸ء

۵۸ : اِنگلش سپیکنگ اور ٹیلیشنش — ڈاکٹر اے۔ ایل۔ ترتوری۔ جینیوا، ۱۹۶۵ء

۵۹ : ہومیو پیتھی فلسفہ — (ڈاکٹر کینٹ) اُردو ترجمہ: ازعنایت حسین بخاری۔ طبع لاہور۔ ۱۹۵۷ء

۶۰ : اِنٹر اِنگلش حصّہ دوم — آکسفورڈ پریس۔ ۱۹۶۶ء